اکتوبر 2015

ماہنامہ

سچی اور دکھی کہانیوں کا مجموعہ

جوابِ عرض

اکتوبر 2015 خواتین اور مردوں کی دکھی کہانیاں شائع کرنے والا پاکستان کا پہلا ماہنامہ جوابِ عرض بانی شہزادہ عالمگیر

CPL NO 220

سچا عشق نمبر

RS:90

RS:90

خواتین اور مردوں کی دکھی زخمی کہانیوں کا دلفریب ماہنامہ

ماہنامہ جوابِ عرض لاہور

بانی۔ شہزادہ عالمگیر

نگران اعلیٰ۔ شہلا عالمگیر

چیف ایگزیکٹو۔ شہزادہ التمش

جنرل منیجر۔ شہزادہ فیصل

آفس منیجر۔ ریاض احمد

فون۔ 0341.4178875

سرکولیشن منیجر۔ جمال الدین

فون۔ 0333.4302601

مارکیٹنگ۔ کرن۔ ماہا۔ نور۔

فاطمہ۔ رابعہ۔ سارا۔ زارا

ماہ اکتوبر 2015

سچا عشق نمبر

قیمت۔ 90 روپے

جلد نمبر 41۔ شمارہ نمبر 5

پوسٹ بکس نمبر 3202، غالب مارکیٹ، گلبرگ لاہور



ماہنامہ جواب عرض ماہ اکتوبر 2015 کے شمارے سچا عشق نمبر کی جھلکیاں

سچا عشق
معاویہ عنبر ڈوگر۔فیصل آباد۔6

بچھڑ جانا ضروری تھا
سونو گوندل۔جہلم۔87

پچھتاوہ
ایم جاوید نسیم چوہدری۔24

آوارگی کا انجام
راشدہ عمران۔چک جھمرہ۔90

ادھوری محبت
ارم ارسہ۔62

کہاں منزلیں کہاں راستے
ساحل ابڑو۔96

کاغذ کے رشتے
راشد لطیف۔صبرے والا۔70

کوئی تو درد مسیحا ہوتا
مجید احمد جائی۔100

ایک محبت ایک مذاق
شاہد رفیق سہو۔80

بلاعنوان
احمد حسن عرضی۔112

کہانیوں کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہوتی ہیں ایسی تمام کہانیوں کے تمام نام واقعات قطعی طور تبدیل کر دیے جاتے ہیں جن سے حالات میں تلخی پیدا ہونے کا امکان ہو جس کا ایڈیٹر۔ رائٹر۔ ادارہ۔ یا پبلیشر زمہ دار نہ ہوگا۔ (پبلیشر زشہزادہ عالمگیر۔ پرنٹرز زاہد بشیر۔ ریٹی گن

اسلامی صفحہ

۔حضرت ابراہیم علیہ اسلام۔

یہاں پر بخاری سے ایک طویل حدیث درج کی جاتی ہے کہ کن حالات میں سیدنا ابراہیم نے سیدنا اسمٰعیل علیہ اسلام اور ان کی والدہ کو اس بے آب و گیاہ وادی میں لا کر بسایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے پینے کا سامان کیسے کیا چاہ زمزم کا پھوٹنا اور بیت اللہ کی تعمیر بہت سے حالات اس حدیث میں تفصیلاً آ گئے ہیں۔ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے سیدنا ہاجرہؓ نے کمر پٹہ باندھا تا کہ سارہ ان کا سراغ نہ لگا پائیں چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ اسلام ہاجرہ علیہ اسلام اور ان کے بچے کو وہاں سے نکال لائے ہاجرہ اسمٰعیل علیہ اسلام کو دودھ پلاتی تھیں سیدنا ابراہیم علیہ اسلام نے انہیں ایک بڑے درخت تلے بٹھا دیا جہاں آب زم زم ہے مسجد الحرام کی بلند جانب میں۔اس وقت نہ وہاں کوئی آدمی آباد تھا اور نہ ہی پانی تھا آپ انہیں ایک تھیلہ کھجور کا اور ایک مشکیزہ پانی کا دے کر چلے آئے سیدنا ہاجرہؓ ان کے پیچھے آئیں اور پوچھا ابراہیم علیہ اسلام ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جہاں نہ کوئی آدمی اور نہ پانی ہے ہاجرہؓ نے کئی بار یہ بات پوچھی مگر ابراہیم علیہ اسلام نے مڑ کر بھی نہ دیکھا پھر کہنے لگیں کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے۔سیدنا ابراہیم علیہ اسلام نے کہا۔ہاں۔پھر کہنے لگیں اچھا پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔پھر واپس آ گئیں ابراہیم علیہ اسلام۔وہاں سے چل کر جب اس ٹیلہ پر پہنچے جہاں انہیں دیکھ نہ سکتے تھے تو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اپنے ہاتھ اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی اے اللہ میں نے اپنی اولاد کے ایک حصہ کو ایسی وادی میں لا بسایا ہے کہ جہاں کوئی کھیتی نہیں۔یشکرون تک ۔۔۔صفا مروہ کی سعی کا آغاز کیسے ہوا؟۔سیدنا ہاجرہؓ سیدنا اسمٰعیل کو اپنا دودھ اور یہ پانی پلاتی رہی حتی کہ پانی ختم ہو گیا تو خود بھی پیاسی اور بچہ بھی پیاسہ ہو گیا بچہ دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے آپ بچے کی یہ حالت دیکھ نہ سکیں اور چل دیں دیکھا کہ صفا پہاڑی ہی آپ کے قریب ہے اس پر چڑھیں پھر وادی کی طرف آ گئیں وہ دیکھ رہی تھیں کہ کوئی آدمی نظر آئے مگر کوئی آدمی نظر نہ آیا آپ صفا سے اتریں حتی کہ وادی میں پہنچ گئیں قمیض کا دامن اٹھایا اور ایک مصیبت زدہ آدمی کی طرف دوڑنے لگیں یہاں تک کہ وادی طے کر لی اور مروہ پہاڑی پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ کوئی آدمی نظر آتا ہے مگر انہیں کوئی آدمی نظر نہ آیا اسی کیفیت میں انہوں نے سات چکر لگائے آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت سے ہی لوگوں نے صفا مروہ کا طواف شروع کیا۔پھر جب وہ ساتویں چکر میں مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی انہوں نے اپنے آپ سے کہا خاموش رہو۔بات سنو۔پھر کان لگایا تو وہی آواز سنی کہنے لگیں میں نے تیری آواز سنی کیا کچھ ہماری مدد کر سکتا ہے آپ نے اس وقت زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنی ایڑی یا اپنا پیر زمین پر مار کر اسے کھود ڈالا تو پانی نکل آیا۔سیدنا ہاجرہؓ۔باقی آئندہ۔۔۔۔۔۔۔۔کشور کرن پتوکی

اسے حوض بنانے لگیں اور اپنے ہاتھ سے منڈیر باندھنے لگیں اور چلوؤں سے پانی اپنے مشکیزے میں بھرنے لگیں جب وہ چلو سے پانی لیتی تو اس کے بعد جوش سے پانی نکل آتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ام اسمٰعیل پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتی یا فرمایا اس سے چلو چلو پانی نہ لیتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا چنانچہ سیدہ ہاجرہ نے پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا فرشتے نے ان سے کہا تم جان کر فکر نہ کرو یہاں اللہ کا گھر ہے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کریں گے اور اس وقت کعبہ گر کر زمین سے اونچا ٹیلہ بن چکا تھا اور برسات کا پانی اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتا تھا۔۔ آب زمزم اور بنو جرہم ۔۔ کچھ عرصہ وہاں جرہم قبیلہ کے لوگ یا ان کے گھر والے کداء کے راستے سے آرہے تھے ادھر سے گزرے وہ مکہ کے نشیب میں اترے انہوں نے وہاں ایک پرندہ گھومتا دیکھا تو کہنے لگے۔ یہ پرندہ ضرور پانی پر گردش کر رہا ہے ہم اس میدان سے واقف ہیں جہاں کبھی پانی نہیں دیکھا چنانچہ انہوں نے ایک دو آدمی بھیجے انہوں نے پانی موجود پایا تو واپس جا کر انہیں پانی کی خبر دی تو وہ بھی آگئے ام اسمٰعیل علیہ اسلام۔ وہی پانی کے پاس بیٹھیں تھیں انہوں نے پوچھا کیا ہمیں یہاں قیام کرنے کی اجازت دیں گی ام اسمٰعیل علیہ اسلام خوس بھی یہ چاہتی تھیں کہ انسان وہاں آباد ہوں چنانچہ وہ وہاں اتر پڑے اور اپنے گھر والوں کو بھی بلا بھیجا جب وہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے اور اسمٰعیل علیہ اسلام جوان ہو گئے اور انہیں لوگوں ض سے عربی سیکھی تو ان کی نگاہ میں وہ بڑے اچھے جواب نکلے وہ ان سے محبت کرتے تھے اور اپنے خاندان کی ایک عورت ان کو بیاہ دی اور ان کی والدہ فوت ہو گئیں۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ اسلام کا پہلی بار وہاں سے گزرنا۔۔ ایک دفعہ سیدنا ابراہیم علیہ اسلام اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے کے لیے آئے اس وقت اسمٰعیل گھر پر موجود نہ تھے آپ نے ان کی بیوی سے پوچھا وہ کہنے لگیں روزی کی تلاش میں نکلے ہیں پھر آپ نے اس سے گزر بسر کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگی بڑی تنگی سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور سختی کی آپ سے خوب شکایت کی اور آپ علیہ اسلام نے کہا جب تیرا خاوند آجائے تو اسے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اپنی چوکھٹ بدل دے جب اسمٰعیل علیہ اسلام آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ آج گھر میں کوئی مہمان آیا ہے بیوی سے پوچھا تو اس نے کہاں ہاں اس طرح کا ایک بوڑھا آیا تھا تمہارے متعلق پوچھ رہا تھا تو میں نے اسے بتا دیا۔ پھر پوچھا کہ زندگی کیسے بسر ہو رہی ہے تو میں نے کہا کہ بڑی تنگی ہے ترشی سے دن کٹ رہے ہیں اسمٰعیل نے پوچھا کہ کچھ اور بھی کہا ہوگا انہوں نے۔ تو کہنے لگی کہ ہاں اور کہا کہ جب آپ کا شوہر آئے تو اسے کہنا کہ اپنی چوکھٹ بدل دے اسمٰعیل کہنے لگے کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں اب تو اپنے گھر اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ اسمٰعیل نے اسے طلاق دے دی اور دوسری عورت سے شادی کر لی۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ اسلام کا دوسرا چکر۔۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ اسلام نے جتنی مدت اللہ نے چاہا اپنے ملک میں قیام پذیر رہے پھر یہاں آئے تو بھی اسمٰعیل علیہ اسلام نہ ملے آپ نے ان کی بیوی سے پوچھا کہنے لگی روزی کمانے گئے ہیں پھر آپ علیہ اسلام نے پوچھا کہ تمہاری گزر بسر کیسا ہو رہا ہے وہ کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے بڑی اچھی گزر بسر ہو رہی ہے آپ علیہ اسلام نے پوچھا کہ کیا کھاتے ہو کہنے لگی گوشت پوچھا کیا پیتے ہو کہنے لگی پانی پھر سیدنا علیہ اسلام نے دعا کی یا اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت ڈال دے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان دنوں مکہ میں اناج نام کو نہ تھا ورنہ ابراہیم علیہ اسلام اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔۔۔۔۔ کشور کرن پتوکی

جواب عرض 5

سچا عشق

---تحریر: معاویہ عنبر وٹو۔ فیصل آباد---

شہزادہ بھیا آج پھر ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں۔ امید ہے کہ میری باقی کہانیوں کی طرح یہ کہانی بھی آپ کے دلوں کو بھائے گی عزت افزائی کا بہت شکریہ۔ یہ کہانی ایک ایسی لڑکی کی ہے جو اپنے محبوب سے بہت پیار کرتی تھی اس کے بنا ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی تھی لیکن اچانک حالات نے پلٹا کھایا اس کا ذہن ہی بدل گیا وہ دنیاوی زندگی سے نکل کر دینی دنیا میں آگئی اور ایسی آئی کہ اپنی تمام محبتوں کو بھول گئی اس کو یاد رہا تو صرف خدا اور اس کا رسول ﷺ۔ اس کی زندگی میں سکون ہی سکون آگیا تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ زندگی کا تمام سکون تو خدا کی یاد میں ہے، ہم لوگ سکون تلاش کرنے کے لیے نجانے کیا کچھ کرتے پھرتے ہیں۔ جب دین اس کے ہاتھ میں تو سب کچھ اسے مل گیا وہ سب کچھ جو اس نے خدا کی خوشی کی خاطر چھوڑ دیا تھا۔ وہ حیران تھی خدا کی قدرت پر کہ اگر انسان خدا کا بن جاتا ہے تو خدا اس کی تمام خواہشات کو پورا کر دیتا ہے میں اس کہانی کو کہاں تک لکھنے میں کامیاب ہوا ہے اس کے بارے میں بتانا آپ کا کام ہے امید ہے کہ آپ کو میری یہ تحریر حد سے زیادہ پسند آئے گی۔ سب کو سلام اس کہانی میں شامل سب کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں کسی سے مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔

اپنی مطلوبہ روٹ کی گاڑی دیکھتے وہ ایک دم الرٹ ہوگئی کالج سے گھر تک واپسی اسی واحد روٹ گاڑی کی موہون منت تھی جو ہر گھنٹے بعد آتی تھی اس نے ارد گرد لوگوں کے مجمع کی طرف نظریں گھمائیں اگر یہ گاڑی بھی نکل گئی تو ایک گھنٹہ پھر انتظار میں گزارنا پڑے گا اس خیال نے اس کے اندر گویا برق رو بھر دی گاڑی آتے ہی وہ اپنا سارا دوپٹہ چھوڑ کر اس کی جانب لپکی اتنی چستی دکھانے کے بعد بھی گاڑی کے پائیدان پر قدم جمانے کی جگہ ہی مل سکی گاڑی میں جھولتے لٹکتے جب وہ گھر پہنچی تو عصر کی اذان ہونے کے قریب تھی ماں کا متفکر چہرہ سامنے تھا جو اسے دیکھتے ہی کھل اٹھا۔

اتنی دیر کر دی آج کہاں رہ گئی تھیں مجھے تو ہول اٹھ رہے تھے۔

وہ آپ جانتی تو ہیں حالات کو پہلے ہی اپنے روٹ کی گاڑیاں کم تھیں اب تو اور بھی نایاب ہوگئیں وہ اندر کمرے کی جانب جاتی ہوئی داستان سفر سنانے لگی۔ معلوم ہے ایسے لٹکتے ہوئے آئی ہوں جیسے درختوں پر نارزن بس فرق اتنا سا ہے کہ اس کے ہاتھوں میں بیگ اور فائل نہیں ہوتی اور میرے پاس یہ سامان بھی تھا اور بولتے بولتے وہ یکدم رکی اور تیزی سے باہر صحن میں آئی۔

کیا ہوا۔ ماں نے اس کی رکتی زبان اور دوڑتی ہوئی نظریں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ امی فائل --- فائل آپ کو دی ہے کیا میں نے اس نے پوچھا۔

نہیں تو۔ انہوں نے کہا۔ تم جب آئی تھیں تو فائل کہاں تھی تمہارے ہاتھ میں میرا خیال ہے ایک رجسٹر ہی تھا شاید۔ خیریت کیا ہوا۔ کچن سے



فوراً پلٹ کر آئیں۔

امی شاید فائل کہیں رستے میں گر گئی ہے گاڑی میں اتنا تورش تھا۔اور پھر لوگوں کے دھکے ہاتھ میں رجسٹر شاید کہیں سلپ ہوگئی ہائے اللہ اس میں تو میرے ضروری ڈاکومنٹس تھے اس کی اکھیوں میں آنسو بھر آئے۔

اچھا اچھا اب پریشان نہ ہو پہلے جاکر ذرا چادر رکھ آؤ کپڑے تبدیل کر کے فریش ہوجایئے پھر اطمینان سے ڈھونڈئے گا۔ انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

کہاں گر سکتی ہیں۔اس میں تو اس کی تصاویر اور شناختی کارڈ وغیرہ کا لفافہ بھی تھا فائنل ایگزائم کے فارم جمع ہونے تھے وہ اپنے تمام دستاویزات لے کر گئی تھی سوچتے سوچتے اس کا دماغ شل ہونے لگا تھا باپ کے گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس نے تمام بابت گوش گزار کردی انہوں نے ڈانٹ بھرا دلاسہ دیا۔

تم سے ایسی ہی لاپروائی کی توقع تھی اب جو ہونا تھا ہوگیا اب درود شریف پڑیں مل جائے گی کل کالج جاکر دوبارہ چیک کرنا ہوسکتا ہے کالج میں ہی رہ گئی ہو۔وہ سر جھکائے دعا میں مشغول ہوگئی۔

دوسرے روز کالج میں معلوم کروایا گیا کالس کنٹین آفس راہداریاں سب چھان ماریں مگر کہیں فائل نہ مل سکی ناکام ومایوس جب واپسی میں گاڑی کے انتظار میں کھڑی ہوئی تو اچانک کسی کی آواز پر چونکی ایک نوجوان نے اسے مخاطب کیا تھا وہ سمٹ سی گئی اور دانستہ ادھر ادھر دیکھنے لگی تب وہ نوجوان اس کے پاس آکر براہ راست مخاطب ہوا مس عنبرین یہ آپ کی امانت ہے لیجئے غالباً کل گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے گر گئی تھیں میں آپ کو پہنچانے کے لیے دوڑا بھی مگر گاڑی بہت دور جاچکی تھی۔

اوہ۔اس نے جھپٹنے کے انداز میں فائل لی اور پھر منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

شکریہ نہیں بولوگی۔لڑکا بڑبڑایا۔

اتنے میں گاڑی قریب آکر رکی وہ فائل کو مضبوطی سے تھامے آگے بڑھی پھر کچھ سوچتے ہوئے پلٹی اور لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔جی آپ کا بہت شکریہ۔اور گاڑی میں سوار ہوگئی۔لڑکا اس کے لٹھ مار شکریہ پر مسکرا کر رہ گیا گھر لوٹتے عنبرین نے سب سے پہلے شکرانہ کے نفل پڑھے اور اپنے جیب خرچ سے مٹھائی منگوا کر اپنی سہیلیوں کو کھلائی وہ اس کے بچکانے انداز پر مسکرائی اور دعا دینے لگیں۔

عنبرین اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اور گریجویشن کا فائنل ائیر تھا کالج سے واپسی پر اکثر سے وہی لڑکی بس اسٹاپ پر دکھائی دیتا عنبرین پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق جاگ اٹھتی جسے وہ اکثر نظر انداز کرجاتی کبھی صرف مسکرا کر منہ پھیر لیتی وہ ایک سنجیدہ طبع لڑکی تھی اور پڑھائی کی بے حد شوقین بھی اسی لیے وہ فضول رسم وراہ بڑھانے کی قائل بالکل نہ تھی۔ یہ لڑکا عتیق خاور تھا انجینئرنگ فائنل ائیر کا طالب علم تھا ایک کھاتے پیتے گھرانے کا چشم وچراغ عنبرین کے لیے دیئے انداز اور سنجیدگی نے اسے مزید گفتگو سے باز رکھا آج کالج میں عنبرین کا آخری روز تھا پھر امتحانات کے لیے چھٹیاں۔

شکر خدا کا ایک مرحلہ مکمل ہوا اب سکون وچین سے گھر بیٹھ کر تیاری کروں گی وہ خیالات کی

دنیا میں مگن جب بس اسٹاپ پر پہنچی تو اسے ارد گرد ویانی کا احساس ہوا آج لوگ کم دکھائی دے رہے تھے اور گاڑیاں بھی کیا ہو گیا کیا پھر حالات بگڑ گئے ہیں یہ کراچی کے حالات بھی سمجھ سے باہر ہیں۔انکے بگڑنے کا بھی پتہ نہیں چلا اس نے تاسف سے سوچا یکایک فضا میں فائرنگ کی آواز سنائی دی وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی دائیں طرف سے کچھ موٹر سائیکل سوار نوجوان فائرنگ کرتے ہوئے گزر رہے تھے وہ خوف سے بری طرح ڈر گئی تھی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے کدھر جائے جب کسی نے تیزی سے اس کا بازو تھاما اور اسے ایک طرف دھکیلتے گویا ہوا۔

کیا مرنے کا ارادہ ہے اس طرف آؤ۔یہ لڑکا عتیق خاور تھا۔وہ کٹھ پتلی کی مانند اسی جانب چلتی گئی جہاں اس نے کہا تھا۔یہ مین روڈ سے ملحقہ گلی تھی تم کو یہ معلوم نہیں حالات اتنے بگڑ گئے ہیں کیا ضرورت تھی گھر سے نکلنے کی وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اسے ڈانٹ رہا تھا۔

افوہ۔تمہارا تو گھر بھی شاید یہاں سے بہت دور ہے۔۔ہے ناں۔وہ ہونق سی سے دیکھتی رہی ۔ملنے والی فائل جو تھی اس میں تمہارا شناختی کارڈ تھا ناں اس پر ایڈریس تھا اس نے وضاحت کی گاڑیاں تو چلنا بند ہو گئی ہیں تم اکیلی جا سکتی ہو گھر

جی نہیں۔اس نے کہا۔

کسی عزیز کا گھر ہے قریب یہاں کہیں چلی جاؤ۔لڑکے نے کہا۔

جی نہیں ہے کوئی۔

او ہو اچھا موبائل ہے تمہارے پاس۔

جی نہیں۔کہتے ہوئے اپنی بے بسی پر موٹے موٹے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ آئے ماں نے کتنا کہا تھا موبائل رکھنے کا مگر اس نے ایک جواب دیا جب موبائل نہیں آیا تھا اس وقت بھی تو لوگ پڑھتے تھے ہر کام کرتے تھے وہ طریقے سے ہر کام کرنے کی عادی تھی اب اس انفرادیت کو بھگت بھی تو رہی تھی۔

حیرت کی بات ہے اس دور میں بھی موبائل نہیں ہے کسی اچھے گھرانے سے تعلق ظاہر ہوتا ہے کسی کا نمبر یاد ہو گا یا وہ بھی نہیں۔اس نے اپنی جیب سے اپنا رومال نکالتے ہوئے دریافت کیا۔

جی۔اس بار جواب اثبات میں تھا۔

شکر ہے کچھ تو یاد ہے۔وہ بڑبڑایا پھر بھی بدحواسی میں دو تین بار غلط نمبر بتانے کے بعد بابا جانی کا درست نمبر مل گیا اپنے بابا جانی کی آواز کو سنتے ہی وہ زور و شور سے رونے لگی لڑکے نے غصہ سے اس کے ہاتھ سے موبائل چھینا اور خود اس کے بابا جانی کو تمام صورت حال بتانے لگا پھر موبائل اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

جی بابا جانی عتیق خاور کو بیٹے میں نے تمہاری خالہ جان کا ایڈریس سمجھا دیا ہے اور انکا نمبر بھی دے دیتا ہوں انہیں فون کر کے تمہارے پاس پہنچنے کا کہہ رہا ہوں تم گھبراؤ نہیں آیت الکرسی پڑھ کر خود پر دم کر لو انہوں نے بے فکری سے اسے سمجھایا۔فون بند کر کے خاور کی جانب بڑھا دیا۔

کیا آپ کو اپنی خالہ جان کے گھر کا بھی کچھ معلوم نہیں۔اس نے دریافت کیا۔اس کے خاندان میں ایک سے ایک شارپ لڑکی موجود تھی ایسی گاؤدی لڑکی کا تصور بھی نہ تھا اس کے ذہن میں۔

جی وہ انہوں نے ابھی شفٹ کیا ہے اس نے منمنا کر جواب دیا۔

خیر آیئے چلیں یہاں سے آگے چوک پر وہاں تک آپ کی خالہ جان کی فیملی کا کوئی فرد پہنچ جائے گا خاور نے قدم آگے اٹھائے اس نے آیت الکرسی ہی کیا جو جو سورتیں اسے یاد تھیں سب پڑھنا شروع کر دیں تھی اور سر جھکائے اس کے پیچھے چلنے لگی دس منٹ بعد ہی اس کی خالہ جان اپنے بیٹے کے ہمراہ وہاں پہنچ گئی وہ انکے گلے لگ گئی۔ اور اپنا پسندیدہ کام آنسو بہانا شروع کر دیا خالہ جان نے عتیق خاور کا شکریہ ادا کیا اسے خاموشی دلائی اور گھر لے آئیں انکا بیٹا عتیق خاور کو اس کے گھر تک چھوڑنے گیا جو تھوڑی ہی دور تھا عتیق خاور نے جاتے جاتے ہوئے معصوم وجود کو دیکھا اور اپنے گھر کی راہ لی۔ کاش آج گھر سے میں کار لیے نکلتا اس نے سوچا۔

اس کے امتحان ختم ہونے کو آئے تو کچھ روز بعد اس نے قریبی ایک سکول میں ٹیچنگ شروع کر دی ایک روز شام دروازے پر دستک ہوئی کچھ اجنبی خواتین تھیں انہوں نے عتیق خاور کے حوالے سے اپنا تعارف کروایا ان میں ایک عتیق خاور کی بہن تھی اور دوسری اس کی خالہ جان اور تیسری خاتون جو عنبرین سمیت ایک ایک چیز کو ناقدانہ نظر سے دیکھ رہی تھیں وہ عتیق خاور کی والدہ تھیں حال احوال اور رسمی سی چند باتوں کے بعد انہوں نے عنبرین کے لیے عتیق خاور کے رشتے کی بات چھیڑ دی امی نے فوراً جواب دینے کے بجائے عنبرین کے والد سے مشورے کے لیے وقت مانگا عنبرین کو معلوم ہوا تو وہ حیران رہ گئی آنکھوں میں ذہانت اور زبان پر ڈانٹ کی تلخی لیے ایک چہرہ تصور میں آدھمکا ارے یہ تو فلموں ڈراموں والی بات ہوگئی اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور پھر اپنی سوچ پر خود ہی ہنس دی۔ کچھ ضروری معلومات اور چھان بین کے بعد عنبرین کے والد نے رضامندی کا اظہار کر دیا اگرچہ عنبرین کی والدہ کو عتیق خاور کی ماں کا نخوست بھرا لہجہ چبھ رہا تھا مگر عنبرین کے چہرے کی خوشی اور بات بے بات مسکراہٹ نے اس چبھن کو زائل کر دیا یوں فی الوقت منگنی کرنا قرار پائی جبکہ شادی ایک سال بعد کرنا طے پائے منگنی بڑی دھوم دھم سے کی گئی عتیق خاور کی طرف سے آئی ہوئی ہر چیز اس کی امارت کا ثبوت تھی اپنی طرف سے عتیق خاور نے اسے موبائل تحفتاً بجھوایا۔

شروع میں تو اسے عتیق خاور سے بات کرنا بڑا عجیب سا لگتا تھا لیکن موبائل کے سحر اور نئے رشتے کے خمار نے یہ اجنبیت ختم کر دی غرض عنبرین کے دن ایس ایم ایس کرنے اور رات عتیق کی دلنشین باتوں میں گزرنے لگی رات تین چار بجے تک باتیں کرنے کے بعد صبح فجر میں وہ بے سدھ سوئی ہوتی عتیق خاور نے اپنے شوق کے لیے انجینئرنگ کی ڈگری تو حاصل کر لی تھی مگر اب وہ اپنا بزنس بھی سیٹ کر رہا تھا رات بھر جاگنے کا اس پر تو اتنا اثر نہ ہوا جتنا عنبرین پر کیونکہ صبح اسکول جانا اس کے لیے بے حد مشکل تھا۔ عنبرین کی امی نے شروع شروع میں عنبرین کو اتنی دیر تک عتیق خاور سے باتیں کرنے پر ٹوکا مگر عنبرین نے سنی ان سنی کر دی پھر انہوں نے سوچا چلو اسی حد تک درست ہے ورنہ باہر ملنا ملانا شروع کر دیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی عنبرین کا گھرانہ بہت دیندارانہ نہ سہی لیکن اتنا بھی ماڈرن نہ تھا جتنا عتیق خاور کا غرض صرف کتابوں سے دوستی کرنے والی

معصوم سی عنبرین موبائل کے سفر پر خاور کے ہمراہ ہواؤں میں اڑتی پھرتی رات بھر صبح سوئی سوئی اسکول پہنچتی تو ایک روز اس کی کولیگ نمرہ نے اس کو مسلسل جمائیاں لیتے دیکھ کر پوچھا۔

عنبرین آپ کچھ تھکی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ کیا بات ہے۔

وہ جی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے بس کچھ سوتے سوتے تین چار بج جاتے ہیں کیا کروں۔ وہ بتانے لگی۔

تین چار بج جاتے ہیں اچھا تو آپ تہجد کے لیے اٹھتی ہوں گی نمرہ کچھ اس انداز سے گویا ہوئی کہ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

ارے نہیں تہجد کیا بس وہ یار عتیق خاور سے باتوں میں وقت کا تو پتہ ہی نہیں چلتا یونہی تین بج جاتے ہیں۔

کیا تم اتنی دیر جاگتی ہو عنبرین وہ بھی صرف باتیں کرنے کے لیے نمرہ حیران رہ گئی۔

کیا کروں یار عتیق باتیں ہی ایسی کرتا ہے کہ وقت کو گویا پر لگ جاتے ہیں پھر بھی کہتے ہیں ابھی دل نہیں بھرا اس نے ایک ادا سے اٹھلا کر جواب دیا۔

لیکن عنبرین تین بجے تو تہجد کا وقت ہوجاتا ہے اس وقت تو خدا سب سے نزدیکی آسمان پر جلوہ افروز ہوتا ہے اس وقت ایسا عمل نمرہ واقعی متفکر تھی۔

کیسا عمل کیا مطلب عتیق خاور میرا منگیتر ہے کوئی غیر تو نہیں۔ وہ بری طرح چڑی تھی

منگیتر بھی غیر ہی ہوتا ہے عنبرین۔

تمہارے ہاں ہوتا ہوگا ہمارے ہاں نہیں عالمہ آئی بڑی فتوے دینے والی کہیں کی

عالمہ بننا میرے نصیب میں کہاں۔ مگر میری ماں ضرور باعمل عالمہ ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ تہجد کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے اور اللہ کے لیے مخصوص ہے اس لیے اگر اس وقت جاگ رہی ہو تو فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کچھ وقت اللہ کے لیے نکال لیا کرو نمرہ نے تفصیلی جواب دیا تو وہ تنگ ہوکر گویا ہوئیں۔

اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے وہ بے نیاز ہے۔

اللہ کو نہیں ہمیں ضرورت ہے اس کی بندگی کرنے کی اس کا شکر بجالانے کی۔ اس نے برجستہ جواب دیا تو وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئی اس کے چہرے پر شدید ناگواری دیکھ کر نمرہ خاموشی سے کتاب دیکھنے لگی۔

عشاء کی نماز مارے باندھے پڑھ کر سوگئی موبائل کی آواز پر نیند ٹوٹی بارہ بج رہے تھے عتیق خاور کی آواز سن کر اس کی ساری نیند غائب ہوگئی پھر وہ عتیق خاور سے باتوں میں مصروف ہوگئی باتوں باتوں میں عتیق خاور نے کہا۔

لیجئے جناب تین بج گئے ہیں وہ چونکی بے ساختہ ہی اس کی نظر وال کلاک پر گئی جہاں گھڑی کی سوئیاں تین بجا رہی تھیں اس وقت تو اللہ سب سے نزدیک ہوتا ہے یہ وقت تو اللہ کے لیے مخصوص ہے نمرہ کی آواز ذہن میں گونجی۔

ہیلو ہیلو کہاں گئیں سوگئیں کیا دوسری جانب عتیق خاور اس کی خاموشی پر پریشان ہوگیا۔

جی نہیں نہیں تو

تو پھر

کچھ نہیں

میں کچھ کہہ رہا تھا غالباً جناب کا دھیان ہی نہیں میری طرف اس نے شکوہ کیا۔

جی وہ تہجد۔۔ میرا مطلب ہے کہ اللہ میاں وہ بے ربط جملے ہی پائی۔

کیا کہہ رہی ہو۔ اب کہ وہ جھنجھلایا۔ میرے خیال میں تمہیں نیند آرہی ہے سوگڈ بائے۔ اس نے جل کر فون بند کر دیا وہ سنو سنو ہی کہتی رہ گئی۔ وہ ایسا ہی تھا جلد باز من مانی کرنے والا اپنی ذات کو نظر انداز کئے جانا اسے کہاں برداشت تھا

دوسرے دن وہ سکول گئی تو نمرہ کو دیکھ کر عتیق خاور کی ناراضگی یاد آ گئی اسے نمرہ پر غصہ آنے لگا نہ وہ ایسی باتیں کرتی نہ اس کے ذہن پر وہ باتیں سوار ہوتیں نہ عتیق خاور ناراض ہوتا۔ نمرہ حسب معمول خندہ پیشانی سے اس سے ملی تو وہ چاہنے کے باوجود بھی اپنے غصہ کا اظہار نہ کر سکی بریک میں اسے اچانک کچھ یاد آیا تو اس نے طنزیہ لہجے میں نمرہ کو مخاطب کیا

میں نے سنا تھا کہ تم بھی انگیج ہو۔ آئی مین منگنی تمہاری بھی ہو چکی ہے۔

جی بالکل تو پھر۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

تو پھر یہ کہ تم سے بات نہیں کرتے تمہارے فیانسی۔ اس نے پوچھا۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں بزرگوں نے نسبت طے کر دی اور بس۔

یعنی تمہاری مرضی نہیں

میں نے یہ تو نہیں کہا میری رضامندی بھی لی گئی تھی۔

تو پھر کیا منگیتر سے بھی پردہ کرتی ہو یا وہ خود تم سے بات نہیں کرتے۔ اس نے جب تفصیل سے پوچھا تو نمرہ نے اپنا بیگ ایک جانب رکھ دیا اور مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سنو عنبرین منگنی تو محض ایک وعدے کا نام ہے صرف وعدے پر نامحرم۔ محرم تھوڑی ہو جاتا ہے ایک وعدے کے بھروسے پر اتنی امیدیں باندھنا اتنی لمبی گفتگو ملنا ملانا مستقبل کی پلاننگ انڈر اسٹینڈنگ یہ سب بے وقوفی اور بہلاوا ہے یہ سب تو جائز رشتے کا حسن اور حق ہے منگنی تو کچا ایک دھاگہ ہے جو کبھی بھی ٹوٹ سکتا ہے اتنا تفصیلی جواب سن کر عنبرین نے خاموش ہونے میں ہی عافیت جانی۔

خیر اپنی اپنی رائے ہے اور اپنا اپنا معاملہ ہے یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دن بھر اس نے سوری اور معافی کے ڈھیروں ایس ایم ایس عتیق خاور کو بھیجے تب کہیں جا کر اس نے شب کو کال ملائی زبانی معافی تلافی اور کچھ الفت بھری باتوں کے بعد اس نے نمرہ کا ذکر عتیق خاور سے کر ہی دیا پوری بات من وعن کہہ سنائی تو وہ ہنسنے لگا

مڈل کلاس لوگوں کی مڈل کلاس ذہنیت۔

لیکن عتیق خاور وہ کہہ تو درست رہی ہے نا منگنی تو محض ایک وعدے کا نام ہے اس کی اس سے زیادہ کوئی شرعی حیثیت تو نہیں ناں۔ اس نے کہا تو عتیق خاور نے طنز کا تیر پھینکا۔

اور کتنے کام شرعی کر رہی ہو تم۔

وہ لمحے بھر کے لیے لاجواب ہو گئی۔ میرا مطلب تو تھا کہ اگر اگر منگنی کے بجائے نکاح ہو جاتا تو اس نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی۔

عمبرین شریفوں میں زبان ہی سب کچھ ہوتی ہے رہ گئی بات منگنی ٹوٹنے کی تو ٹوٹنے کو شادیاں ٹوٹ جاتی ہیں منگنی کیا ہے۔

نہیں میرا تو مطلب یہ ہے کہ پھر نکاح کے بعد ہماری بات چیت جائز۔ اسنے بات کاٹی۔

سنو عنبرین میرا خاندان بہت براڈ مائنڈڈ ہے یہ جائز ناجائز یہ چھوڑو۔ تو وہ خاموش ہو کر رہ گئی پھر جلد ہی اس کی خاموشی اور ہوں ہاں سے اکتا کر عتیق خاور نے اسے خدا حافظ بول دیا۔

اور کتنے کام شرعی کرتی ہو شب بھر عتیق خاور کے جملے اس کے دماغ پر ہتھوڑے برساتے رہے گویا وہ اپنا محاسبہ کرتی رہی کیا درست ہے کیا غلط ہے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی ذہنی خلفشار اور دیر تک جاگنے کے باعث وہ صبح سکول نہ جا سکی گھر میں بھی اس کی خاموشی کو اس کی والدہ نے محسوس کیا وجہ دریافت کی پہلے تو وہ ٹال مٹول کرتی رہی پھر یکایک پھٹ پڑی۔

امی ہم کیا ہیں۔ کون ہیں نہ دنیادار نہ دیندار کس کشتی میں سوار ہیں دینداروں کے نزدیک ہم مجرم اور گناہگار دنیاداروں کے نزدیک ہم دقیانوسی سطحی سوچ رکھنے والے۔ آخر ہماری پہنچان کیا ہے۔ آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان اس نے امی کو ساری بات کہہ سنائی امی چند ثانیے خاموش رہی۔

جی تم درست کہتی ہو بیٹی ہم لوگ دو کشتیوں میں سوار زندگی گزار رہے ہیں ہم اسے اعتدال کی راہ سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں یہ اعتدال نہیں ہمارا من پسند چیدہ چیدہ باتیں منتخب کیا ہوا ایمان ہے جو بات ہمیں معاشرے سے الگ کر دے چاہے وہ اللہ کا حکم ہو ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہم بیک ورڈ کہلائیں وہ حکم شرعی بھول جاتے ہیں جس سے معاشرے میں مطابقت اختیار کر لیں وہی اختیار کرتے ہیں۔

چاہے وہ اللہ سے بغاوت ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے سوال کیا۔

جی ۔وہ ٹھنڈی سانس بھرے بولی۔ ہم ماڈرن اسلامز کا شکار ہیں یا شاہکار ہیں ہم نے حیا ایمان اخلاق معاملات معاشرت ہر معملے میں اپنی حدود کا تعین خود کیا ہے اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مقابلے میں یہی تربیت آج کل کی پچھتر فیصد مائیں کر رہی ہیں بچوں کی۔

تبھی تو ہم آدھا تیتر آدھا بٹیر ہیں ۔وہ تلخی سے مسکرا دی۔

تم شروع سے ہی بہت حساس ہو عنبرین اس لیے ان باتوں کو اتنا فیل کر رہی ہو میری بیٹی اس طرح سوچو گی تو زندگی مشکل ہو جائے گی۔ انہوں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

مگر امی میں جاننا چاہتی ہوں کہ ہم کیا کیا کر کے خدا کے قہر کو دعوت دے رہے ہیں اور کیا کچھ کر کے اس کی رضامندی حاصل کر سکتے ہیں ۔اس نے گویا دل کی خواہش بیان کر دی اسے مذہب سے کبھی اتنا لگاؤ تو نہ رہا تھا نجانے عتیق خاور کے ایک جملے اور کتنے کام شرعی کرتی ہو۔ نے اس میں کیسی طلب اور تڑپ پیدا کر دی تھی امی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا

دیکھ بیٹی میرا علم تو خود پانچ وقت کی نماز اور رمضان کے روزوں تک ہی محدود ہے ہاں مگر ٹھہرو ایک چیز ہے میرے پاس ۔وہ اٹھ کر اسٹور نما کمرے میں رکھی الماری کی طرف گئیں کچھ دیر بعد ایک کتاب ڈھونڈ کر اس کی گرد صاف

کرتے ہوئے لاکر اس کے ہاتھ میں تھمادی۔
بہشتی زیور۔ یہ کتاب مجھے جہیز میں ساتھ دی گئی تھی ہمارے وقت میں یہ بڑا پختہ رواج تھا بہشتی زیور دینے کا قرآن پاک کے ساتھ ساتھ انہوں نے بتایا۔
کیا آپ پڑھ چکی ہیں۔اس نے کتاب کے ابواب پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
تھوڑی سی پڑھی تھی شادی سے پہلے سپارے والی آپا نے پڑھائی تھی پھر شادی کے بعد کام کاج میں فرصت ہی کہاں ملتی تھی بھرا پرا کنبہ تھا تمہاری دادی کا انہوں نے بتایا۔
امی یہ تو بہت مفید کتاب ہے افسوس دنیاوی کتب حتیٰ کہ مغربی مفکرین تک کی کتابیں پڑھ ڈالیں مگر وہ کتابیں جو ہمارے بزرگ ہمارے علمائے دین اپنے خون سے قلمبند کر گئے وہ صرف جہیز میں دیئے جانے والا ڈیکوریشن پیس بنکر رہ گئیں عنبرین دلسوزی سے کہتی ہوئی کتاب سینے سے لگائے اپنے کمرے میں چلی گئی امی ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں آج کے اس مصروف دور میں بلند معیار زندگی کی جو دوڑ لگی ہوئی ہے اس میں کتابیں پڑھنا پڑھانا صرف بڑھاپے کا مشغلہ بنکر رہ گیا ہے کاش میں نے اتنا عرصہ اس کتاب کا مطالعہ کرلیا ہوتا تو آج میری بیٹی اس ذہنی کشمکش کا شکار نہ ہوتی۔

رات گئے تک عنبرین مطالعے میں مصروف رہی ابو نے کھانے کے لیے پکارا بھی مگر اس نے بھوک نہیں ہے کہہ کر منع کردیا کافی دیر بعد امی خود ٹرے میں کھانا لے کر اس کے پاس آبیٹھیں۔
امی جی آپ بھی کمال کرتی ہیں کہا تو تھا مجھے بھوک نہیں ہے بھوک لگتی تو میں خود لے لیتی اس نے آگے بڑھ کر انکے ہاتھوں سے ٹرے سنبھال لی امی مسکرائیں۔
یوں تو تمہیں بھوک نہیں لگتی انہوں نے کتاب کی جانب اشارہ کیا۔
امی جی یہ تو کوہ نور ہے کوہ نور کہاں چھپا کر رکھی تھی آپ نے مگر ایک مشکل ہے میں شروع سے انگلش میڈیم میں پڑھی ہوں نا تو یہ اردو کے زیادہ تر الفاظ میری سمجھ میں نہیں آرہے۔
جی یہ ایک اور المیہ ہے آج کی نسل کا قومی زبان اردو ہے مگر اردو سے ہی نابلد ہیں انہوں نے کہا۔مگر تم فکر نہ کرو میری ایک سہیلی ہے وہ عالمہ بھی ہے مین اس کے پاس تمہیں لے جاؤں گی مگر ذرا ایڈریس ڈھونڈنا پڑے گا مجھے یقین ہے تمہاری الجھن جو بھی ہو اسے سلجھانے میں وہ تمہاری مدد ضرور کرے گی مگر اب کھانا کھا کر نماز پڑھو اور سو جاؤ دو دن میں دیکھو آنکھیں دیکھتی ہوں تو ارد گرد حلقے پڑے دکھائی دینے لگے ہیں۔
جی امی۔اس نے سعادت مندی سے کہا۔

رات پہلی دفعہ اس نے اپنا موبائل بند رکھا جانے عتیق خاور کے چند جملوں نے اس کے شفاف دل پر کیسی خراشیں ڈال دی تھیں موبائل بند کرنے کے باوجود تین بجے اس کے دماغ میں لگے گئے الارم نے اسے اللہ کے حضور لاکھڑا کیا یہ اس کی زندگی کی پہلی تہجد کی نماز تھی اور پہلی سوز و گداز والی دعا دل کو یک گونہ سکون محسوس ہوا تو آنسوؤں کے درمیان ہدایت کی دعائیں خود بخود لبوں پر مچل گئیں فجر پڑھ کر پھر جو وہ سوئی تو بارہ بجے کی خبر لائی شام میں امی اسے لے کر اپنی

سہیلی کے گھر پہنچیں جو خوش قسمتی سے قریبی علاقے میں ہی تھا۔ اندر جا کر پہلا سرپرائز نمرہ کی شکل میں ملا وہ آنٹی ساجدہ کی بیٹی تھی امی ابو کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا جب میں میٹرک میں تھی ابو فوراً ہی اللہ کو پیارے ہو گئے اور امی دونوں ٹانگوں سے معذور ہو گئیں اس لیے میں مدرسے میں داخلہ نہ لے سکی پرائیویٹ ایف اے اور بی اے کیا ساتھ ساتھ ٹیوشنز اور پھر ٹیچنگ سے مالی معاونت میں مدد ملی نمرہ نے نم آنکھوں سے بتایا نمرہ مجھے معاف کر دینا انجانے میں میں نے تمہارا بہت دل دکھایا۔ عنبرین نے کہا تو نمرہ نے اسے گلے لگا لیا نمرہ کی امی واقعی صبر و ہمت کا پیکر تھیں معذوری کے باوجود ان کی زبان پر اللہ کا کرم ہے اللہ کا احسان ہے جیسے الفاظ بار بار ادا ہو رہے تھے عنبرین کو انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

بیٹا یہ دنیا اور دین کا الگ الگ معیار تو ہم نے خود بنا لیا ہے ورنہ دین سے دنیا الگ کہاں ایمان والوں کی دنیا تو دین ہی ہے اور بے ایمانوں کے لیے دنیا ہی دین ہے شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور مطلب وہ الجھی مطلب یہ کہ ایمان والوں کے لیے دنیا اور معاشرت اپنے رب کے احکام بجالانے کا اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کا واسطہ اور راستہ ہیں اور غیر مسلموں کے لیے یا یوں کہو دنیا داروں کے لیے ہی مقصود و معبود تعیشات لہو و لعب ہی مرغوب۔

لیکن میں کیا کروں کیا نہ کروں وہ بے بسی سے بولی۔

نکل جا عقل سے آگے کہ
یہ نور چراغ رہ ہے منزل نہیں ہے
وہ ایک جذب کی کیفیت میں تھیں ہر بات میں اقبال کے اشعار کا حوالہ دینا ان کا انداز گفتگو تھا سیکھو اور سکھتی جاؤ علم تو روشنی ہے ناں تمہیں اپنا راستہ اسی روشنی میں نظر آئے گا علم حاصل کرنے کا ارشار تو خود رسول پاک ﷺ کا ہے مگر ہاں یہ علم دینی ہو دنیاوی تو تمہارے پاس ہے ہی مگر محض کتابیں پڑھنے سے ذہن کی گتھیاں نہیں سلجھتیں رہنمائی ک لیے کسی استاد کی بھی ضرورت ہوگی۔

وہ کافی دیر تک انکی باتیں سنتی رہی اور بالاخر ایک فیصلہ کر کے اٹھی۔

دو دن کے بعد جونہی موبائل آن کیا فوراً ہی عتیق خاور کی کال آ گئی گویا موبائل کھلنے کا منتظر بیٹھا تھا۔

شکر ہے کہ جناب نے فون تو اٹھایا۔ دوسری جانب طنز تھا یا شکوہ وہ اندازہ نہ کر سکی ناراض تھیں کیا مجھ سے۔ وہی شہد آگیں لہجہ اس کے دل سے تمام خفگی تحلیل ہونے لگی۔

نہیں تو۔

مختصر جواب

ابھی بھی کیا ناراض ہو۔

نہیں تو۔

پھر مختصر جواب۔

پھر یہ گریز۔

نہیں تو

اب کی بار وہ چڑ گیا۔ نہیں تو نہیں تو کی تسبیح پڑھ رہی ہو کیا یا مجھے وہ سمجھ کر بات نہیں کرنا چاہ رہی ہو۔

وہ کیا۔

وہی جو مولوی لوگ کہتے ہیں محرم نامحرم

وہ ہنس پڑی۔۔عنبرین جس موضوع سے بچنا چاہ رہی تھی وہی سامنے آرہا تھا دل پھر دین دنیا کے بیچ ڈولنے لگا اچانک اس نے کہا۔

عتیق خاور اگر میں مدرسے میں داخلہ لے لوں تو۔

واٹ۔وہ بڑی زور سے چیخا۔۔تم مذاق کررہی ہو مجھ سے ہے ناں۔

نہیں میں بے حد سنجیدہ ہوں اس کے لہجے کی قطعیت سے وہ ایک لمحے کو خاموش رہا پھر بولا

کیا ہوگیا ہے عنبرین تمہیں یہ نمرہ کا جادو سر چڑھ گیا ہے تمہارے۔

نمرہ کا یہاں کیا ذکر۔

کیوں نہیں وہی تو ہے جس نے ہم دونوں کے بیچ مذہبی دیوار کھڑی کردی ہے۔

میں نے بہت سوچ سمجھ کر۔۔

کیا سوچ سمجھ کر۔۔وہ اب چراغ پا ہو چکا تھا۔کیا ہے تمہاری سوچ سمجھ شہر کے علاقے تک تو تم جانتی نہیں ہو دنیا اور دین کو کیا سمجھو گی۔

عتیق خاور پلیز۔وہ روہانسی ہوگئی۔

عنبرین حقیقت کی دنیا میں آؤ۔یہ مدرسہ یہ عالم فاضل مولوی یہ سب اور لوگ ہوتے ہیں انکی الگ کیمونٹی اپنا الگ تھلگ ماحول ہے ہم ان میں اور وہ ہم میں ایڈجسٹ نہیں ہوسکتے۔عتیق خاور نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔

کیوں ناایڈجسٹ نہیں ہوسکتے اس لیے کہ وہ علم دین پڑھتے ہیں اور ہم مغربی تعلیم۔اس نے سوال کیا۔

دیکھو میں بحث میں نہیں کرنا چاہتا اتنے دنوں بعد بات ہوئی ہے میں نے تو سوچا تھا حال دل سناؤں گا مگر تم تو علامہ بننے کی کہانی سنانے لگی اب ختم کرو اور کوئی خوبصورت سی بات کرو۔مگر وہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہ کہہ پائی اس کی خاموشی کو محلوظ رکھتے ہوئے عتیق خاور نے پینترا بدلا۔تم مجھے ہر حال میں پسند ہو عنبرین کیا کمی ہے تم میں جو یہ مدرسہ کا روگ لے بیٹھوگی ابھی عمر ہی کیا ہے ہماری جب بڑھاپا آئے گا تو کرلیں گے اللہ اللہ۔

اور اگر بڑھاپا آنے کی نوبت نہ آئی تو۔وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تو عتیق خاور چیخ پڑا۔بہت ہوگیا میں نے اپنی امی کی مخالفت کے باوجود تمہیں پسند کیا اور انہیں راضی کیا اس رشتے کے لیے یہ شوشہ انہوں نے سنا تو وہ کیا کہیں گی ہمارا گھر سوسائٹی بہت ایڈوانس ہے عنبرین پردے کی بوبو کو میں کہاں اٹھائے پھروں گا۔

اگر میں کسی شارٹ کورس کا کہتی کا یا گرومنگ وغیرہ کا تو کیا تب بھی تم منع کرتے اس نے پوچھا

نہیں اس میں قباحت کیا ہے اور پھر شوقیہ تم کچھ بھی کرو میں اعتراض نہیں کروں گا لیکن یہ مدرسہ وغیرہ اس خیال کو دل سے نکال دو۔یہ سن کر وہ تڑپ اٹھی۔

عتیق خاور اب آپ بس کریں میں فیصلہ کرچکی ہوں میں اب مزید اپنا وقت اور عمر بے مقصد فنون میں ضائع کرنا نہیں چاہتی ہوں میں واقعتاً مدرسہ کا فارم لے آئی ہوں۔

کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے عنبرین۔عجیب سرد مہری تھی اس کی آواز مین وہ انجانے خدشے سے لرز اٹھی مگر دل خوش فہم نے پوچھا یہ تو تم پر ہے تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو اگر تم اس راستے پر چلوگی تو میرا راستہ بالکل الگ ہوگا اس نے صاف گوئی سے کہا۔

یہ شرط صرف مدرسہ سے متعلق ہے یا علم دین کے۔اس نے سوال کیا۔
دونوں کے۔
اگر میں مدرسہ میں داخلہ لیے بغیر۔
نونو۔کوئی بہانا نہیں کوئی تاویل اس چیپٹر کو یہیں بند کرو۔
عتیق خاور۔وہ رو پڑی۔
عنبرین یہ تمہارا چند دنوں کا شوق ہے وقتی ابال ہے بیٹھ جائے گا سال بھر بعد ہماری شادی ہو جائے گی تو تم اپنی اس بے توفانہ ضد پر ہنسو گی۔
یہ بیوقوفانہ ضد نہیں ہے میری آخرت کا سوال ہے عتیق خاور۔ٹھیک ہے میں مدرسہ نہیں جاتی مگر ساجدہ آنٹی سے ہی بنیادی عقائد مسائل۔۔۔
پلیز عنبرین اب بس کردیہ بحث آج مدرسہ کا کہہ رہی ہو کل پردہ کا کہوگی پھر داڑھی کی شرط ہو جائے گی مین اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔تم اچھی طرح سوچ سمجھ لوکل کو یہ نہ کہنا کہ میری وجہ سے تمہارے نام نہاد شوق پورے نہ ہوئے دماغ درست ہو جائے تو فون کر لینا۔ورنہ۔گڈ بائے۔
لائن کٹ چکی تھی وہ کافی دیر تک فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی کاش وہ کسی ایسے گھر میں پیدا ہوئی جہاں شروع سے ہی اس کی دینی تربیت ہو سکتی یا کاش اس نے منگنی کو اپنی مجبوری اور عادت نہ بنایا ہوتا روز روز طویل لایعنی گفتگو میں عتیق خاور سے انسیت کب پختہ ہوتی چلی گئی اسے پتہ ہی نہ چلا۔
اب اگر عتیق خاور تعلق ختم کرنے کی بات کرتا ہے تو کیا میں جی سکوں گی اس کے بغیر یا خدا اس نے سر تھام لیا۔میں کس دوراہے پر آ گئی ہوں آگہی دی ہے تو راستہ بھی دکھا دے یا رب۔

ایک ہفتے بعد بھی عتیق خاور کا فون نہیں آیا وہ بنا جل کی مچھلی کی طرح بیقرار تھی بے پردگی کا وبال خدا کی محبت زبان کی حفاظت تحفہ خواتین کئی کتابیں ساجدہ آنٹی سے لے کر آ گئی تھی مگر ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی دیوار پر لگے کیلنڈر پر لکھی حدیث مبارک پر نظر پڑی۔
تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کی جان اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔
اوہ۔وہ رو پڑی عتیق کی محبت اس کے رگ و پے میں بس چکی تھی اور یہ تو دنیاوی رشتے کی محبت تھی سراب رشتے کی حباب محبت اصل محبت تو نکاح کے بعد اللہ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے جانے کیسے کامل ایمان والی خواتین تھیں جو اپنے شوہروں اور بچوں کو اللہ کی راہ میں رسول ﷺ کی محبت میں میدان جہاد میں جا کر شہید ہونے کی ترغیب دیا کرتی تھیں وہ بار بار حدیث پڑھتی رہی حتیٰ کہ اسے ایسا لگا جیسے اس کے بے قرار دل کو قرار آ گیا ہے۔
ٹھیک ہے میں اس آزمائش میں پوری اتروں گی ایک عتیق خاور ہی کیا میں دنیا کا ہر رشتہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر قربان کر سکتی ہوں۔اس نے پختگی سے سوچا دماغ نے احتجاج کیا۔
رہ سکو گی اس کے بغیر بہت آگے نکل چکی ہو محبت کے سفر پر بے رنگ ہو جائے گی دنیا دل نے

اب کے دماغ کو تنکا سا جواب دیا۔

لوگ مر بھی تو جاتے ہیں کون مر جاتا ہے ان کے ساتھ جو میرا نصیب ہوگا وہی ملے گا رہ گیا محبت کا سفر یہ دینا وی سفر تھا روحانی نہیں اور خدا کا شکر ہے ابھی میں اتنی آگے نہیں گئی کہ واپسی ناممکن ہو جائے۔

عتیق خاور کو توقع تھی کہ ایک دو دن میں ہی عنبرین بے قرار ہو کر اس سے رابطہ ضرور کرے گی مگر دو ہفتے سے زائد ہو گئے تھے نہ کوئی ایس ایم ایس نہ کوئی مس کال وہ عنبرین کو بے حد پسند کرتا تھا مگر سوسائٹی کا ڈسا ہوا تھا عنبرین کی یہ انوکھی فرمائش اس کی سمجھ سے بالاتر تھی بالآخر شام کو اس نے گھر کے نمبر پر فون کیا کیونکہ عنبرین کا موبائل مسلسل آف تھا امی نے فون اٹھایا۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے عنبرین کو بلایا۔

عتیق خاور تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔

عتیق خاور۔ اس نے زیر لب نام دہرایا۔ جی فرمایئے۔ مکمل اجنبی لہجہ عتیق خاور ٹھٹک کر رہ گیا۔

عنبرین میں عتیق خاور ہوں۔

جی جی فرمایئے۔ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

جی وہ میں۔۔ میں نے سوچا آپ کا حال ہی پوچھ لوں بھوت اترا عالمہ بننے کا کہ نہیں۔ عتیق خاور نے جان کر یہ موضوع چھیڑا تا کہ وہ روکھی گفتگو سے باہر نکلے

مجھے عالمہ بننے کا شوق نہیں ہے علم دین حاصل کرنے کی خواہش ہے وہ الحمدللہ پوری ہو رہی ہے۔

گویا تم مدرسہ جا رہی ہو یا گھر میں پڑھ رہی ہو۔ اس نے سوال کر ڈالا۔

رائٹ۔ وہ اتنا ہی بولی۔

میرے منع کرنے کے باوجود عتیق خاور کا لہجہ تیکھا تھا۔

جی ہاں علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے اور میں یہ فرض ادا کر رہی ہوں۔

تم جانتی ہو اس کا انجام کیا ہوگا۔

خدا بہتر جانتا ہے۔ جواب میں اطمینان تھا

رہ لوگی میرے بغیر۔ تڑپ کا پتہ پھینکا۔

انشاءاللہ اللہ اپنے بندوں پر ان کی برداشت سے زیادہ مشکل نہیں ڈالتا۔ جواب بھی کانٹے کا ملا او کے عنبرین گڈ بائے فار ایور۔

خدا حافظ۔

فون بند ہو چکا تھا وہ پاس رکھی کرسی پر ڈھے سی گئی پوری گفتگو کے دوران اس نے نفس کو جس طرح لگام ڈال کر رکھی تھی وہی جانتی تھی کچی عمر کی پختہ محبت اور پھر ترک تعلق وہ دل میں قرآنی ورد پڑھتی رہی۔ کبھی حسبنا اللہ ونعم الوکیل امی کو معلوم ہوا تو کہنے لگیں۔ بڑوں کو شامل کرنا مناسب نہ سمجھا تم لوگوں نے یہ کوئی گڑیا گڈے کا کھیل ہے کہ کس کس کو کیا جواب دوں گی میں مجھے اندازہ نہیں تھا نوبت یہاں تک آجائے گی یہ سب اس موبائل کا وبال ہے۔

جی واقعی۔ موبائل کے غلط استعمال کا وبال ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس نے کہا مگر امی جان میرا ضمیر مطمئن ہے۔ عنبرین کے والد نے بات سنبھالنے کی کوشش کی مگر ادھر عتیق خاور کی والدہ تو گویا منگنی ٹوٹنے کا انتظار کر رہی تھیں انہوں نے صاف کہہ دیا۔ ہم تو پہلے بھی راضی نہ تھے عتیق خاور کی ضد تھی اور اب بھی اس کی ضد ہے۔

منگنی ٹوٹنے کی خبر نہ ہوئی بم دھماکہ کی خبر ہوگئی آنا فانا پھیل گئی لوگ باقاعدہ تعزیت کرنے آئے کن آنکھوں سے عنبرین کے تاثرات دیکھے جاتے منگنی ٹوٹنے سے زیادہ منگنی ٹوٹنے کی وجہ پر زیادہ زور تھا کچھ نے عنبرین کو اپنے طور پر دینی رجحان رکھنے والی خواتین کی آج کے دور کے لحاظ سے پریشانیاں بتائیں کسی نے عالماؤں کے گھریلو کمالات میں صفر ہونے کی کہانیاں سنائیں عنبرین نے بڑے حوصلہ اور صبر کے ساتھ لوگوں کے مختلف رویے برداشت کیئے۔

نمرہ نے سنا تو کہا۔ ہوسکتا ہے شادی کے بعد عتیق خاور بدل جاتے۔

میں ایک کمزور انسان ہوں نمرہ ابھی جو شخص گھر پر بھی دین کی ضروری تعلیم کو منع کر رہا تھا بعد میں وہ کیا کرتا میں روحانی طور پر کمزور ہوں جلدی ہار۔ اس کے آگے اس وقت تم نے ہی تو کہا تھا منگنی محض ایک وعدہ ہے تو سمجھو وعدہ پورا نہ ہوسکا مجھے کوئی پچھتاوا نہیں منگنی ٹوٹنے کا۔ عنبرین کے قطعیت سے کہنے پر نمرہ اسے بغور دیکھنے لگی۔

کیا دیکھتی ہو۔

دیکھ رہی ہوں کہ ہر بات عتیق خاور کے نام سے شروع اور عتیق خاور کے نام پر ختم کرنے والی عنبرین کتنی مضبوط ہوگئی ہے۔

وہ مسکرادی۔ یہ مضبوطی اللہ کی عطا کردہ ہے تم نے کہا تھا ناں تہجد کے وقت خدا سب سے قریب ہوتا ہے۔ جو چاہو سو مانگو سو میں نے ایمان کی مضبوطی مانگی۔ میں نے کہا یا اللہ میری حالت آپ پر عیاں ہے میرا نفس میرے قابو میں نہیں دل اور دماغ عشق مجازی میں جکڑے ہوئے ہیں آپ ہی محافظ ہیں میرے ایمان کے آپ ہی برائی سے بچنے اور نیکی کی طاقت دینے والے ہیں جب مجھے راہ دکھادی ہے تو اس پر استقامت بھی عطا کر۔ بس پھر کیا تھا مجھے لگا عتیق خاور کوئی اجنبی سا شخص ہے۔

اور دنیا جو بے وفا کہے گی۔ نمرہ نے شرارتاً کہا تو وہ ہنس دی۔

کچھ تو لوگ کہیں گے لوگوں کا کام ہے کہنا

اس نے مصرعہ پڑھا۔

مدرسے میں داخلہ لے لیا مگر شروع شروع میں یہاں ایڈجسٹ ہونا مشکل لگا کبھی ایسا ماحول دیکھا نہ تھا گو ساجدہ آنٹی سے اسے کافی معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ مختلف مسائل اور عقائد کے بارے میں مگر بنیادی طور پر ناواقفیت نے اسے کافی پریشان رکھا مختلف عمر اور مختلف مزاج رکھنے والی تمام طالبات ایک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سیکھنے کے لیے ایک جگہ جمع تھیں کس چیز نے انہیں باندھا تھا یقیناً ایمان نے وہ خاموشی سے طالبات کو دیکھتی رہی یہ رشتہ سب سے مضبوط ہے اس نے ایمان کی چاشنی محسوس کی وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی اسی چمن کا ایک حصہ بن گئی ذہن کی گتھیاں سلجھتی رہیں عشق مجازی کے زخم ذکر اللہ سے بھرتے گئے کیسا وقت گزرا تھا اس نے عتیق خاور کی محبت میں یاد بھی کرتی تو ہنس پڑتی کبھی استغفار پڑھتی اللہ کے ذکر نے دل کو سکون کی نعمت دی تھی وہ ہر نعمت سے بالا تھی عتیق خاور کی دوسری جگہ منگنی کی خبر کسی مہربان کے توسط سے اس تک پہنچی تو دل میں نہ کوئی ٹھیس اٹھی نہ کوئی شور ہوا۔ وہ اپنی حالت پر خود ہی حیران ہوگئی۔

واہ میرے رب میرا تو پور پور عتیق خاور کی

محبت میں جکڑا ہوا تھا یہ کیسی رہائی دے دی اپنے رواں رواں آزاد روح تک سرشار واقعی عشق حقیقی کی دولت جسے مل جائے اس سے زیادہ غنی کون ہوگا وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھ رہی تھی اس وقت اور وہ تھی بھی۔

وقت گزرتا رہا اپنی سبک رفتاری سے وہ جھولیاں بھر بھر کر علم کے خزانے سمیٹتی رہی۔

میں نے اب صحیح کشتی میں پاؤں جمالیے ہیں امی۔ وہ اکثر امی سے کہتی۔

خدا تمہیں پار لگائے بیٹی۔

دعائیں اس پر رحمتوں کی طرح برستیں خاندان کی پہلی تقریب میں جب وہ برقع پہنے حجاب لگائے شریک ہوئی تو لوگوں نے حیرت سے دیکھا کچھ نے اشارے کیے کچھ نے آوازیں لگائیں۔

تو سوچو ہے کھا کر بلی حج کو چلی مگر اس نے اطمینان سے تقریب اٹینڈ کی بزرگ خواتین کو سلام کیا حال احوال پوچھے نقاب لگا کر ہی کھانا کھایا میزبان سے رخصت کی اجازت لی سلام دعا کر کے گھر واپس آئی لوگ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے کسی کی خوشی یا غمی وہ شرکت ضرور کرتی باپردہ آتی جاتی خوش اخلاقی سے لوگوں سے ملتی ہاں جن تقریبات میں خلاف شریعت اور شرک و بدعات پر مشتمل رسومات ہوتیں ان سے اجتناب کرتی۔

آہستہ آہستہ لوگ اس کے باپردہ رہنے کے عادی ہوگئے۔ طنز کرنے والے احترام کرنے لگے لوگوں کو پتہ چلا کہ پردہ کر کے بھی وہ دنیاوی امور سرانجام دے سکتی ہیں پردہ کرنا کتنا سہل اور افادیت سے بھرپور ہے نتیجتاً جس خاندان میں رسمی نما دوپٹہ پر ہی اکتفا کیا جاتا تھا اب وہاں کئی خواتین برقع میں اور لڑکیاں حجاب میں نظر آنے لگیں اس نے بہت لیکچر نہ دیئے تھے صرف عملی نمونہ پیش کیا تھا جو لوگوں نے پہلے تنقیدی نظروں سے پرکھا اور پھر کھلے دل سے قبول کیا۔

انگلش اس کی اے ون تھی اردو اور عربی پر عبور اس نے حاصل کرلیا تھا دین کو اس نے رٹا ہی نہیں تھا سمجھا تھا۔ سوالات کی بھرمار ہوتی تھی اس کے پاس اس کے اساتذہ نے اس سے بھرپور تعاون کیا کون سا ایسا موضوع تھا جس پر وہ بات نہ کرسکے دینی احکام دنیاوی حوالے مثالیں اسوہ حسنہ ﷺ سے ثبوت سائنس کا اقرار غرض علم کی طلب نے اسے نکھار دیا تھا مگر طبیعت میں اتنی ہی انکساری آگئی تھی حقانیت ایمان قابلیت تمام جوہر اس نے اللہ کے رنگ میں رنگ ڈالے دنیا مقناطیس کی طرح اس کی جانب کھینچتی جو لوگ عتیق خاور سے منگنی ٹوٹنے پر اچھا رشتہ نہ ملنے کا ڈراوا دیتے آج خود ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ لیے اس سے تعلق جوڑنا چاہتے تھے۔

ساجدہ آنٹی اور نمرہ کے ساتھ مل کر اس نے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی مدرسہ کیا تھا علوم کا خزانہ تھا مدرسہ کے نصاب میں اسنے کئی علمائے دین سے مشورہ کیا اور مسلمان مفکرین کی آراء کا اس ضمن میں مطالعہ کیا نتیجتاً یہاں عربی اردو انگریزی سے آغاز کیا گیا مدارس میں طلبا کو کوئی فن یا ہنر کی تعلیم دینا بھی ضروری تھا۔ سو اس نے خواتین و طالبات کے لیے ایسے کورسز بھی رکھے جن کو سیکھ کر وہ عملی زندگی میں باپردہ رہ کر کسب حلال بھی کرسکتی تھیں زندگی بہت مصروف تھی مگر پرسکون تھی عشق میں ناکامی پر اس نے خود کو ضائع نہیں کیا تھا

خود اپنی ذات کا اکرام کیا اور اپنا احترام بھی کروایا اپنے مثبت طرز عمل سے ساجدہ آنٹی نے نمرہ کے دیور کا رشتہ اس کے لیے دیا عمران عالم دین بھی تھے درجہ تخصص میں تھے اپنا کاروبار تھا ہر لحاظ سے رشتہ مناسب تھا عنبرین کی مرضی معلوم کیگئی انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ عنبرین کے والد نے مطمئن ہوکر رشتہ قبول کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ زندگی کی پرسکون جھیل میں گویا ایک پتھر آ گرا اس کی خالہ کے توسط سے دوبارہ عتیق خاور کا رشتہ آیا تھا اس کی والدہ شرمندگی کی وجہ سے خود نہیں آئی تھی عنبرین کے والدین متذبذب تھے عنبرین سے پوچھا گیا۔ اس نے پوری ایمانداری سے دل کو ٹٹولا نہیں عتیق خاور کے نام کا کوئی جگنو نہ تھا۔ میرے لیے عتیق خاور ہو یا عمران دونوں برابر ہیں جو آپ منتخب کریں گے مجھے انکار نہ ہوگا۔ عنبرین کے والد والدہ نمرہ ساجدہ آنٹی سب کے سب ووٹ عمران کے حق میں تھے جب ہی عتیق خاور عنبرین کے والدی سے ملاقات کے لیے خود آن پہنچا ڈرائنگ روم میں ان کے قدموں میں جھکا وہ عنبرین کی بھیک مانگ رہا تھا۔

مجھے معلوم ہے انکل کے آپ کو میں نے بے حد تکلیف دی ہیں میرا عمل قابل معافی نہیں میں نے کبھی عنبرین کو اپنے قابل نہ سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا آج میں اس کے قابل نہیں ہوں مگر آج میں پہلے والا مادیت پرست عتیق خاور نہیں ہوں مجھے کھرے کھوٹے کوئلے ہیرے کی پہنچان ہو چکی ہے میں نے انتقاماً اپنی کزن سے منگنی کی تھی مگر اس کی بے حجابی اور بے باکی نے جلد ہی مجھے اس سے متنفر کر دیا نہ چاہتے ہوئے بھی میں عنبرین کی زبان بولنے لگا اور جب میں نے اسے دوپٹہ اوڑھنے اور ڈھنگ سے رہنے کی تلقین کی تو اس نے میرے الفاظ مجھے ہی لوٹا دیئے کہ آج دوپٹہ اوڑھنے کو کہہ رہے ہو کل برقع کا کہو گے پھر پردہ کا حکم ہوگا نہ۔ جی نہ میں پردے کی بڑھیا نہیں بن سکتی میں تو صرف دوپٹہ لینے کا کہا تھا وہ اسی بات پر ہتھے سے اکھڑ گئی تب میں نے سوچا کچھ تو ہے ایک ہی عمر کی دو لڑکیاں ایک پردے کی طرف مائل اور دوسری آزادی کی جانب۔ رفتہ رفتہ میں نے بکس کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا نیٹ پر مضامین پڑھنا شروع کئے پھر نیٹ پر چیٹنگ کے ذریعے میں نے یہ سوال رکھا کہ کیا پردہ عورت کے لیے قید ہے۔ یا آزادی یا ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے میں حیران رہ گیا جب اسی فیصد لوگوں نے پردے کے حق میں کمنٹس دئے ان میں میرے وہ فرینڈز بھی تھے جن کی بیویاں خود بے حد ماڈرن تھیں وہ لڑکیاں بھی تھیں جنہوں نے مغربی لباس کے علاوہ مشرقی لباس کبھی زیب تن نہ کیا تھا تب مجھے عنبرین کے مطالبے کی اہمیت کا اندازہ ہوا میں اسی وقت آنا چاہتا تھا مگر میں نے سوچا۔ پہلے مجھے خود کو عنبرین کے قابل بنانا ہوگا آج میں خود قرآن کا ترجمہ اور تفسیر ایک بے حد متقی باعمل استاد سے پڑھ چکا ہوں عنبرین کے مقابلے میں بہت کم تر ہوں مگر آپ کی معافی کا منتظر ہوں۔ عتیق خاور کی اتنی لمبی چوڑی وضاحت کے بعد عنبرین کے والد نے بغور اسے دیکھا شلوار قمیض میں ملبوس سنت رسول ﷺ چہرے پر سجائے واقعی وہ بے حد بدل چکا تھا مگر اس بار وہ کوئی ٹھوکر کھانا نہیں چاہتے تھے۔

تمہارا ماحول تمہارا گھر تو وہی ہے عتیق خاور جو آج سے کئی برس پہلے تھا میری بیٹی نے طویل

جدوجہد کی ہے اپنے مقصد حیات کو پانے میں اب میں اسے مزید کسی مشقت مین ڈالنا نہیں چاہتا حالات اس کے حق میں اب سازگار ہیں خوشیوں پر اس کا بھی حق ہے تمہارے ساتھ رہ کر وہ ازسر نو پھر اپنے مشن پر نکل پڑے گی کس کس کو سنوارے گی کس کس کو سدھارے گی مجھے تمہاری تبدیلی سے خوشی ہوئی ہے مگر میری بیٹی کی خوشیاں سب پر مقدم ہیں امید ہے تم سمجھ گئے ہوں گے معذرت قبول کرو۔

عتیق خاور ناکام ونامراد واپس لوٹ گیا عنبرین کو معلوم ہوا مگر اس نے کسی بھی ردعمل کا اظہار نہ کیا وہ راضی بہ رضا کا پیکر تھی نمرہ کے توسط سے عمران تک جب یہ بات پہنچی تو وہ بے حد متاثر ہوا وہ پڑھا لکھا سلجھے ہوئے ذہن کا مالک تھا وہ خود عتیق خاور سے جا کر ملا۔ اور کچھ عتیق خاور نے عنبرین کے والد کو بتایا اسے سچ پایا نمرہ نے عنبرین کو تمام بات بتائی اور یہ بھی کہا کہ عمران نے کہا ہے کہ عنبرین کی رائے اس معاملے میں بے حد اہم ہے۔

مگر میری کوئی رائے نہیں ہے۔ وہ الجھ گئی۔

استخارہ کرلیتی ہوں۔ اس نے کہا۔

ایک دن شام عتیق خاور کی والدہ اس کی بہن کے ہمراہ ان کے گھر آئیں وہ غرور وہ نخوت بھرا انداز نہ جانے کہاں چلا گیا تھا عنبرین کے والد کے سامنے انہوں نے دوبارہ دست سوال دراز کیا عنبرین ان کے سامنے آئی تو وہ آنسوؤں سے رو پڑیں۔

مجھے مایوس نہ کرنا بیٹی ہمارے اطراف بڑا اندھیرا ہے جہنمیوں والے اعمال ہیں آخرت کا کوئی زاد راہ نہیں تم تو ہدایت کا نور ہو اندھیرے مین جگنو ہو جگنو کی روشنی تو اندھیروں میں ہی چمکتی ہے میرے گھر کے اندھیرے چمکا دو عنبرین عتیق خاور میں اور اس کی بہن ہم اس مشن میں بہت اکیلے ہیں ہم ساتھ دو گی تو ہدایت کی روشنی ایک گھر سے دوسرے گھر تک پہنچے گی ہم سے اپنی بے قدری کا انتقام نہ لو۔

عنبرین گھبرا گئی۔ انکے بندھے ہاتھون کو تھاما مجھے اتنا اونچا نہ لے جائیں کہ میرے قدم زمین ہی چھوڑ دیں میں تو خود حد درجہ گناہگار ہوں آپ ہی کیا ہم سب ہی ہدایت کے محتاج ہیں یہ سب تقدیر کے فیصلے ہیں عنبرین کے والد نے کہا۔

آپ ہمیں سوچنے کا موقع دیں اس دوران آپ اور ہم استخارہ بھی کر لیتے ہیں۔ جو منجانب اللہ ہوگا ہو جائے گا۔۔ خیر کی دعا کریں۔

ایک ہفتے بعد عنبرین کا نکاح عتیق خاور سے سادگی سے انجام پایا وجہ عنبرین کے والد اور والدہ نے ایک ہی اشارہ جواب میں پایا عتیق خاور کی جانب اثبات میں۔

تم اس فیصلہ پر مطمئن ہو نمرہ نے پوچھا۔

جی۔ اس لیے کہ۔

ستاروں سے آگے جہان اور بھی ہیں

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔

یہ عشق الٰہی ہے جس میں آزمائش تو لازمی ہے پھر عتیق خاور نے دنیا کی محبت میں مجھے چھوڑا تھا اور اللہ کی محبت میں دوبارہ میری طرف لوٹا ہے میری عزت نفس پر چوٹ پڑی تو مجھے اللہ یاد آیا اسکا آہنکار ٹوٹا تو اسے حق کی تلاش ہوئی اب دونوں کا مقصد حیات ایک ہی ہے اللہ کے

احکامات کی پابندی اور تبلیغ جب مقصد منشور اور جہد مسلسل ہوتو منزل مل ہی جاتی ہے اس کی دعوت سے اس کی والدہ اور بہن میں نا قابل یقین حد تک تبدیلی آئی ہے جب ہم دونوں اس راہ میں محنت کریں گے تو انشاءاللہ اللہ کے احکامات پر عمل گھر ہوگا دنیاوی آرام سے زیادہ مجھے اللہ کی راہ کی مشکلات پیاری ہیں۔وہ ایک جذب کے عالم میں بولتی چلی گئی۔

جی وہ کہتے ہیں نا جب جذبہ صادق ہوتو منزل خود بخود قدم چومتی ہے۔نمرہ نے کہا۔

ہاں مگر نمرہ یاد رکھنا دنیاوی محبت آپکو دنیا کا کر دیتی ہے اور خدا کی محبت دنیا کو بھی آپکا کر دیتی ہے دیکھو میں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے عتیق خاور کو چھوڑا تھا اور اب اللہ نے مجھے عتیق خاور اس کا گھرانہ اور مزید عمل کے لیے دعوت و تبلیغ کا میدان عطا فرمادیا یہ عشق میں ناکامی جنون خودکشی سب شیطان کے جال ہیں جو وہ مایوسی کے ذریعے پھیلا دیتا ہے۔اگر میں اس وقت ہمت ہار دیتی تو آج یہ نعمتیں میرے نصیب میں کہاں سے آتیں۔

مجھے تم پر رشک آرہا ہے عنبرین۔نمرہ نے کہا رشک کرو مگر دعا کے ساتھ کہ اللہ مجھے دین کی خدمت کے لیے قبول کرلے۔عنبرین مسکرائی

عنبرین کو دعا کی ضرورت ہے صرف نمرہ کی نہیں آپ سب کی بھی دعاؤں کی اپنی قدر و قیمت جانیئے اپنا درجہ پہنچایئے آپ امت مسلمہ کی بیٹیاں ہیں عشق مجازی کے جال میں خود کو پھنسانے سے قبل اپنا منصب دیکھیئے دنیا کا عشق رات بھر جاگ کر دلفریب اور پرفریب گفتگو نیٹ پر چیٹنگ یہ آپ کا شیوہ نہیں یہ آپ کا میدان نہیں آپ مغربی عورت کی طرح ارزاں نہیں آپ بہت قیمتی ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے اپنے محبوب رسول ﷺ کی امت میں پیدا کیا ہے خود کو اس انتخاب کا اہل ثابت کریں

اتنا عظیم ہوجا کہ منزل تجھے پکارے

نفس کے شر سے بچنے کی کوشش کریں اور اس زندگی کے بارے میں سوچیے جس کا کوئی اختتام نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھی راہ کی طرف گامزن کرے آمین ثم آمین۔

انسان اور رحمٰن

زندگی میں ننانویں بار اچھے کام کرو مگر ایک کام غلط کرنے سے لوگ تمہیں برا کہیں گے اس کو انسان کہتے ہیں اور اگر تم ننانویں برے کام کرو اور ایک اچھا تو اپنے رب سے معافی مانگ لو تو تمہارا رب تمہیں تمہارے ننانویں برے کام بھلا کے ایک کے بدلے معاف کردے گا بے شک اسے رحمٰن کہتے ہیں

مریز بشیر گوندل

ہم کہاں تھے

اک شخص نے ایک خوب صورت محل کو دیکھ کر ایک بزرگ سے پوچھا کہ ان کا مقدر لکھا جارہا تھا تو ہم کہاں تھے

بزرگ اسے ہسپتال لے گئے اور کہا کہ جب ان مریضوں کے مقدر میں بیماری لکھی جارہی تھی تو ہم کہاں تھے

حماد ظفر ہادی

21۔آزادی کا ایک لمحہ غلامی کے ہزار سال سے بہتر ہے

22۔محفل میں ایسی بات نہ کرو جس کے بعد میں تمہیں ندامت ہو

پچھتاوہ

۔۔تحریر۔ایم جاوید نسیم چوہدری۔فیصل آباد۔۔۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

آج پھر ایک کہانی پچھتاوہ کے ساتھ حاضر ہورہا ہوں۔ یہ کہانی مجھے کسی نے ارسال کی تھی اور میں نے ویسی ہی لکھ دی جیسے اس نے مجھے بھیجی تھی اِس کہانی کو لکھتے ہوئے میں کئی بار رویا ہوں اور یقیناً آپ بھی اس کو پڑھتے ہوئے میری طرح روئیں گے۔میں نے اس کہانی کو لکھنے میں بہت محنت کی ہے امید ہے کہ آپ کو میرا لکھنا بہت ہی دل کو بھائے گا اور مزید لکھنے کا حوصلہ بھی دیں گے آپ کی کالز نے مجھے لکھنے پر مجبور کیا تھا اور میں لکھتا ہی رہوں گا۔

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

میں نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی جب میں پیدا ہوئی تو بہت خوشی منائی گئی کیونکہ میں اپنے والدین کے گلشن کا پہلا پھول تھی میری عمر اس وقت صرف دوسال کی تھی جب میری پھوپھی نے مجھے میرے والدین سے مانگ لیا کیونکہ میری پھوپھی کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی نجانے میرے والدین نے کیا سمجھ کر مجھے اپنے سے دور کردیا جبکہ اس وقت میرے سوا ان کے پاس اور کوئی بچہ بھی نہ تھا میری پرورش میری پھوپھی نے شروع کردی اس گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ دن گزرتے چلے گئے اور میری عمر تقریبا پانچ سال ہوگی اور مجھے سکول میں داخل کروادیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے شکل اور ذہن اچھا دیا تھا جس کی وجہ سے استادوں نے بھرپور شفقت اور محبت سے پڑھایا اور میں ہر کلاس میں فسٹ یا سیکنڈ آتا رہا۔ اس طرح وقت گزرتا گیا۔ اور اب مجھے دنیا کی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی میرے ساتھی بچے جب سکول سے واپس آتے تو ان کے والدین ان کے ساتھ بہت پیار کرتے لیکن مجھے پیار کرنے والا کوئی نہ تھا میں والدین کے ہوتے ہوئے بھی تیموں کی سی زندگی بسر کر رہا تھا پھوپھی نے مجھے کبھی پیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ پولیس کی طرح حکم چلاتی رہتی تھی میری پھوپھی ڈکٹیٹر قسم کی عورت تھی اور ہے جو صرف حکم دینا اور منوانا جانتی تھی کسی کی کیا مجال کہ انکے فیصلہ کو رد کرسکیں۔ پھوپھا لال دین بالکل سیدھا انسان تھا سارا دن محنت مزدوری کرتا اور شام کو جو کما کر لاتا لاکر پھوپھی بانوس کے ہاتھ پر رکھ دیتا ادھر جب میں سکول سے واپس آتا تو گھر میں نظر بند کردیا جاتا میرے لیے حکم تھا کہ بچوں کے ساتھ کھیلنا نہیں ہے کسی کے گھر نہیں جانا۔



گھر میں اور کوئی ہم عمر بھی نہیں تھا جس کے ساتھ کھیلتا اس طرح میں تنہائی کا عادی ہوتا چلا گیا۔ جہاں دو چار آدمی اکھٹے بیٹھے دیکھتا تو میں ادھر سے گزرتے ہوئے گھبراتا اب میں چھٹی کلاس میں پڑھ رہا تھا چھٹی کلاس میں داخل ہونے میں ابھی تین ماہ ہی ہوئے تھے کہ پھوپھا لال دین کا ذہنی توازن خراب ہو گیا اس نے لوگوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں کسی کو گھر میں داخل نہ ہونے دیتا تھا اگر کوئی گھر آ بھی جاتا تو اسے کہتا کہ تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے

پھوپھا لال دین کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی گھر میں جو کچھ تھا وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گیا ۔ اور گھر کے اخراجات چلانے کا کوئی ذریعہ نہ رہا جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً اسکول چھوڑنا پڑا کیونکہ اس وقت میں چھٹی کلاس میں پڑھ رہا تھا میرے استادوں نے بہت زور لگایا اور کہا۔

شکیل تعلیم جاری رکھو۔

لیکن میں بہت مجبور ہو گیا تھا اور میرا ضمیر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا تھا پھر میں نے فروٹ فروخت کرنا شروع کر دیا۔ جس سے گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے

یہ 1970ء کی بات ہے گھر میں ایک بکرا تھا جس کو میں نے ایک سو ساٹھ روپے میں فروخت کر دیا اور گلی میں ایک کریانہ کی چھوٹی سی دکان کر لی خوب دل لگا کر محنت کرنے لگا اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے کام خوب چل نکلا آہستہ آہستہ کام بڑھتا گیا میں نے پہلے سے بھی زیادہ محنت شروع کر دی جس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے خوب دیا اب گھر کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔

پھوپھا لال دین کا علاج بھی جاری رہا جس پر کافی خرچہ آ رہا تھا کبھی کسی ڈاکٹر کو دکھاتے تو کبھی کسی حکیم کے پاس لے جاتے اور ساتھ ساتھ پیروں فقیروں کے تعویذ گنڈے بھی چلتے رہے۔ ہر کسی کو کچھ نہ کچھ تو دینا پڑتا تھا لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور پھوپھو کا علاج جاری رکھا۔

ادھر اب مجھ پر پہلے سے بھی زیادہ سختی ہونے لگی تھی اگر کوئی آدمی یا کوئی میرا دوست دکان پر بیٹھ جاتا تو پھر بھی بانو میرے لیے مصیبت بن جاتی میں اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتا تھا کئی دفعہ تو ابو امی سے شکایت کی لیکن انہوں نے کہا شکیل بیٹا تمہاری پھوپھو کی عادت ہی ایسی ہے اس لیے صبر کرو

آخر انسان کتنا صبر کر سکتا ہے جبکہ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ ہوتی رہے اب میں جوان تھا کوئی بچہ نہ تھا 1973 میں میری شادی کی باتیں ہونے لگیں لیکن میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں ابھی اس مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتا تھا دوسرا جس لڑکی سے میری شادی کرنا چاہتے تھے وہ لڑکی مجھے بالکل پسند نہ تھی لڑکی بالکل ان پڑھ تھی کوئی شکل وصورت بھی نہ تھی دوسرا زبان دراز بہت تھی لڑکی میری پھوپھو زاد کزن تھی جس کی والدہ بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھی والد کی ذہنی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی جب میں نے انکار کیا تو پھوپھو بانو نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہنے لگی۔

تو کون ہوتا ہے انکار کرنے والا۔ تیری شادی اس جگہ ہو گی جہاں میں چاہوں گی

میں نے پھر بھی انکار کر دیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ باقی ماندہ زندگی بھی اس طرح گزر

ے جس طرح پہلے گزر چکی ہے لیکن شاید اللہ کو ایسے ہی منظور تھا پھوپھی بانو جا کر امی کو لے آئی امی جی نے کہا۔

شکیل بیٹے تمہیں وہاں شادی کرنا ہوگی کیونکہ تمہاری پھوپھی کلثوم مرنے سے پہلے تمہارا رشتہ طے کر گئی تھی اگر تم نے وہاں شادی نہ کی تو میرا دنیا میں کوئی رشتہ دار نہیں رہے گا کیونکہ میرا سسر امی جی کا چاچا تھا۔

امی جی کا باقی تمام خاندان 1947 میں پاکستان کی تقسیم کے وقت ہندوستان میں شہید ہو گیا تھا۔ امی جی کی پرورش بھی امی جی کے چاچا نواب دین نے کی تھی جو لڑکی میری بیوی بننے والی تھی وہ امی جی کی چاچا زاد بہن تھی امی جی نے مجھے اتنا مجبور کر دیا تھا کہ مجھے ہاں کہنا پڑی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری ماں مجھ سے ناراض ہو جبکہ میں اپنی ماں کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ ماں کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے اور پھر خدا نے جنت کی بشارت بھی ماں کے قدموں میں دی ہے یونہی میں نے ہاں کہا تو امی جی نے مجھے گلے سے لگا لیا پھر بڑی ہی سادگی سے میری شادی کر دی گئی۔ اس طرح تو شاید یتیم خانے والے بھی نہیں کرتے ہوں گے۔

شادی کے بعد وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا ایک نہ شد دو شد پہلے پھوپھی کی سننی پڑتی تھی لیکن اب بیوی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی تھی جس سے میرا رہا سہا سکون بھی ختم ہو گیا بیوی کہتی۔

تمہاری پھوپھی نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی ہے مجھے تمہارے ساتھ بیاہ کر۔

پھوپھو کہتی۔ تیری بیوی نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی ہے۔ اس طرح سارا دن گھر میں لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔

ادھر میں سارا دن دکان پر کام کرتا اور شام کو دونوں کی باتیاں سننا پڑتیں میری زندگی میرے لیے عذاب بن گئی تھی میری سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ میں کیا کروں کئی بار سوچا کہ خودکشی کر لوں ایسی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے لیکن پھر حرام موت سے ڈر لگتا کبھی سوچتا کہ گھر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں لیکن اس طرح حالات ٹھیک نہیں ہو سکتے تھے پھر کیا تھا میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا جو کچھ بھی ہوتا خاموشی سے دیکھتا رہتا پھر میں نے اپنے آپ کو پتھر بنا لیا جس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا ایسے حالات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان یا تو برائیوں میں پھنس جاتا ہے یا کوئی نشہ کرنے لگتا ہے لیکن مجھ پر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دل لگا لیا میں نے پانچ وقت کی نماز شروع کر دی مجھے بڑا ہی سکون ملا۔

اس طرح وقت کا بے لگام گھوڑا سرپٹ دوڑتا رہا۔ 1973 کو ہمارے شہر میں غلہ منڈی بننا شروع ہوگئی ایک دن میں نے بھی منڈی میں دکان لے لی سوچا چلو دن کے وقت تو اس جہنم سے رہائی ملے گی منڈی میں نے جنرل سٹور کھول لیا اللہ تعالیٰ نے اتنا کرم کیا کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کام اتنا چلے گا میں خود حیران رہ گیا اب کام اکیلے آدمی کی سنبھال سے زیادہ تھا یہاں آپ کو ایک بات بتاتا چلوں کہ گاؤں کے علاوہ منڈی میں بھی لوگوں نے مجھے عزت دی کوئی بھی کام ہوتا تو میرا مشورہ ضروری سمجھا جاتا گھروں میں بچوں کو میری مثالیں دی جائیں خدا جانے گھر میں میرے

لیے کوئی عزت وشفقت کیوں نہ تھی ادھر کام زیادہ ہونے کی وجہ سے میں نے اپنے چھوٹے بھائی عدیل کو بھی اپنے پاس بلالیا جو کہ ابھی زیر تعلیم تھا۔

جب میں سودا سلف خریدنے بازار جاتا تو وہ کام سنبھال لیتا تھا ایک دن جنرل سٹور ایک لڑکی آئی جو میرا دل نکال کر لے گئی حالانکہ جنرل سٹور پر عورتوں کا کام زیادہ ہوتا ہر روز کئی عورتیں جنرل سٹور پر آئی تھیں مگر میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہ تھا صرف دکانداری تک ہی بات کرتا تھا آج مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میرے دل کی دھڑکن کیوں تیز ہوگئی تھی لڑکی تو چلی گئی تھی لیکن میرے دل میں ہلچل مچا گئی تھی لڑکی کیا تھی حسن کا مجسمہ تھی جس کا ہرزاویہ جوانی کے شباب سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا موٹی موٹی سیاہ اور مست آنکھیں لال لال رخسار سفید دانت موتیوں کی دولڑیوں کی طرح اس غنچہ حسن کے دہن میں چمک رہے تھے لمبی لمبی ریشم جیسی ملائم زلفیں جو ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی ہوشانوں پر لٹک رہی تھی چہرہ جلتے ہوئے آگ کے انگارے کی طرح تھا جو دمک رہا تھا اس پری جمال کے حسن جہاں سوز کو دیکھ کر میرے دل میں آہستہ آہستہ ایک آگ سی سلگنے لگی۔ ہروقت اس لڑکی کی پیاری سی معصوم صورت میری آنکھوں کے سامنے رہنے لگی اور دل یہ کہنے لگا کہ وہ مجسمہ حسن ہر وقت میرے سامنے بیٹھی رہے اور میں اسے دیکھتا رہوں اور باتیں کرتا رہو ں اسی طرح دن گزرتے گئے تقریباً پندرہ دن کے بعد وہ اپنی والدہ کے ساتھ پھر دکان پر آئی انہوں نے سامان وغیرہ خریدا پھر میں نے ڈرتے ہوئے اس سے کہا۔

محترمہ کوئی اور چیز۔

بس جو لینا تھا لے لیا ہے۔ بیٹی تم خدا ادھر ہی بیٹھو میں ذرا سامنے سے سبزی لے آؤں اب دکان پر ہم دونوں تنہا رہ گئے تھے مگر دونوں طرف خاموشی چھائی رہی کافی دیر یونہی گزر گئی تو میرا دل قابو سے باہر ہونے لگا پیمانہ صبر چھلکنے لگا تو میں نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

کیا نام ہے آپ کا۔

وہ جیسے گھبرا سی گئی۔ پھر پلکوں کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھا کر بولی۔

غزالہ۔

بہت پیارا نام ہے۔۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

میں بھی جناب کا اسم گرامی پوچھ سکتی ہوں اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

جی مجھے شکیل کہتے ہیں۔ میں نے مزید آگے بولنا چاہا مگر زبان جیسے گنگ رہ گئی وہ چپ چاپ نظریں جھکائے بیٹھی رہی اور میری نظریں اس کے کتابی چہرے کا طواف کرتی رہیں وہ لمحات کس قدر خوبصورت تھے اس نے نظریں اوپر اٹھائیں اور میری نظروں میں نظریں بھر کر دیکھا تو ایک لمحے کے لیے میں تڑپ کر رہ گیا۔ کس قدر سحر آگہی نظریں تھیں پھر میں نے تمام ہمت جمع کرتے ہوئے کہا۔

غزالہ نجانے کیوں تجھے دیکھ کر یہ دل دھڑکنے لگتا ہے شاید آپ کی ساحرانہ شخصیت کا اثر ہے ورنہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

وہ مسکرا کر بولی سحر طراز تو آپ ہیں۔

میں نے کہا وہ کیسے۔ جی چاہتا ہے شکیل کی

بقیہ زندگی آپ کے چرنوں میں گزار دوں کاش ایسا ہو جائے میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا پھر باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر ہم خاموش ہو گئے۔

آؤ بیٹی چلیں۔

میں نے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ زیر لب مسکرائی ایک لمحے کے لیے میری طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں جیسے کہہ رہی ہو شکیل تم بڑے شریر ہو پھر وہ اٹھی اور اپنی والدہ کے ساتھ چلی گئی پھر مجھے ایسے لگا جیسے میری کوئی چیز گم ہو گئی ہو دل ایک عجیب سی بے کلی کا شکار ہو گیا بار بار خیال غزالہ کی طرف جا رہا تھا اور اس کا دلفریب سراپا آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا ذہن میں سوچ ابھری کہ اب کون سی صورت اختیار کروں کہ غزالہ سے دوبارہ ملاقات ہو جائے لوگوں سے سن رکھا تھا کہ محبت ایک کشش ہے جس کے تحت انسان ہر سختی جھیلنے پر تیار ہو جاتا ہے کسی نے اس جذبے کے تحت ساری عمر صحراؤں میں گزار دی فرہاد نے شیشے سے دودھ کی نہر کھود ڈالی ۔سوہنی کچے گھڑے پر دریا عبور کر دیا مجنوں نے لیلٰی کے انتظار میں کھڑا سوکھ کر کانٹا بن گیا مگر میں یقین نہیں کرتا تھا لیکن آج پتہ چلا کہ محبت واقعی سچی ہے یہ وہ جذبہ ہے جو خود بخود ہی دل کے نہاں خانوں میں جنم لیتا ہے غزالہ کا خیال بری طرح ذہن پر چھایا ہوا تھا جی چاہتا تھا کہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاؤں دل کی بے تابی ہر لمحہ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی اس طرح وقت گزرتا رہا تھا۔

ایک دن اچانک وہ آ گیا اور اس نے گھر کر پتہ بھی بتا دیا اور چلی گئی اب مجھے ہر وقت غزالہ کا انتظار رہنے لگا خدا گواہ ہے کہ میرے دل میں کبھی بھی کوئی غلط خیال نہ آیا صرف دل کی یہی خواہش رہتی کہ وہ میرے سامنے بیٹھ کر مجھ سے پیار بھری باتیں کرتی رہے اس طرح ہم آہستہ آہستہ بے تکلف ہوتے گئے وہ جب بھی آتی مجھ سے پیاری باتیں کرتی رہتی میرے ساتھ زندگی میں پہلے کسی نے بھی پیار سے بات نہیں کی تھی ہم ایک دوسرے کو چاہنے لگے تھے مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ ایسا کیوں ہو گیا کیونکہ میں نے تو محبت کے قائل ہی نہیں تھا میں تو سمجھتا تھا کہ لوگ ویسے ہی محبت کو بدنام کر دیتے ہیں ورنہ محبت تو کچھ بھی نہیں ہے اب پتہ چلا کہ محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے واقعی اگر دنیا میں محبت نہ ہو تو زمانے کی حرکت رک جاتے منزلیں مسافروں کی راہ تکتی رہ جائیں اور فاصلوں کو گرد کی طرح اڑانے والے پاؤں راہوں کی خاک ہو کر رہ جائیں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ محبت اور ہوس بہت مختلف چیزیں ہیں ہوس محبت ہی کے بدن سے جنم لینے والا ایک اسفل جذبہ ہے جو محبت کے مقابلے میں بہت منہ زور ہے اور بے لگام ہے محبت میں جذبوں کی دھیمی دھیمی آنچ ہے جو عروج پر پہنچے تو جنون بنتی ہے محبت ہر دم جدوجہد کے پہیوں پر محو سفر ہے البتہ کبھی کبھار یہی محبت جنون کے پروں سے پرواز کرنے کی تمنائی بھی بن جاتی ہے اس جنونی کیفیت میں بھی راہیں متعین کرنے کے لیے سماجی کے اختیار شدہ اصولوں کی دھجیاں بکھیر کر قواعد سے ماورا ہو جانا محبت کی فطرت نہیں محبت اخلاقی اور سماجی قوانین کی آنکھوں سے دیکھ کر چلتی ہے ہوس کی طرح پیدائشی اندھی نہیں ہوتی۔

محبت کا فوکس چاہنے پر ہے پالینے کی دنیا کوئی اور ہے محبت کا مفہوم محبت کا نشہ اور محبت کا جنون اگر کسی نے سمجھنا ہو تو پروانے سے سمجھیں پوچھنا ہو تو چکور سے پوچھو جانچنا ہو تو بھرے ہوئے چناب کی موجوں سے نبرد آزما کچے گھڑے کی مضبوطی سے پوچھیں یا جانچیں سچ پوچھیں تو محبت ہی سب کچھ ہے پالینا کچھ بھی نہیں سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ پالینا ہی تو دراصل کھودینا ہے جو دوام محبت کو ہے وہ حصول کو کہاں جو لوگ منطق کی دلیل سے کہتے ہیں کہ حصول محبت کی اگلی منزل ہے وہ یہ بھی تو بتلائیں کہ حصول کے بعد کی منزل کون سی ہے شمع سے ہم آغوش ہونے کی آرزو میں دیوانہ وار فدا ہونے والے کسی پروانے نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر کر کبھی گوشہ عافیت میں جانے کی پلاننگ آج تک نہیں کی ہوگی اور آج تک نہ ہی کسی چکور نے محبت کے جنون میں چاند کی طرف لپکتے ہوئے اسے آسمان سے نوچ کر اپنے آنگن میں سجالینے کا سوچا ہوگا اور پھر کیا ایک کمہار کی بیٹی اتنی ناسمجھ تو نہیں ہوسکتی ہوگی کہ وہ کچے گھڑے کو دریا میں اتارنے کے انجام سے واقف نہ ہو۔

پھر ایک دن غزالہ نے میرے گھر کے بارے میں پوچھا تو میں نے سب کچھ سچ سچ بتادیا۔ کہ میں شادی شدہ ہوں اور میرے چار بچے بھی ہیں اس نے پھر مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دے دی جو میں نے قبول تو کرلی پھر سوچنے لگا کہ میں ان کے گھر کس طرح جاؤں گا نجانے وہ کیسے لوگ ہوں گے وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے آخر کار ایک دن میں اپنے پڑوسی دکاندار لڑکے کو ساتھ لے کر ان کے گھر جا پہنچا اس کے والدین ہمارے ساتھ بہت ہی اچھے طریقے سے پیش آئے تقریباً دو گھنٹے کے بعد ہم واپس آگئے آتے وقت میں نے غزالہ کو ایک خط دیا جو کہ میں نے راستے میں بیٹھ کر لکھا تھا تحریر کچھ یوں تھی۔

جان سے پیاری غزالہ سدا خوش رہو۔

سلام محبت۔ غزالہ جس دن سے تمہیں دیکھا ہے میرے دل کا سکون ختم ہوگیا ہے میں باعزت طریقے سے تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے سوچ کر جو دل فیصلہ کرے مجھے بتادینا مجھے تمہارا ہر فیصلہ منظور ہوگا جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔

فقط تمہارا شکیل۔

پھر تقریباً پندرہ دن کے بعد وہ دکان پر آئی مجھے کہنے لگی۔

آپ کی بیوی آپ کو دوسری شادی کی اجازت دے گی وہ جاتے ہوئے مجھے ایک خط بھی دے گئی اس دن میں نے لاہور جانا تھا اسٹیشن پر پہنچ کر میں نے خط پڑھا خط پڑھ کر خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی ہوا تحریر کچھ یوں تھی لکھا تھا۔

جان سے پیارے شکیل سدا پھولوں کی طرح مسکراتے رہو۔

آپ کا محبت نامہ پڑھ کر ایسا لگا جیسے بے جان بت میں جان آگئی ہو اور بہت خوشی ہوئی میں آپ کے خط کا جواب دے رہی ہوں شکیل آپ نے شادی کے بارے میں لکھا ہے میں کیا کرسکتی ہوں میں بہت مجبور ہوں اور آپ سے معذرت چاہتی ہوں شکیل میں نے بھی آپ کو

دل کی گہرائیوں سے پیار کیا ہے اور ساری زندگی کرتی رہوں گی اگر میرے بس میں ہوتا تو ہم کب کے ایک ہو چکے ہوتے مگر میں مجبور ہوں کیونکہ مجبوریاں بھی انسان کے ساتھ ساتھ ہوتی ہیں میرا خط پڑھ کر آپ کو دکھ تو ہوگا مگر میں مجبور ہوں پلیز مجھے معاف کر دینا انشاء اللہ زندگی رہی تو ضرور ملتی رہوں گی۔

فقط والسلام۔آپ کی اپنی غزالہ۔

غزالہ کا خط پڑھ کر دل ایک انجانے سی بے چینی میں مبتلا ہوگیا میں جو عورت ذات کو دیکھ کر نفرت سے گزر جاتا تھا کیونکہ عورت ذات سے مجھے دکھوں کے علاوہ کچھ نہیں ملا تھا لیکن اب نجانے اس لڑکی کے بارے میں ہر وقت سوچتا رہتا۔۔۔

ادھر چھوٹا بھائی دکان کا کام سنبھال لیتا تھا اس طرح وقت گزرتا گیا اب دن تو اچھا گزر جاتا لیکن شام ہوتے ہی دل اداس ہو جاتا کہ اب گھر جانا پڑے گا آپ خود سوچ لیں کہ انسان جہاں بھی ہو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شام کو گھر پہنچ جائے جہاں پیار کرنے والی بیوی اور شفقت کرنے والے والدین ہوتے ہیں لیکن یہاں سب کچھ برعکس تھا جب شام کو گھر جاتا تو پھر وہی بک بک سننا پڑتی۔

اب چھوٹے بھائی عدیل نے میٹرک کا امتحان دے دیا تھا اور وہ میرے ساتھ رہا دکان پر کام کرنے لگا تھا اب ہمارا کاروبار پہلے سے بہت ہی زیادہ بہتر ہوتا چلا گیا تھا چھوٹا بھائی جوان ہو چکا تھا اب اس کی شادی کے پروگرام بننا شروع ہو گئے تھے۔

1986 میں عدیل بھائی کی شادی کر دی گئی جو کہ مکمل طور پر میں نے اپنے خرچ پر کی گھر سے ایک پیسہ تک نہ لیا عدیل کی شادی کے بعد میری بربادی میں مزید اضافہ ہو گیا عدیل کی بیوی نے آتے ہی اپنے خاوند کو اپنے قابو میں کر لیا شام کو جب گھر آتے تو وہ اس کے کان بھرتی رہتی جس کی وجہ سے گھر میں ہنگامے ہونے لگے میری تو عادت بن گئی تھی کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہتا لیکن اب عدیل جب بھی کوئی چیز اپنی بیوی کو دیتا تو پھوپھو بانو ہنگامہ کھڑا کر دیتی ادھر میری بیوی بھی مجھے کہتی۔

تم نے ساری زندگی کوئی چیز خرید کر نہیں دی دیکھو شکیل تمہارا بھائی عدیل اپنی بیوی کو سب کچھ خرید کر دیتا ہے۔

میں نے سب کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا یہاں میری کون مانتا تھا گھر میں صبح شام لڑائی ہونے لگی جو تھوڑا بہت سکون تھا وہ بھی ختم ہو گیا سارا دن کام کرتا اور رات سوچتے سوچتے گزر جاتی۔

واقعی محبتیں جب سرد مہری کا شکار ہونے لگیں تو پریشانیوں میں اضافے کا رجحان بڑھنے لگتا ہے زندہ رہنے کی خواہش بتدریج دم توڑنے لگتی ہے محبت زندگی علامت ہے سرد مہری موت ہے جو خطرات مایوسیوں اور ناکامیوں کی نشان دہی کرتی ہیں محبتیں بانٹنا ہمارا فرض ہے محبتیں کرنا ہمارا فرض ہے محبت ہی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے محبت نہ رہے تو انسان سے انسانیت کا تاج چھین لیا جاتا ہے محبت پیار خلوص اور انسان دوستی کے جذبے ہی انسانیت کے زیور ہوتے ہیں ان کے رنگ پھیکے پڑنا شروع ہو جائیں تو سر پر خطرے کے بادل

منڈلانے لگتے ہیں اور مستقبل غیر محفوظ دکھائی دیتا ہے محبت وہ روشنی ہے جو دلوں کو منور اوراندھیری راہوں کو روشن کرتی ہے محبت کو کاروبار بنانے والے انسانیت کے کھلے دشمن ہیں جو ماں ممتا کا اظہار نہ کرے وہ ڈائن ہے با لکل اس طرح جو انسان محبت کے جذبوں کی توہین ...وہ درندہ ہے۔

انسان کوانسان سے گر پیار نہیں ہے

انسان بھی کہلانے کا حقدار نہیں ہے

ادھر چھوٹا بھائی جا کر والدین کو بتاتا رہتا کہ پھوپھو بانو ہمارے ساتھ زیادتیاں کرتی ہے ایکدم امی ابو آئے پھوپھی سے لڑ جھگڑ کر پھوپھو کو برا بھلا کہہ کر چھوٹے بھائی عدیل اوراس کی بیوی کا ساتھ لے کر چلے گئے میں یہ سب کچھ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جو والدین ساری زندگی مجھے تڑپتا دیکھتے رہے لیکن مجھے کچھ بھی نہ کہا۔

آؤ شکیل بیٹا ہمارے ساتھ چلو لیکن وہ عدیل بھائی کی تکلیف کو چھ ماہ بھی برداشت نہیں کر سکے جس کی وجہ سے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میرے یہ اصل والدین ہی نہیں ہیں اگر یہ میرے اصل والدین ہوتے تو یوں مجھے اپنے ہاتھوں سے دوزخ میں نہ جھونکتے اب دونوں گھروں میں سرد جنگ شروع ہوگئی تھی کچھ رشتہ دار ادھر کی باتیں ادھر اور ادھر کی باتیں ادھر جا کر بتاتے پھر خوب لڑائیاں ہونا شروع ہوگئیں یہاں تک کہ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بالکل ختم ہوکر رہ گیا میں بہت مجبور ہوگیا ایک طرف والدین تھے تو دوسری طرف پھوپھی بانو اور میں مجبوری میں کسی کو بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا میری پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا میرے

ایک کزن نے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کروانے کی بہت کوشش کی لیکن دونوں طرف کوئی اثر نہ ہوا۔

اس طرح ایک سال گزر گیا اسی دوران میری بیوی کو دورے پڑنے لگے بہت علاج کروایا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا اب میری پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوگیا تھا ادھر ان دو سالوں میں میرے دو بچے بھی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے بیوی ابھی تک بیمار ہے تین سال ہوگئے علاج جاری ہے ایک طرف بیوی بیمار ہے دوسری طرف پھوپھا کا پاگل بن زوروں پر ہوگیا ہے ایسے حالات میں انسان کی ذہنی حالت کیا ہوتی ہے یہ وہی جانتا ہے جس کے ساتھ ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں اب نہ گھر میں دل لگتا اور نہ ہی اچھے طریقے سے کاروبار ہوتا میں ہر وقت پریشان رہنے لگا۔

ایک دن میں دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ عورتیں دکان پر سودا سلف لینے آگئیں انکے ساتھ ایک بہت ہی پیاری سی لڑکی بھی تھی جو میری طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی مجھے بھی پتہ نہیں کیا ہوگیا تھا میں نے بھی ایک دوبار اس لڑکی طرف دیکھا جو مسلسل مجھے دیکھ رہی تھی پھر وہ مسکرائی اور چلی گئی پھر وہ لڑکی ہر وقت میری آنکھوں سامنے رہتی جہاں تک کہ نماز پڑھتے وقت بھی وہ آنکھوں کے سامنے آجاتی میں نے بڑی کوشش کی کہ کم از کم نماز کے وقت تو اس کی یاد نہ آئے لیکن جتنی کوشش کی سب ناکام ہوجاتی ایک دن غزالہ اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ دکان پر آئی۔

غزالہ بہت دنوں کے بعد آئی ہو گیا

خیریت تو تھی ناں۔

جی ہاں۔۔۔اس نے مختصر جواب دیا۔

غزالہ یقین مانئے کہ جس دن سے آپ کو مل کر آیا ہوں دل سخت اضطراب میں مبتلا ہے کسی پل بھی چین نہیں ہے آج تجھے اپنے سامنے پا کر گویا ایسا ایک سکون مل گیا ہے جیسے غزالہ پیاری روح کو آتما مل گئی ہو پھر اس کے لب پھڑ پھڑائے کہنے لگی۔

شکیل تم کیا جانو میرے دل پر کیا گزری ہے

غزالہ نجانے کیوں یہ پگلا من یقین کر بیٹھا ہے کہ تم میری بیوی ہو تم آ گئی ہو تو جیسے کائنات کا سارا سکون مجھے مل گیا ہے تمہاری محبت میرے دل میں اس طرح سما گئی ہے کہ اب تو تمہارے بغیر اپنا آپ بھی ادھورا لگتا ہے تجھ بن ایک لمحہ بھی گراں گزرتا ہے میں جذباتی سا ہو رہا تھا میں۔۔۔کہا غزالہ تمہیں آج مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم ہمیشہ میری رہوگی شاہراہ حیات پر میرے سنگ سنگ چلوگی خدا کے لیے انکار نہ کرنا ورنہ یہ دل ٹوٹ جائے گا اگر یہ ایک بار ٹوٹ گیا تو دوبارہ کبھی نہیں جڑے گا بولو خاموش کیوں ہو جواب دو میں نے کہا تو وہ زمین پر نظریں جمائے بیٹھی جیسے کچھ سوچ رہی ہو پھر اپنی پلکیں اوپر اٹھا کر ایک عزم کے ساتھ بولی۔

شکیل ممکن ہے تم بھول جاؤ شاید مگر میں تو خود تم میں کھو چکی ہوں میں تمہاری ہوں صرف تمہاری رہوں گی ازل سے ابد تک۔

غزالہ اگر زندگی نے وفا کی اور یہ سانس کی دوڑی قائم رہی تو تم دیکھو گی کہ تمہارے شکیل نے کہاں تک تمہارا ساتھ دیا ہے۔

ہاں شکیل میرا ایمان ہے کہ وفا پرست کبھی محبت کرنے والے دل کو دھوکہ نہیں دیتے اچھا شکیل اب میں چلتی ہوں کیونکہ کافی دیر ہو گئی ہے ہاں یاد آیا کہ اپنی پسند کی اون ایک پونڈ دے دو میں نے کہا۔

اپنی مرضی سے جو پسند ہے وہ لے لو

پھر وہ اپنی پسند کی اون لے کر وہ چلی گئی اس کے جانے کے بعد اس کی دل آویز باتوں کی بازگشت دیر تک میرے کانوں سے ٹکراتی رہی اس طرح ہماری محبت پروان چڑھتی رہی اور ہم ایک دوسرے کے پیار میں سرشار محبت کے پجاری ان دیکھی منزلوں کے سہانے تصور میں آگے ہی آگے بڑھتے رہے غزالہ کی محبت میری نس نس میں رچ بس گئی تھی اگر وہ چند دن نظر نہ آتی تو دنیا مجھے اندھیر لگتی۔

وقت کا بہتا ساگر اپنے اندر زندگی کے ہنگاموں کو سمیٹ کر آگے ہی آگے بڑھتا رہا کتنے ساون آئے اور بیت گئے کچھ دنوں کے بعد غزالہ نے اپنی والدہ کے ہاتھ ایک خوبصورت سا سوئیٹر اور کچھ نالے بنا کر بھیجے میں نے شکریہ کے ساتھ تمام چیزیں لے کر رکھ لیں لیکن شام کو گھر جاتے ہوئے سوچنے لگا کہ جب یہ چیزیں لے کر گھر جاؤں گا تو بیوی کو کیا بتاؤں گا کہ کہاں سے آئی ہیں آج پہلی بار میرے دل نے کہا کہ شکیل تم بہت بزدل ہو یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ ہر وقت ڈرے ڈرے رہتے ہو میں نے بھی آج ایک فیصلہ کر لیا کہ دیکھا جائے گا کیا ہوتا ہے وگرنہ حالات تو پہلے ہی خراب ہیں میں نے اپنی بیوی کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا شام کو کھانا کھانے کے بعد میں نے سب کچھ اپنی بیوی کو

بتا دیا اور ساری چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں میری بیوی کہنے لگی۔
یہ سامان کس کا ہے۔
میں نے کہا میرا ہے
بیوی کہنے لگی کہاں سے لیا ہے
پھر میں نے سب کچھ بیوی کو سچ سچ بتا دیا پہلے تو اس نے یقین نہ کیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بزدل ہے ایسا کیسے کرسکتا ہے لیکن میں نے اس کو یقین دلایا کہ یہ بالکل سچ ہے تو پھر میری بیوی مجھے کہنے لگی۔
مجھے اس لڑکی سے ملاؤ اگر وہ لڑکی مجھے پسند آ گئی تو میں خود تمہاری شادی اپنے ہاتھوں سے کروں گی۔
میں حیران رہ گیا۔ کہ جس بیوی نے ساری زندگی میرے ساتھ کبھی پیار سے بات تک نہیں کی یہ آج کس طرح کہہ رہی ہے میں نے سوچا تھا کہ وہ میری سنتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دے گی خدا جانے آج اس کے دل میں کس طرح رحم پیدا ہو گیا تھا اس دن کے بعد میری بیوی کا رویہ میرے ساتھ بہتر ہونے لگا۔
پھر کچھ دنوں کے بعد میری بچی کا انتقال ہو گیا جس کے افسوس پر غزالہ کے سب گھر والے بھی آئے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنی بیوی کو کہا۔
اس لڑکی کا گھر ہمارے راستے میں آئیگا تو میری بیوی بھی تیار ہو گئی اور کہنے لگی۔
مجھے ان کے گھر لے چلو۔
واپسی پر ہم ان کے گھر جا پہنچے غزالہ کے گھر والے ہمارے ساتھ بہت ہی اچھے طریقے سے پیش آئے پھر میری بیوی نے غزالہ کو کہا۔

تم نے میرے کو کیا کر دیا ہے ہر وقت تیرے ہی خیالوں میں گم رہتا ہے پہلے تو غزالہ گھبرا گئی پھر میں نے جلدی سے اسے کہا۔
میری بیوی کو سب کچھ پتہ چل گیا ہے فکر نہ کرو پھر غزالہ بولی۔
باجی مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ میرے ساتھ کیا ہو گیا ہے میں ہر وقت شکیل کے ہی خیالول میں گم رہتی ہوں جب تک اسے دیکھ نہ لوں دل کو چین نہیں آتا ہے ایسے لگتا ہے جیسے میری کوئی قیمتی چیز گم ہو گئی ہے میں ہر وقت اداس رہتی ہوں غزالہ کی باتوں نے میری بیوی کے دل پر بہت اثر کیا واپسی پر میری بیوی نے غزالہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی چند دنوں کے بعد عید تھی عید کے دوسرے دن غزالہ نے آنے کا وعدہ کر لیا عید گزر گئی عید کے دوسرے دن ہم نے ٹھیک ٹھاک انتظام کر لیا اور سارا دن ہم ان کا انتظار کرتے رہے شام ہو گئی لیکن وہ نہ آئے مجھے بہت دکھ ہوا اور میں اپنی بیوی سے نظریں چرانے لگا کہ یہ کیا کہے گی کہ دیکھ لیا ان کا وعدہ تیسرے دن میں دکان پر چلا گیا دن کے تقریبا دس بجے غزالہ اور اس کی والدہ اور ایک چاچا زاد بہن دکان پر آ گئیں اور مجھے کہا۔
چلو گھر چلیں۔
میں نے پوچھا آپ کل کیوں نہیں آئے تھے
غزالہ نے کہا ہم کل بالکل تیار تھے کہ اچانک مہمان آ گئے جس کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑا پھر ہم گھر آ گئے میں نے بیوی کو بتایا کہ مہمان آ گئے ہیں انتظام وغیرہ کر لینا گھر پہنچتے ہی انہوں نے پھوپھو بانو کو سلام کیا حسب معمول

پھوپھی کا موڈ خراب ہو گیا پھر سب نے اکھٹے بیٹھ کر کھانا کھایا اور مختلف باتیں بھی ہوتی رہیں پھر کھانے کے بعد چائے کا دور چلا چائے پینے کے بعد وہ اپنے ایک اور رشتہ دار کے گھ چلی گئیں جو کہ ہمارے ہی گاؤں میں رہتے تھے میں نے کہا واپس پر گھر سے ہو کر جانا شام کو جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ ان کی ایک رشتہ دار عورت بھی تھی تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ تو چلی گئیں اور ماسی بختو پھوپھو بانو کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں پتہ نہیں اس نے کیا کیا باتیں کی جب وہ واپس چلی گئی تو پھوپھو نے میری بیوی سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا کہنے لگیں۔

یہ کون لوگ ہیں اور ہمارے گھر کیوں آئے تھے یہ تو بہت ہی خطرناک لوگ لگتے ہیں اگر یہ آئندہ ہمارے گھر آئے تو میں تمہارا برا حشر کروں گی۔

س طرح اس ظالم عورت نے غزالہ کے گھر میں جا کر بھی اپنی مکارانہ باتیں بنائیں اور ہمارے خلاف خوب بھڑکایا اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن غزالہ کے گھر والوں نے ماسی بختو کی ایک بھی بات نہ سنی اور غزالہ کے دیگر رشتہ داروں کو بھی کہا۔

یہ یہاں کیوں آتے ہیں پھر اس ظالم اور مکار عورت نے ہمیں بدنام کرنا شروع کر دیا ایک دن میں غزالہ کے گھر گیا تو وہ گھر میں بالکل اکیلی بیٹھی ہوئی تھی اس کے گھر کے تمام افراد کسی کی وفات پر گئے ہوئے تھے پھر غزالہ نے کہا۔

شکیل ہمارے رشتہ دار تمہارا ادھر آنا اچھا نہیں سمجھتے یہ کہتے ہوئے غزالہ رو پڑی میں نے اسے تسلی دی اور حوصلہ دیا کہا۔

ٹھیک ہے اگر تمہارے رشتہ داروں کو اعتراض ہے تو میں آئندہ کبھی بھی تمہارے گھر نہیں آؤں گا۔

میں میں اسی وقت واپس آ گیا اسی طرح ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا نہ تو غزالہ دکان پر آئی اور نہ ہی میں ان کے گھر گیا ایک دن غزالہ کا چاچا دکان پر آ گیا ار مجھے کہنے لگا۔

شکیل بیٹا کیا بات ہے تم اب گھر کیوں نہیں آتے ہو۔

انکل جی میں گھر گیا تھا مگر غزالہ نے یہ بات کہی تھی کہ شکیل میرے رشتہ دار تمہارا ہمارے گھر آنا اچھا نہیں سمجھتے ہیں اس لیے انکل جی میں دوبارہ آپ کے گھر نہیں گیا کیونکہ مجھے آپ لوگوں کی عزت اپنی جان سے بھی پیاری ہے میں نہیں چاہتا کہ لوگ میری وجہ سے آپ لوگوں کی شفاف پیشانی پر بدنامی کا کوئی داغ لگائیں۔ انکل جی مجھے آپ کی عزت کا احساس ہے۔

وہ کہنے لگے بیٹا شکیل دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ہمارے گھر آنے سے نہیں روک سکتی ہم اچھے برے انسان کو جانتے ہیں بیٹا یہ سب اس ظالم اور مکار عورت ماسی بختو کی لگائی ہوئی آگ ہے جب تمہارا دل چاہے آؤ تمہارا اپنا ہی گھر ہے بیٹا واپس جا کر انکل نے غزالہ کو ڈانٹا کہ تم نے شکیل سے ایسی بات کیوں کی تھی۔

وہ کہنے لگی۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔

بیٹی لوگوں کی تو عادت ہے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد غزالہ نے اپنی امی کو

دکان پر بھیجا کہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے مگر میں نے جانے سے انکار کر دیا کیونکہ نہ تو میری نیت بری تھی اور نہ ہی مجھے کوئی لالچ تھا میں صرف پیار کی خاطر جاتا تھا کیونکہ اس گھر سے مجھے بہت پیار ملتا تھا پھر غزالہ کی والدہ ہمارے گھر چلی گئی اور میری بیوی سے کہنے لگی۔

تم ہی اپنے خاوند کو کچھ سمجھاؤ۔

بیوی کو مجبور کرنے پر ہم دونوں ان کے گھر چلے گئے اور جا کر خاموشی سے بیٹھ گئے غزالہ نے دو تین بار بلایا لیکن میں خاموش ہی رہا پھر بے چاری ہاتھ جوڑنے لگی اور معافیاں مانگنے لگی پھر ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا ایک دفعہ پھر اس ظالم عورت نے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اب وہ لوگ سمجھ چکے تھے کہ ہمارا اصل دشمن کون ہے اس لیے انہوں نے اس مکار عورت سے ہر قسم کا تعلق ختم کر لیا جس کی وجہ سے اس عورت نے ہم کو کافی بدنام کیا اور پورے گاؤں میں مشہور کر دیا کہا۔

ہم عنقریب شادی کر رہے ہیں جس کی خبر پھوپھو بانو کو بھی ہوگئی ایک دن دوپہر کو میں کسی کام کی غرض سے گھر گیا گھر میں تین چار عورتیں بیٹھی تھیں میری ایک کزن اٹھ کر میرے پاس آگئی اور مجھے کہنے لگی۔

شکیل تم دوسری شادی کر رہے ہو یہ تم کیا کر رہے ہو۔

میں نے کہا میں تو کچھ بھی نہیں کیا۔

وہ کہنے لگی۔ پھوپھو کہہ رہی تھی کہ تم شادی کر رہے ہو۔

میں نے کہا ہاں میں شادی کر رہا ہوں کیونکہ اس پھوپھی نے مجھے ساری زندگی سوائے دکھوں کے کچھ بھی نہیں دیا اب میں بھی ان کو ذلیل ورسوا کروں گا میری کزن کہنے لگی۔

تم ایسا نہ کرو تمہارے بچے ہیں ان کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔

ہاں مجھے سب پتہ ہے مگر میری ایک شرط ہے اگر پھوپھو مان لے تو میں دوسری شادی نہیں کروں گا شرط یہ ہے کہ پھوپھو ہمارے ساتھ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کرے گی۔ اور جب میں شام کو کام سے واپس آؤں تو گھر میں بالکل سکون ہونا چاہیے۔

اس وقت تو پھوپھو مان گئی لیکن چند دنوں کے بعد پھر وہی کچھ ہونے لگا ایک دن میری بیوی کہنے لگی۔

شکیل تم غزالہ سے شادی کر لو اور کہیں دور چلے جاؤ تاکہ تمہاری باقی ماندہ زندگی تو سکون سے گزرے میں نے کہا۔

اب میں تمہیں چھوڑ کر نہیں نہیں جاؤں گا خواہ کچھ بھی ہو جائے ہم اکٹھے ہی رہیں گے کیونکہ اب میری بیوی کا رویہ بالکل ٹھیک ہے یہ سب کچھ غزالہ کی مہربانی سے ہوا غزالہ نے میری بیوی کو سیدھے راستے پر ڈال دیا ورنہ ہماری جو پہلی زندگی گزری ہے وہ میں بتا چکا ہوں ادھر پھوپھی نے بھی سوچا کہ اب تو میاں بیوی بہت سلوک سے رہتے ہیں تو کام خراب ہے اب وہ پہلے سے بھی زیادہ تنگ کرنے لگی اگر بیوی مجھے کھانا دینے آتی اور چند لمحے میرے پاس بیٹھ جاتی تو باہر پھوپھو شور مچا دیتی کہ تم باہر آؤ اندر کیا کر رہی ہو۔ ہر وقت خاوند کے ساتھ ہی بیٹھی رہتی ہو اس طرح کی باتیں کرتی رہتی ادھر میں نے غزالہ کو ایک اور خط لکھ دیا تحریر کچھ

یوں تھی میں نے لکھا تھا۔
ڈیئر غزالہ سدا نیلے آکاش تلے مسکراتی رہو ۔سلامت محبت غزالہ اپنے فیصلہ سے جلد از جلد آگاہ کریں تمہیں پانا تو ممکن نہیں ہے مگر اتنا تو ممکن ہے کہ تیری آرزو میں زندگی کی شام ہو جائے غزالہ میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھتا ہوں مگر میری محبت بھی اتنی خود غرض نہیں ہے کہ صرف اپنی خوشی کی خاطر تمہیں مجبور کروں نہیں تم بالکل آزاد ہو جو بھی فیصلہ کیا ہے جلد بتائیں شکریہ۔
فقط آپ کا شکیل۔
اس کے جواب میں غزالہ کا خط ملا تحریر کچھ یوں تھی لکھا تھا۔
ڈیئر شکیل خوش رہو سلام محبت تمہارا خط ملا پڑھ کر دل کی کیفیت معلوم ہوئی شکیل ہم مادی طور پر کتنا ہی ترقی کیوں نہ کرلیں مگر سماجی طور پر ابھی تلک اپنے آباؤ اجداد کی پرانی روایات کی آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ہم فرمانبرداری کے کھونٹے سے بانک کر جس طرف چاہیں دھکیل دیئے جائیں ہمیں زبان ہلانے کی اجازت تک نہیں اگر ہم اپنی خوشیوں اپنی امنگوں کے تاج محل کے لیے تعمیر کی ذرا سی بھی اجازت مانگیں تو ہمیں گستاخ بے ادب اور نجانے کیا کیا القابات سے نوازہ جاتا ہے شکیل ہم ساری زندگی دکھوں اور غموں کی آگ میں جلتے رہیں یا اپنی خوشیوں اپنی چاہتوں کی لاش پر بیٹھ کر تا زیست ماتم کرتے رہیں کسی کو کوئی پرواہ نہیں شکیل یہ خاندانی روایات کی خون آشام رسمیں کب تک ہماری خوشیوں کی شہ رگ سے خون نچوڑتی رہیں گی کب تک ہم یوں ہی خاندانی رسموں کی آسیب زدہ سولی پر زندہ رہ سکتے ہیں البتہ زندگی رہی تو یونہی ملتی رہوں گی میں مجبور ہوں پلیز ناراض نہ ہونا میں معذرت چاہوں گی پلیز معاف کر دینا کیونکہ میں مجبور ہوں بہت زیادہ مجبور ہوں۔
والسلام آپ کی غزالہ۔
میں نے غزالہ کا خط پڑھا اور سوچنے لگا کہ واقعی اس نے سچ لکھا ہے بالکل سچ لکھا ہے ادھر گھر کے حالات میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہوئی اب بیوی کا رویہ میرے ساتھ بالکل ٹھیک تھا میرا ہر طرح سے خیال رکھتی پیار سے بات کرتی ایک دن میں نے پوچھ ہی لیا۔
میرے ساتھ یہ سلوک جو کر رہی ہو اگر پہلے ہی کرتی تو کتنا اچھا ہوتا تو بیوی کہنے لگی۔
یہ سب کچھ آپکی غزالہ کا حکم ہے کہ جناب کا ہر طرح سے خیال رکھوں لیکن تمہاری پھوپھو تو اب پہلے سے بھی زیادہ کرتی ہے شکیل تم پھوپھو کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔
بیگم دراصل بات یہ ہے کہ میں تقریباً بیس سال سے ان کی خدمت کر رہا ہوں اگر میں ان کو چھوڑ کر جاتا ہوں تو میری ساری زندگی کی خدمت ضائع ہو جائے گی ادھر پھوپھا کی حالت بھی پہلے سے زیادہ خراب ہے۔
بیوی کے علاوہ گھر میں اب بھی وہی کچھ ہے جو پہلے تھا اللہ کا شکر ہے کہ بیوی تو ٹھیک ہو گئی ہے چلو کچھ تو آسرا ہوا ہے ایک دن میں نے سوچا کہ ہم تو اس جہنم میں جل رہے ہیں مگر غزالہ کو یہاں نہیں آنا چاہیے اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں غزالہ سے شادی نہیں کروں گا پھر میں نے سوچا کہ غزالہ کے ساتھ

کوئی ایسا رشتہ ہونا چاہیے کہ ساری زندگی ملتے رہیں میں نے اپنی بیوی سے بات کی تو اس نے کہا۔

اب آپ ایسا نہ کریں بلکہ نہ سوچیں آپ غزالہ کے ساتھ شادی ضرور کریں کیونکہ تم اسے چاہتے ہو اور وہ تمہاری پوجا کرتی ہے اور میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں کیونکہ میں نے ساری زندگی جو تم سے زیادتیاں کی ہیں تمہاری شادی کر کے ان کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے انکار کر دیا ایک دن ہم میاں بیوی غزالہ کے گھر گئے میں نے غزالہ سے کہا۔

جہاں تیری منگنی ہوئی ہے تم وہاں شادی کرلو تو غزالہ میرے منہ کی طرف دیکھنے لگی میں نے کہا میری طرف کیا دیکھ رہی ہو تو وہ کہنے لگی۔

شکیل مجھے لگتا ہے کہ تم پاگل ہو گئے ہو کیا تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔

ہاں غزالہ میں بالکل ہوش میں ہوں کیونکہ وقت کا تقاضا ہے اگر ہم منہ بولے بہن بھائی بن جائیں تو کتنا اچھا ہے۔ غزالہ مجھے تمہارے جسم کی نہیں تمہاری روح کی ضرورت ہے اور تم بہن بن کر مجھے بہت بہتر طریقے سے پیار دے سکتی ہو اور تمہاری بھائی والی کمی بھی پوری ہو جائے گی کیونکہ تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے پہلے تو غزالہ کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔

ٹھیک ہے شکیل اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو مجھے منظور ہے میں ایسا ہی کرونگی۔

میری بیوی کہنے لگی ٹھیک ہے تو پھر اگر تم دونوں کی یہی مرضی ہے تو ایسا ہی کرلیں تمہارا کون سا نکاح ہوا ہے۔ جو ٹوٹ جائے گا یہ فیصلہ کر کے ہم واپس آ گئے بیگم کہنے لگی۔

شکیل سوچ لیں اب بھی وقت ہے پھر یہ وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔

میں نے کہا جو کچھ بھی ہو گیا ہے بالکل ٹھیک ہوا ہے کیونکہ یہ میرے ضمیر کا فیصلہ ہے میں بالکل مطمئن ہوں۔

پھر میں نے غزالہ کے والدین سے مل کر شادی کی تاریخ مقرر کروا دی شادی کی تیاریاں ہونے لگی۔ ایک دن غزالہ دکان پر آئی اور کہنے لگی شکیل آپ کو ابو نے بلایا ہے اس لیے جمعہ والے دن ضرور گھر آنا میں حسب وعدہ ان کے گھر چلا گیا تو غزالہ کے ابو نے کہا۔

شکیل بیٹا تمہیں معلوم ہے کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے جو کہ میرا ہاتھ بٹا سکے اس لیے تمہیں بلایا ہے کہ شادی کا تمام انتظام تمہیں ہی کرنا ہوگا میں نے کہا۔

انکل جی ٹھیک ہے میں انشاء اللہ آپ کو بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔

شادی میں صرف پندرہ دن باقی رہ گئے تھے کہ غزالہ کا پیغام آیا شکیل مجھے فوراً ہمارے گھر آ کر ملو بہت ضروری کام ہے دوسرے دن میں ان کے گھر جا پہنچا میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ غزالہ کی حالت بہت خراب ہے اور وہ بہت ہی کمزور ہو گئی ہے میں نے پوچھا۔

یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے غزالہ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے تو وہ کہنے لگی۔

کوئی بات نہیں ہے میرے مجبور کرنے پر اس نے کہا۔

شکیل میں وہاں شادی نہیں کروں گی۔

یہ کہہ کر وہ رونے لگی میں یہ سب کچھ سن کر حیران رہ گیا کہ آج اس کو کیا ہو گیا ہے میں نے کہا غزالہ کچھ تو خدا کا خوف کرو شادی کے دن مقرر ہو چکے ہیں کیا عزت رہ جائے گی تمہارے گھر والوں کی اگر تم نے انکار کر دیا۔

غزالہ کہنے لگی شکیل ایک طرف تمہاری محبت ہے جو میری نس نس میں سرائیت کر چکی ہے اور دوسری طرف بوڑھے والدین کی عزت ہے یہ دونوں چیزیں میرے لیے برابر ہیں سمجھ نہیں آتی کہ اب کون سا راستہ اختیار کروں شکیل میں بے بس ہوگئی ہوں اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ خودکشی کرلوں اس کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔

میں نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کے گلابی رخساروں پر پھسلنے لگے میرا جگر کٹ کر رہ گیا جیسے خنجر گھونپ دیا گیا ہو۔

میں نے کہا غزالہ خدا کے لیے آنسو نہ بہاؤ ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا پھر یاقوتی لب پھڑ پھڑائے کہنے لگی۔

شکیل مجھے تمام حالات کی خبر مل چکی ہے۔

میں نے تڑپ کر کہا۔ ضروری تو نہیں کہ انسان جو چاہے اسے مل جائے سچی محبت تو ہمیشہ قربانی مانگتی ہے اور ہمیں یہ قربانی دے کر اپنی پاکیزہ محبت کو امر کرنا ہوگا تمہیں یہ شادی کرنا ہوگی غزالہ کرنا ہوگا۔

یہ تم نے کیا کہہ دیا ہے شکیل تم بھی سنگدل بن گئے ہو کیا تمہاری نیت بھی بدل گئی ہے میں نے تمہیں چاہا نہیں بلکہ تمہاری پرستش بھی کی ہے تمہاری چاہت تو میرے رگ وپے میں سرائیت کر چکی ہے اب بھلا میں کسی اور کی کیونکہ بن سکتی ہوں۔ میں نے کہا۔

غزالہ کیا تم میری محبت کی قدر کرتی ہو۔

ہاں شکیل میں تمہاری خاطر جان دے سکتی ہوں اپنے آپ کو فنا کرسکتی ہوں۔

تو پھر غزالہ تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ تم اپنے خاندان اور والدین کے لیے نہ سہی میری محبت کی خاطر یہ شادی کروگی آج میں تمہیں اس پاکیزہ محبت کا واسطہ دیتا ہوں جس کے شعلے ہمارے دلوں میں بھڑک رہے ہیں۔

پھر تم کیا کروگے شکیل۔

میں سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا اور غزالہ سے جدائی کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح تھا میرے گلشن محبت میں آشاؤں کے پھول مرجھا رہے تھے حسرتیں اپنی موت آپ مر رہی تھیں شکیل تم نے جواب نہیں دیا اچانک تصوراتی دنیا سے میں باہر نکلا اور کہا۔

غزالہ میں تمہاری محبت اور یادوں کے سہارے زندہ رہ لوں گا فرط کرب سے میری آواز لڑکھڑانے لگی تھی میرا جی بھر آیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو آنڈ آئے تھے۔

شکیل تمہاری آنکھوں میں یہ آنسو۔

ہاں غزالہ یہ تمہاری محبت اور عشق کے آنسو ہیں جو آج مجھ سے بے قابو ہو کر بہہ نکلے ہیں غزالہ تمہارے دل میں خیال ہو کہ تمہاری شادی کے بعد میں تجھے بھلا دوں گا غزالہ نہیں میں تجھے نہ بھلا پاؤں گا بلکہ تمہاری شادی کے بعد میری محبت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

اس طرح میں نے غزالہ سے وعدہ لیا اور دل کی بات بھی پوچھ لی مگر اندر کے کرب پر

ضبط کرنا بہت ہی مشکل ہو رہا تھا دل سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں واقعی زندگی ایک ٹیڑھی لکیر ہے کسی کے متعلق کیا سوچا جاتا ہے لیکن ہو کچھ اور جاتا ہے پھر کہنے لگی۔

شکیل ٹھیک ہے اگر تمہاری یہی آرزو ہے تو میں وہاں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں وگرنہ میرا دل نہیں مانتا میں نے وجہ پوچھی تو ٹال مٹول کرنے لگی آخر کار میرے مجبور کرنے پر اس نے وہ راز بھی بتا دیا جس کی وجہ سے غزالہ پریشان تھی دراصل اس کا ہونے والا شوہر اچھے کردار کا مالک نہیں تھا بلکہ غلط سوسائٹی کا آدمی تھا۔ یہ سن کر مجھے بہت دکھ ہوا کہ میں نے اس کا بہتر اور اچھا سوچا تھا لیکن کام تو پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا ہے ادھر شادی میں صرف بارہ دن باقی رہ گئے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے گھر آ کر میں نے اپنی بیگم سے بات کی کہا۔

اب کیا کرنا چاہیے۔

وہ کہنے لگی کہ شکیل تم نے غزالہ پر بہت ظلم کیا ہے جب وہ وہاں شادی کے لیے تیار نہیں ہے تو اس کا دل وہاں نہیں مانتا تھا تو تم نے اسے مجبور کیوں کیا۔

لیکن اب بتاؤ کیا ہو سکتا ہے پھر میں نے غزالہ کی بڑی بہن سے بات کی باجی سنا ہے کہ لڑکا ٹھیک نہیں ہے بلکہ غلط سوسائٹی کا آدمی ہے باجی اس لیے آپ ایک بار ان کے گھر جا کر پتہ کر کے آئیں کہ واقعی جو سنا ہے وہ ٹھیک ہے یا غلط باجی نے واپسی پر رپورٹ دی کہا۔

لڑکا بالکل ٹھیک ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے لہذا میں نے غزالہ کو تسلی دی اور حوصلہ دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے ہمت اور حوصلہ سے کام لیں بڑی مشکل سے غزالہ رضا مند ہو گئی۔ پھر کہنے لگی

شکیل آپ کم از کم شادی سے چار دن پہلے ہمارے گھر آ جانا۔

میں نے کہا چار دن تو نہیں البتہ ایک دن پہلے ضرور آ جاؤں گا باقی سب سامان وغیرہ بھی خرید لیا ہے اگر کسی چیز کی کمی رہ گئی ہے تو مجھے بتا دو

نہیں شکیل اب کسی چیز کی کوئی آرزو نہیں ہے آپ نے جو کچھ بھی خریدا ہے مجھے منظور ہے

جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے میری پریشانیوں میں اضافہ ہو رہا تھا آخر کار شادی کا دن بھی آن پہنچا تھا میں نے حسب وعدہ ایک دن پہلے غزالہ کے گھر چلا گیا تمام انتظام وغیرہ کیا رات کو غزالہ کے مجبور کرنے پر ان کے گھر ہی رہ پڑا سب مہمان سو گئے تھے تو غزالہ نے ٹیپ ریکارڈر پر یہ گانا آ کر دیا۔

جنہیں ہم بھولنا چاہیں
وہ اکثر یاد آتے ہیں
برا ہو اس محبت کا
وہ کیونکر یاد آتے ہیں

غزالہ ساری رات سو نہ سکی اور نہ ہی مجھے سونے دیا صبح کھانے اور بارات کے بیٹھنے کا انتظام وغیرہ کیا دوپہر بارہ بجے کے قریب بارات آ گئی تھی جب نکاح ہونے لگا تو میری برداشت سے باہر ہو گیا میں اٹھ کر باہر نکل گیا اور دل کا غبار آنکھوں سے بہہ نکلا غزالہ واقعی تم نے محبت کی قربانی دے کر اپنے عظیم والدین کی لاج رکھ لی آج تمہاری یادیں مجھے بری طرح

ستا رہی ہیں تیری قربت کا ایک ایک لمحہ مجھے خون کے آنسو رولا رہا ہے دل سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے غزالہ کیا یہ سب کچھ ایک خواب تھا ایک سہانا سپنا تھا جس کی تعبیر نہ مل سکی میرے اندر ایک کہرام برپا ہے غزالہ ناکام حسرتوں اور ارمانوں کا ارمان تو دم توڑ رہا ہے اور حسرتیں نوحہ کناں ہیں میں اپنے مقدر پر آنسو بہانے لگا میرے اندر ایک توڑ پھوڑ سی ہو رہی تھی آہ وفغان کا ایک شور تھا میں تڑپ رہا تھا آنسو میری پلکوں کو تر کر کے میرے چہرے پر پھسل رہے تھے میں رو رہا تھا ادھر غزالہ کا نکاح ہو چکا تھا اس کا والد مجھے ڈھونڈتا ہوا میرے پاس آ گیا میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہنے لگا۔

شکیل بیٹے ہمت اور حوصلہ سے کام لو بیٹیاں تو پرایا تن ہوتی ہیں ہم ان کو کبھی بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتے آخر کار ایک نہ ایک دن تو ان کو بابل کی دہلیز چھوڑ کر پیا کے گھر جانا ہی ہوتا ہے جو اس کا اصل گھر ہوتا ہے بیٹے یہ قانون قدرت ہے دعا کرنا غزالہ کے نصیب اچھے ہوں اگلے گھر میں اسے خوشیاں ملیں چلو بیٹے آنسو صاف کرو مہمانوں کو کھانا دینا ہے جو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

پھر میں اپنے آنسو صاف کرتا ہوا غزالہ کے والد کے ساتھ چل پڑا بارات کو کھانا کھلایا پھر مختلف رسموں سے فارغ ہو کر شام چار بجے رخصتی کا وقت آ گیا یہ لمحے میرے لیے قیامت سے کم نہ تھے غزالہ رخصتی کے وقت میرے گلے لگ کر بہت روئی تھی میرے بھی آنسو نکل آئے تھے میں اتنا اپنی سگی بہنوں کی رخصتی پر نہیں رویا تھا جتنا آج رویا تھا غزالہ میرے گلے لگی ہوئی تھی اور میرا شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر تھا اور میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری بہنا جاؤ اپنے پیا کے گھر جواب تیرا اپنا گھر ہے جہاں خوشیاں تیری منتظر ہیں جہاں گلشن میں پھول کھل کر تیری خوشیوں میں مزید اضافہ کریں گے میں ہر وقت تیری خوشیوں کے لیے دعا کروں گا اللہ میری بہنا کے آنگن کو سدا شاد آباد رکھے اور غم کی پرچھائیاں پاس تک نہ آئیں چلو میری بہنا جاؤ اپنے پیا کے سنگ اور اپنے پار کی ساری سچائیاں ساری محبتیں اپنے پیا کے دامن میں بھر دینا اللہ تیرا حامی و ناصر ہو گا پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گاڑی میں سوار ہو گئی وہ گاڑی جو پھولوں سے سجی ہوئی تھی بارات دلہن کو لے کر واپسی کے لیے چل پڑی تھی میں دور تک اڑتی ہوئی دھول کو دیکھتا رہا اور تڑپتا رہا دھول ختم ہو گئی شور تھم گیا آنسو خشک ہو گئے تو دل سے ایک ہوک سی اٹھی کہ

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

پھر شام کو چھ بجے میں نے انکل اور آنٹی سے اجازت لی تو وہ بھی میرے لگ کر بہت روئے تھے پھر میں نے ان سے اجازت لی اور اپنے گھر آ گیا۔ غزالہ کی شادی کے بعد مجھے یوں لگا جیسے میری کوئی قیمتی چیز گم ہو گئی ہو شام کو جب میں گھر آتا تو میری بیگم غزالہ کے بارے میں باتیں کرنا شروع کر دیتی اور کہتی۔

شکیل تم نے اچھا نہیں کیا جو غزالہ کو مجبور کر کے اس کی شادی کروا دی کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ ہمارے گھر آ جاتی ہم تینوں کا بہت اچھا وقت گزرتا کیونکہ وہ مجھے بہت پیاری لگتی تھی میں

اسے بہن بنا کر رکھتی۔

میں نے کہا جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تین چار دن گزرے ہوں گے کہ بازار میں میری دکان کے سامنے ایک کار آ کر رکی میں سمجھا کہ شاید کوئی گاہک ہوگا میں نے ملازم کو بھیجا کہ پتہ کرے کہ انہوں نے کیا لینا ہے۔ ملازم نے آ کر کہا۔

وہ آپ کو بلاتے ہیں۔

میں جب دکان سے نکل کر جب گاڑی کے پاس پہنچا تو میرا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا کیونکہ گاڑی میں غزالہ اور اس کا خاوند تھے غزالہ کا خاوند گاڑی سے باہر نکلا اور میرے گلے لگ کر ملا اور حال چال پوچھنے لگا ابھی میں اس کے ساتھ باتیں کر ہی رہا تھا کہ غزالہ بڑی تیزی سے گاڑی سے باہر نکلی اور میرے ساتھ آ کر چمٹ گئی میں بہت پریشان ہوا کیونکہ ایک غزالہ کا خاوند میرے پاس کھڑا تھا دوسرا سارے بازار والے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے لوگوں کو تو کوئی موقع چاہیے چاہے بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں ان کے بارے میں بھی باتیں بنا لیتے ہیں میں اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن غزالہ تھی کہ اپنی گرفت سخت کرتی جا رہی تھی اس کا خاوند بھی حیران ہو رہا تھا کہ یہ کیا تماشہ بن گیا ہے میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت ہی کوشش کی لیکن غزالہ نے نہ چھوڑا آخر میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے پکڑ کر دکان کے اندر لے گیا غزالہ کا دکان میں لے جا کر میں نے اس کو خوب ڈانٹ پلائی اور کہا۔

تم نے یہ کیسی حرکت کی ہے۔

غزالہ کہنے لگی کہ میں کیا کروں یہ میرے بس کی بات نہیں ہے میں آپ کو دیکھتے ہی بے قابو ہو گئی تھی مجھ سے رہا نہیں گیا شکیل سورج جب اپنی نئی کرنوں کو لے کر نمودار ہوتا ہے اور جب تک وہ اپنی تمام کرنوں کو سمیٹ کر سمندر میں اترنے لگتا ہے جب ستارے جگمگانے لگتے ہیں تو میں تمہاری کمی محسوس کرتی ہوں میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میری زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جب تمہاری یاد نہیں آتی کوئی ایسی رات نہیں ہوتی جب تمہاری یاد میں اشک نہ بہے ہوں چلنے کے لیے قدم بڑھاتی ہوں تو تمہارے قدموں کی آہٹ محسوس کرتی ہوں کہیں بھی جاتی ہوں تو تمہارا چہرہ نظر آتا ہے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی ہوں تو ہاتھ کی لکیروں میں تمہارا نام نظر آتا ہے ایسا لگتا ہے کہ شکیل کہ دل کی دھڑکنوں میں تمہارا نام لکھا ہے میری ہر سانس میں تمہاری خوشبو سمائی ہو یوں لگتا ہے کہ شکیل میری زبان کوئی اور نام لینا ہی بھول گئی ہو اور میری نظر کسی اور کو دیکھنے سے معذور ہو گئی ہو۔ صرف اور صرف تمہارا ہی نام لینے کو جی چاہتا ہے تمہیں ہی دیکھنے کو دل چاہتا ہے کاش شکیل تم میرے ہوتے میں نہیں جانتی کہ تم بھی مجھے یاد کرتے ہو یا نہیں بس مجھے تو اتنا ہی پتہ ہے کہ شکیل کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہیں یاد کرتی ہوں بس اتنا کہ اب تیرے بن جی نہیں سکتی شکیل تمہاری محبت مجھے اپنے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی ہوئی چاندی میں جڑے ہوئے یاقوت کی طرح دم آخر تک عزیز رہے گی ساون کی بارش برستی رہے گی اور میں

تڑپتی رہوں گی اور روتی رہوں گی۔

میں نے کہا غزالہ خوش میں بھی نہیں ہوں دل تو میرا بھی ٹوٹا ہے مگر وقت کا تقاضا تھا بہرحال آج جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے لیکن یاد رکھنا کہ آئندہ اگر کوئی ایسی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا کیونکہ غزالہ یہ تمہاری آئندہ زندگی کے لیے اچھا نہیں ہوگا میں نہیں چاہتا کہ تمہیں سسرال میں کسی قسم کی کوئی پرابلم یا پریشانی ہو جو مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گی پلیز میری باتوں پر عمل کرنا سسرال میں اپنے پیار کی خوشبو پھیلا کر اپنے آنگن کو سدا سہاگن رکھنا۔

پھر ہم نے مل کر کولڈ ڈرنگ پی اور وہ چلے گئے پھر چند دن ہی گزرے تھے کہ ایک دن آنٹی جی دکان پر آئی اور کہنے لگیں۔

شکیل بیٹا جمعہ والے دن ہمارے گھر آنا تمہارے انکل تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں میں نے ان سے آنے کا وعدہ کر لیا میں حسب عادت جمعہ والے دن غزالہ کے گھر پہنچ گیا غزالہ اور اس کا خاوند بھی آئے ہوئے تھے غزالہ کے خاوند کا ایک کزن بھی ان کے ہمراہ آیا ہوا تھا وہ دونوں اندر کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے غزالہ کھانا تیار کر رہی تھی غزالہ نے مجھے آواز دے کر اپنے پاس ہی بیٹھا لیا تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد میں اٹھ کر کھڑا ہوا تو غزالہ کہنے لگی۔

کیا ہوا کہاں جا رہے ہو۔

میں نے کہا کہ تمہارے خاوند کے پاس جا رہا ہوں۔

غزالہ کہنے لگی رہنے دو اس کو آرام کے ساتھ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔

میں نے کہا تمہارا خاوند کیا سوچے گا۔

غزالہ کہنے لگی شکیل میرا خاوند جو بھی سوچتا ہے اسے سوچنے دو اتنے میں غزالہ کے ابو بھی آگئے میں نے سلام کیا اور پوچھا۔

انکل جی خیریت تو ہے ناں جو مجھے یاد کیا ہے انکل کہنے لگے۔ بیٹا شکیل غزالہ کے خاوند نے آکر یہ اعتراض کیا ہے کہ غزالہ نے سرعام بازار میں شکیل کے ساتھ چمٹ کر میری بے عزتی کی ہے وہاں پر سب بازار والے دیکھ رہتے تھے وہ کیا کہیں گے

میں نے کہا انکل جی اس میں میرا کوئی قصو رنہیں ہے لیکن پھر بھی میں معذرت چاہتا ہوں اور آئندہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری یا غزالہ کی طرف سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی انکل جی آپ بے فکر رہیں آپ کی عزت واحترام مجھ کو اپنی جان سے بھی زیادہ یہ عزیز ہے اگر پھر بھی غزالہ کے خاوند کو کوئی اعتراض ہو تو میں کبھی بھی غزالہ سے نہیں ملوں گا میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے غزالہ کی ازدواجی زندگی میں کوئی پریشانی یا پرابلم ہو میں تو چاہتا ہوں کہ غزالہ اپنے گھر میں ہر طرح سے خوش رہے غزالہ کی خوشیوں کے لیے میں ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہوں ہماری باتیں سن کر غزالہ کافی حد تک جذباتی ہو گئی اور کہنے لگی۔

جہنم میں جائیں سب گھر اور خوشیاں مجھے کچھ نہیں چاہیے اگر آپ مجھے شکیل سے نہیں ملنے دیں گے تو میں والدین کے گھر بھی کبھی نہیں آؤں گی کبھی بھی نہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں نے غزالہ کو سمجھایا کہ ہوش کے ناخن لو کیوں خوامخواہ حالات کو خراب کر رہی ہو وہ تمہارا خاوند ہے تمہارا مجازی خدا ہے تم کو اس کی ہر بات

ماننا ہوگی اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنا ہوگا تمہیں اس کا ہر حکم ماننا ہوگا پھر غزالہ کہنے لگی۔

کیا تم لوگوں نے مجھے فروخت کر دیا ہے۔ کہ میں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتی اگر میں اپنی مرضی سے جی نہیں سکتی تو مر تو سکتی ہوں۔ یہ سن کر میں نے فورا غزالہ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ غزالہ میری بہن مریں آپ کے دشمن اللہ میری بھی زندگی آپ کو لگا دے اور تم اپنے آنگن میں سدا سہاگن رہو اللہ تم کو لمبی زندگی عطا فرمائے۔ یہ حالات دیکھ کر غزالہ کا خاوند بھی ہمارے پاس آ گیا اور ہاتھ جوڑ کر معذرت کرنے لگا اور کہنے لگا شکیل بھائی مجھے معاف کرنا مجھے غلط فہمی ہوئی تھی آپ لوگوں نے اس بات کا اتنا اثر لیا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا میں کل کا آیا ہوا ہوں سب گھر والے تمہارے ہی گن گا رہے ہیں پتہ نہیں آپ نے سب گھر والوں کو کیا کر دیا ہے اس طرح تو اگر ان کا سگا بیٹا بھی ہوتا تو شاید وہ بھی نہ کرتا سب آپ کو بھابھی جی کو اپنے گھرانے کی دعوت دیتا ہوں کہ آپ بہت جلد ہمارے گھر تشریف لائیں میں اور غزالہ آپ لوگوں کا انتظار کریں گے شام ہو رہی تھی غزالہ اور اس کا خاوند واپس چلے گئے میں بھی اٹھ کر چلنے لگا۔

انکل جی کہنے لگے شکیل بیٹا کچھ دیر کے لیے ٹھہر جاؤ پھر چلے جانا۔ میں پھر بیٹھ گیا تو انکل جی کہنے لگے شکیل بیٹا میں محسوس کر رہا ہوں کہ ہم نے غزالہ کی وہاں شادی کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے کیونکہ میں غزالہ کے سسرال گیا تھا غزالہ اپنے سسرال میں بالکل بھی خوش نہیں ہے دوسرا اس کا خاوند بھی کوئی کام کاج نہیں کرتا ہے بالکل فارغ ہے سارا دن آوارہ گردی پھر پھر کر شام کو گھر آ جاتا ہے۔

میں نے کہا انکل جی اب کیا ہو سکتا ہے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے دعا کرنا کہ اللہ اپنی مہربانی فرمائے اور غزالہ کے مالی حالات بہتر ہو جائیں آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ میں انکل جی کو حوصلہ اور تسلی دے کر گھر کو روانہ ہو گیا لیکن میرا دل بہت پریشان ہو رہا تھا کہ میں نے کیا سوچا تھا اور کیا بن گیا ہے گھر آ کر میں نے اپنی بیوی کو سب کچھ بتا دیا بیگم نے سارا قصور وار مجھ کو ہی ٹھہرا دیا۔

اس طرح وقت کا بے لگام گھوڑا سرپٹ اپنی منزل کی جانب بھاگتا رہا دن گزرتے چلے گئے میں بھی اپنے کاروباری معاملات میں مصروف ہو گیا وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا جمعتہ المبارک کا دل تھا میں اچانک صبح نو بجے غزالہ کے سسرال پہنچ گیا غزالہ نے ہمیں اپنے کمرے میں بیٹھایا اور خود کھانے وغیرہ کے انتظام میں لگ گئی بیگم نے کہا۔ غزالہ ہمارے منع کرنے کے باوجود بھی کھانا تیار کرنے لگی غزالہ کا خاوند ساس اور سسر بھی کچھ دیر ہمارے پاس بیٹھ کر چلے گئے میں اور میری بیگم اکیلے رہ گئے پھر ہم نے گھر کا جائزہ لیا کمرہ بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا ہر چیز بڑے سلیقے سے رکھی گئی تھی پھر کچھ ہی دیر بعد غزالہ نے کھانا لگا دیا جو ہم سب نے مل کر کھایا اس طرح دوپہر کا وقت ہو گیا اور ہم نے غزالہ سے اجازت لی اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے پھر کچھ مصروفیات بھی بڑھ گئیں تھیں وقت ہی نہ ملا اور پھر غزالہ کے گھر جانے کا اور ہم دوبارہ ان کے گھر نہ

جاسکے لوگوں کی زبانی پتہ چلتا رہا غزالہ کا سارا زیور فروخت کر دیا گیا اور سسرال والے اسے بہت زیادہ تنگ کرنے لگے یہ سب کچھ سن کر مجھے بہت دکھ ہوا کہ ابھی شادی ہوئے ایک ہی سال ہی گزرا تھا کہ بے چاری کا سارا زیور بیچ دیا گیا جبکہ شادی سے پہلے یہ لوگ اپنے آپ کو بہت امیر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اب کیا ہو گیا ہے کچھ دنوں کے بعد ہم پھر غزالہ کے گھر گئے تاکہ اس کے حالات معلوم کرسکیں اور غزالہ کی خیر خیریت کا پتہ بھی کرلیں وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ غزالہ اور اس کا خاوند غزالہ کے والدین کے گھر گئے ہوئے ہیں تھوڑی دیر بیٹھ کر ہم واپسی کے لیے روانہ ہو گئے راستے میں غزالہ کی ہمسائی نوراں سے ملاقات ہوگئی تو وہ کہنے لگی۔غزالہ سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔

میری بیگم نے کہا۔ وہ میری بہن ہے۔ نوراں نے کہا۔ آپ لوگوں نے بہت ہی غلط جگہ پر رشتہ کر دیا ہے یہ لوگ اچھے نہیں ہیں اور غزالہ کا خاوند تو بالکل بھی غلط قسم کا انسان ہے۔ کئی لڑکیوں کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات ہیں اور سارا دن آوارہ پھرتا رہتا ہے۔ میں نے بیگم سے کہا۔ چلو چلیں لوگوں کو تو ایسی باتیں کرنے کی تو عادت ہوتی ہے لوگ تو ایسے ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

پھر کچھ دنوں کے بعد میرے پھوپھو کا انتقال ہو گیا غزالہ اور اس کا خاوند افسوس کرنے کے لیے آئے غزالہ شکوہ کرنے لگی۔ آپ لوگ ہمارے ہاں کیوں نہیں آتے ہیں آپ لوگ مجھے بھول ہی گئے ہیں

میں نے کہا نہیں غزالہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ چند دن پہلے ہم تمہارے گھر گئے تھے لیکن آپ لوگ گھر پر نہیں تھے انشاء اللہ یونہی وقت ملا ہم ضرور آئیں گے آپ بالکل پریشان نہ ہوں ایک دوبار غزالہ دکان پر بھی آئی ہر بار یہی شکوہ کرتی رہی کہ آپ ہمارے نہیں آتے کیا وجہ ہے مجھ سے ایسی کون سی خطا ہوگئی ہے۔ میں نے غزالہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے بس کاروباری مصروفیات کی وجہ سے وقت ہی نہیں ملتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد پتہ چلا کہ غزالہ کے سسرال والوں نے اسے علیحدہ کر دیا ہے ہم پھر ایک دن غزالہ کے گھر چلے گئے آج غزالہ گھر پر ہی تھی بہت ہی اداس اور بکھری ہوئی تھی پریشان سی مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی وہ ہمیں اچانک ہمیں اپنے گھر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی پھر چائے پینے کے بعد میں نے کہا۔

غزالہ زندگی میں مختلف نشیب وفراز آتے رہتے ہیں انسان ہر اچھے دن بھی آتے ہیں برے دن بھی انسان کو اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مایوسی گناہ ہے بلکہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ زندگی ایک امتحان ہے اس کا نتیجہ آپ کو آخرت میں ملے گا دن بدل کر آتے ہیں ہر دن ایک سا نہیں ہوتا ہے خوشحالی اور بدحالی انسان کے ساتھ ساتھ ہی ہوتی ہے یہ دکھ یہ سکھ یہ امیری یہ غریبی یہ محبت یہ نفرت یہ دوستی یہ دشمنی یہ ظلم وستم یہ رحم دلی یہ ناانصافی یہ خوشی یہ غمی یہ بیماری یہ تندرستی آخر یہ سب کیا ہے غزالہ بس یہی زندگی ہے وہ زندگی ہی نہیں ہوتی جس میں یہ سب کچھ نہ ہو حالات سے دلبرداشتہ ہوکر ہمت ہار جانا بہادری

نہیں یہ بزدلی ہے اس سے حالات ٹھیک نہیں ہوئے غزالہ زندگی میں مایوسی مت ہونا بلکہ حالات کا ڈٹ کا مقابلہ اپنے آپ میں ہمت پیدا کرنا اللہ پر بھروسہ رکھنا انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا پھر غزالہ کے یاقوتی لب پھڑ پھڑائے اور بولی۔

ٹھیک ہے شکیل میں کوشش کروں گی کہ میں اپنے آپ میں ہمت پیدا کر کے حالات کا مقابلہ کرسکوں پھر میری بیگم نے کہا۔

غزالہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے چہرہ مرجھایا ہوا ہے آنکھوں میں سہاگ کی سرخی بھی نہیں ہے بالکل بنجر زمین کی طرح اجڑی اجڑی سی لگ رہی ہے۔ یہ سن کر غزالہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے کہنے لگی باجی دیکھو میری حالت میرے گھر کے حالات گھر کے حالات یہ بھی کہ خرچ کے لیے گھر میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ والدین کے گھر سے کچھ نہ کچھ لے کے آجاتی ہوں تو کچھ گزارہ کرلیتی ہوں میرا خاوند سارا دن آوارہ پھرتا رہتا ہے شام کو میں پوچھتی ہوں تو کہتا ہے ملازمت تلاش کرتا ہوں مگر نہیں بھی نہیں مل رہی بتائیں میں کیا کروں۔ آج غزالہ کی باتیں سن کر اور گھر کے حالات دیکھ کر دل تڑپ اٹھا اس طرح شام ہوگئی اور ہم غزالہ کو تسلی دے کر واپس آگئے اس طرح وقت گزرتا گیا میں اپنی کاروباری مصروفیات میں مشغول ہوگیا پھر ایک دن اچانک اطلاع ملی کہ غزالہ کا انتقال ہوگیا ہے یہ خبر سنتے ہی میرے تو ہوش ہی اڑ گئے تھے مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنی جلدی ایسا بھی ہوجائے گا لیکن یہ سب کچھ ہوچکا تھا میری دنیا لٹ چکی تھی میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا تھا کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے میں غزالہ کو مجبور کر کے اس کی شادی نہ کرواتا ادھر میری بیگم کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگی۔ شکیل یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے اگر تم غزالہ کی بات مان لیتے تو شاید ایسا نہ ہوتا لیکن جو قدرت کو منظور تھا وہ ہوچکا تھا بعد میں پتہ چلا کہ غزالہ نے حالات سے دلبرداشتہ ہوکر زہریلی چیز کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا ہے سسرال والوں کا کہنا تھا۔ کہ غزالہ کو یرقان ہوگیا تھا جس کی وجہ سے وہ مرگئی ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوا ہے لیکن میرے لیے دنیا اندھیر ہوگئی ہے غزالہ میں نے تم کو حوصلہ دیا تھا کہ ہمت سے حالات کا مقابلہ کرنا مگر تم نے خاموشی سے زہر کا پیالہ پی کر زندگی کا خاتمہ کرلیا دیکھ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے میری آنکھوں میں آنسو ہیں میں اپنی ناکام حسرتوں کا ماتم کررہا ہوں میرے صبر کے تمام بندھن ٹوٹ گئے ہیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا غزالہ یہ تمام دکھ خدا نے تیری ہی قسمت میں لکھ دیئے تھے کیا اسے تیرا سہاگن رہنا اچھا نہیں لگا کیا اسے ہمارا ملنا پسند نہ تھا کیا ہم اس کی پیداوار نہیں تھے غزالہ آج میں بہت بے چین ہوں تمہاری یاد جب آتی ہے تو میرا وجود خشک پتوں کی طرح بکھر جاتا ہے پھر ایسے لگتا ہے کہ جیسے میں کارواں سے بچھڑ کر لق و دق صحرا میں تنہا رہ گیا ہوں اب میرے پاس سرد آہوں کے سوا رہ کیا گیا ہے میں برگ آوارہ کی طرح بھٹک رہا ہوں تمہاری جان لیوا جدائی کا زہر مجھے جینے نہیں دیتا واقعی یہ بات بالکل سچ ہے۔

روز دیکھا ہے میں نے ٹوٹتا تارہ کوئی

روز مل کے کسی سے کوئی بچھڑ جاتا ہے
روز ہوتی ہے آباد کسی کی دنیا
روز کوئی آشیاں تنکے تنکے بکھر جاتا ہے

میں بہت چاہتا ہوں بہت کوشش کرتا ہوں کہ غزالہ کے خیال کو دل سے نکال دوں لیکن میں اپنی کوشش میں ناکام رہتا ہوں جب بھی تنہائی میں غزالہ کی یادوں میں گم بیٹھا ہوتا ہوں تو میری بیگم کہتی ہے۔شکیل اب کیوں پچھتا رہے ہو اگر میری بات مان لیتے تو آج یہ دن دیکھنے نہ پڑتے غزالہ کا خون تمہارے سر پر ہے۔لیکن کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے یہ تو ہماری اپنی سوچ ہوتی ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ ہمارے لیے کیا بہتر ہے کیونکہ وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے اب تو بہت کچھ بدل گیا ہے انکل کا بھی انتقال ہو چکا ہے خالہ جی سے کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ یہی شکوہ کرتی ہے کہ شکیل اگر تم مان جاتے تو شاید غزالہ آج ہم میں موجود ہوتی اب میں ہر وقت پچھتاوے کی آگ میں جلتا رہتا ہوں میں نے جس کے لیے اپنے آپ کو صبر کیا اور اس کو خوش دیکھنا چاہا جب وہ ہی نہ رہا تو پھر میری ساری محنت سب قربانیاں ضائع ہو گئیں آج سترہ سال ہو گئے ہیں رات کو میں جب بھی سونے کی ناکام کوشش کرتا ہوں تو دور کہیں سے غزالہ کی درد بھری آواز میرے کانوں کی سماعت سے ٹکراتی ہے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

واقعی تم نے ٹھیک ہی کہا تھا شکیل خوشی نہ پھولوں کے جھرمٹ میں ہے اور نہ ہی جگمگاتے ہوئے قمقموں میں میں نے باغ میں اور لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں بھی لوگوں کو اشکبار دیکھا ہے اور نغمہ و رباب کی محفلوں میں بھی آہ و فریاد کی صدائیں سنیں ہیں خوشی صرف اطمینان قلب کا نام ہے اطمینان قلب ہو تو کانٹوں کے بستر پر بھی خوشی اور مسرت کے خواب دیکھے جا سکتے ہیں ورنہ خیالات کی بے چینی تو پھولوں کی سیج کو بھی کانٹوں کا بستر بنا دیتی ہے آج میں خوشی کے لمحوں کو ترس گیا ہوں خاموشی اب میری ساتھی ہے اور میں خاموش رہ کر بھی اداس ہوں لمحہ لمحہ نظر کسی کو ڈھونڈتی ہے سانسوں میں ہجر اور تشنگی کی کیفیت پیدا ہونے لگی ہے آنکھیں سپنے بن بن کر تھکنے لگی ہیں تنہائیاں ڈسنے لگی ہیں من اداسیوں کا نگر بن گیا ہے نظر بار بار آسمان کی طرف اٹھنے لگی ہے ہاتھوں میں دعاؤں کے گلدستے مہک دینے لگے ہیں ہم اپنوں سے دور ہو کر بھی ان کے پاس ہی ہوتے ہیں غزالہ ہم اس دنیا میں تو نہ مل سکے اگلے جہاں میں ضرور ایک ہو جائیں گے اللہ تم پر اپنی رحمت کے سائے برسائے یہ میری دعا ہے۔

مجھ پر دو ہی لمحے گزرے ہیں کٹھن
ایک تیرے آنے سے پہلے دوسرا تیرے جانے کے بعد۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا آپ کا اپنا۔
حکیم ایم جاوید نسیم چوہدری۔فیصل آباد۔

سسکیاں

۔۔تحریر۔ملک عاشق حسین ساجد۔ہیڈ بکائنی مظفر گڑھ ۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
آج پھر ایک سٹوری سسکیاں کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔کچھ گھریلو الجھنوں اور مصروفیات کی بنا پر کچھ عرصہ لکھ نہ سکا اس کے لیے معذرت کیونکہ قارئین نے مجھے کالز کر کر کے اتنا مجبور کر دیا ہے کہ مجھے پھر سے جواب عرض کی محفل میں کودنا پڑا یہ آپ لوگوں کی چاہت ہے کہ آپ میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں اور لکھنے کو کہتے ہیں اور میں صرف جواب عرض کے لیے ہی لکھتا ہوں کہ جواب عرض نے ہمیں ایک نام دیا ہے ایک پہنچان دی ہے مجھے لکھنا اچھا لگتا ہے۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

اسے میں نے اظہر بھائی کی شادی پر دیکھا تھا خدا معلوم اس کا اصلی نام جو بھی تھا مگر سب اسے تاجی کہہ کر پکار رہے تھے۔
رسم مہندی کے موقع پر لڑکیاں شادی بیاہ کے گیت اپنی اپنی ملی جلی آوازوں کے ساتھ گا رہی تھیں اس دوران اظہر بھائی باری باری سب کو مسرور نظروں سے دیکھے جا رہے تھے کبھی کوئی چھیڑتا تو فضا میں قہقہوں کی آوازیں اس رنگا رنگ محفل میں اپنا یادگار تاثر چھوڑ جاتیں۔۔
اظہر بھائی دلہا کے روپ میں ہیرو ہی لگ رہے تھے جن پر اپنے پرائے سبھی ویلیو کے ذریعے نذرانے کے طور پر اپنی اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے ڈھولک کی آواز کے ساتھ ہی ماحول بہت ہی سہانا لگ رہا تھا۔
تاجی آ گئی ہے اب مزا آئے گا وغیرہ وغیرہ محفل میں شریک کچھ لڑکیوں کی آوازیں میری سماعتوں سے ٹکرائی تو دوسروں کی طرح میں نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھے ایک خوبصورت معصوم چہرے والی جوان دوشیزہ بغیر میک اپ کے سادہ کپڑوں میں ملبوس آتی دکھائی دی۔اس سے قبل کہ میں کسی سے پوچھتی کہ اس تاجی نامی لڑکی میں کیا خصوصیت ہے کہ اب مزہ آئے گا۔
اظہر بھائی نے بتایا بھابھی آپ نے جتنی آوازیں سنی ہیں یہ تاجی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تو پھر ٹھیک ہے۔
جناب کچھ سناؤ گے بھی سہی یا پھر یونہی تعریفیں کرتے جاؤ گے میرے میاں جہانگیر نے جواباً اصرار کرتے ہوئے کہا۔
اظہر بھائی کی بہن اسے سہرے سنوارنے کے لیے اسی جگہ لے آئیں جہاں ہم دلہا کے قریب بیٹھے محفل سے لطف اندوز ہو رہے تھے
بھئی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور آج



مجھے مجبور نہ کرو کل سناؤں گی۔

تاجی نے منت کرتے ہوئے انکار کی صورت جواب دیا تو محفل میں موجود خواتین کے چہرے بجھ گئے اور میرا اشتیاق بھی دم توڑنے لگا۔

اے تاجی کی بچی کیا تمہاری طبیعت صرف میری شادی کے دن ہی خراب ہونی تھی اگر تم نے آج کچھ نہ سنایا تو ہم آئندہ تم سے کچھ بھی نہیں سنیں گے۔ اظہر بھائی نے گویا اصرار کے طور پر حجت بھرے لہجے میں دھمکی دے دی۔ اس سے پہلے کہ تاجی بہن آج انکار نہیں کرنا ورنہ میرے مہمان کیا تاثر لیں گے اظہر بھائی کا اشارہ ہم دونوں میاں بیوی کے بارے میں تھا۔

تاجی نے اپیل بھری نظروں سے ہماری جانب دیکھا تو میں نے مسکراتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ سنانے کی فرمائش کر ڈالی۔ چند لمحوں بعد ہی تاجی کی پرسوز اور مترنم آواز گونجی ۔مہندی لاون آیاں ویرا

مہندی سجاون آیاں ویرا

تاجی کی رس بھری جادو سا جگاتی ہوئی آواز میرے دل ودماغ میں رچتی بستی چلی گئی ایک گیت ختم ہوا تو پھر دوسرا پھر تیسرا اسی طرح ہی نصف گھنٹہ تک تاجی کی مترنم آواز ہمارے کانوں میں رس گھولتی گئی میں نے اسی دوران کئی بار تاجی کی آنکھوں میں جھلمل کرتے موتی محسوس کیے جنہیں وہ اپنی آنکھوں میں جذب کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میں نے اچھی طرح ہی محسوس کر لیا کہ تاجی اندر سے دکھی ہے ضرور کوئی غم اسے اندر سے چاٹ رہا ہے موقع ملتے ہی ضرور اس سے اس کی وجہ پوچھوں گی کیونکہ تاجی مجھے بہت پیاری لگی تھی اور نہ معلوم کیوں اس سے بڑھ کر اپنی محفل اختتام پزیر ہوئی تو میں نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے اپنائیت بھرے انداز میں باتیں کرنا شروع کر دی وہ بھی میرے ساتھ کھل کر بات کرنے لگی تھی تھوڑی دیر بعد میں اپنے مقصد کی طرف آتے ہوئے اسے پوچھا۔

تاجی تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہوئے میں نے محسوس کر لیا کہ تم اندر سے دکھی ہو کیا اپنے دکھ میرے ساتھ شیئر کرنا پسند کرو گی۔ میں نے دیکھا تاجی کے چہرے کی رہی سہی برائے نام کی مسکراہٹ اور رونق دم توڑ گئی تھی تقریباً گھبرا دینے والے انداز میں کہا۔

نہیں بی بی جی ایسی کوئی بات نہیں بس کچھ دنوں سے میری طبیعت ناساز ہے۔ میں اس کے لہجے اور جواب سے قطعی مطمئن نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کے چہرے کو ویرانی اور شکستہ انداز اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ خوش نہیں ہے میں نے دوبارہ اپنائیت کے ساتھ کہا۔

دیکھو تاجی مجھے اپنی باجی سمجھو سچ سچ بتا دو میں تمہارے دکھ کو اپنی حد تک رکھ لوں گی میں ازراہ انسانی ہمدردی سے کے تحت پوچھ رہی ہوں اس سے تمہارے اندر کا غبار بھی ہلکا ہو جائے گا دوسرا تمہیں شاید کوئی نیک مشورہ یا پھر تمہاری پریشانی کا کوئی حل بتا دوں جس سے تمہاری زندگی میں تبدیلی آ جائے پلیز مجھے اپنا سمجھ کر اعتماد کرو اور سچ کشائی کرو۔

میری بات سن کر تاجی نے ایک سرد آہ بھری اس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں پھر میرے دلاسہ دینے پر وہ سسکیاں لے کر رونے لگی میں نے کچھ دیر رونے دیا تاکہ اس کے اداس دل کا بوجھ اتر جائے اس سے قبل کہ کوئی

ہماری سچویشن سے باخبر ہوتا میں نے تاجی کو سنبھالا وقت کی نزاکت کا احساس دلایا جس سے تاجی خاموش ہو کر خود کو ماحول میں ڈھلی لیا اور بولی۔

ٹھیک ہے بی بی جی میں آپ کو سچ وچ بتا دوں گی پھر آپ کو جو بھی مشورہ ہوگا اس پر عمل کروں گی اس وقت میں گھر چلتی ہوں امی میرا انتظار کر رہی ہوگی کل بارات سے واپسی کے بعد میں اپنی ساری حقیقت آپ کو بتادوں گی۔

تاجی کی اس تسلی بخش بات ختم ہی ہوئی تھی جہانگیر آ گئے تاجی اجازت لے کر گھر کے لیے روانہ ہوگئی اور میں جہانگیر کے ساتھ کھانا کھانے والی جگہ پر آ گئی۔ اگلے دن شادی کے سہرا بندی کی رسومات کے بعد شام ڈھلے ہم دونوں تنہائی میں بیٹھ گئیں تاجی نے بڑے دکھی لہجے میں اپنی درد بھری روئیداد سے مجھے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

میں اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی میرا کوئی بھائی نہیں تھا جس کی کمی میں ااج بھی شدت سے محسوس کرتی ہوں کیونکہ بھائی بہنوں کے مان اور سہارا ہوتے ہیں خوش قسمت ہیں وہ بہنیں جن کے بھائی ہیں۔ میں ابھی بمشکل چھ سات سال کی تھی کہ میرے ابو اللہ کو پیارے ہو گئے میری امی عین جوانی کے عالم میں بیوہ ہو گئیں انہوں نے دوسری شادی ہرگز نہ کی اپنی تمام تر توجہ میری ذات پر مرکوز کر دی ابو کے فوت ہو جائے کے بعد ہمارا ذریعہ آمدنی ابو کی وراثت شدہ چار ایکڑ زمین تھی اس کی پیداوار سے ہمارے گھریلو اخراجات اور ضروریات زندگی احسن طریقے سے پورے ہو رہے تھے اس زمین کی دیکھ بھال میر ے ماموں جان نے سنبھال لی تھی یہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ زمین کی آمدنی سے سب کچھ پورا ہو رہا تھا نجانے اس کے برعکس ہمیں در بدر کی ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ صبح سویرے ہی امی نے مجھے ناشتہ کروا تیں اور پھر قریبی ہی مسجد میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دو گھنٹے بعد سکول روزانہ کرتی۔ امی کی ہدایت کے مطابق میں جی لگا کر پڑھنے لگی دوپہر کو گھر آنے کے بعد ریسٹ کرتی پھر اسی بستی میں ایک عورت جو ہمارے ہمسائی تھی اس کے پاس سلائی کڑھائی کا سیکھنے چلی جاتی اکثر وبیشتر جب ہم رات کو سونے لگتیں تو امی مجھے ابو کی باتیں کرتی ان کی یادوں کے حوالے سے دیر تک مجھے اپنے سینے سے لگا کر خوب روتی تھیں اور مجھے بھی رلاتی تھیں۔ ماموں جان کا گھر ہم سے کچھ ہی فرلانگ کے فاصلے پر تھا انہوں نے اپنی شادی برادری سے بار دوسری قوم میں اپنی مرضی سے کی تھی یہ ستم ظریفی تھی یا ہماری بدنصیبی ممانی جان ہمیں کچھ اہمیت نہیں دیتیں اور ہمیشہ سے ہم سے دور ہی رہتی تھیں۔

یونہی زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی رہی ماموں جان کے دو بچے تھے ریاض جسے راجو کہتے تھے دوسری ندا جو مجھ سے دو جماعت آگے تھی راجو اور میری منگنی ابو کے ہوتے ہوئے ہوگئی تھی راجو کبھی کبھار ہمارے گھر آتا رہتا تھا اور ندا اپنی امی کی طرح ہی خود غرض تھی جس نے کبھی بھی سیدھے منہ بات کرنا گوارہ نہیں کیا یہ دونوں ماں بیٹی صرف ہم سے غیروں جیسا برتاؤ کے تحت پیش آتی تھیں بلکہ ماموں اور راجو کو ہم سے دور رہنے کی ناکام کوشش کرتی رہتی تھیں ان کی یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی طرح راجو مجھ سے منگنی توڑ کر دوسری جگہ رشتے کا انتخاب کرے جہاں ان دونوں ماں بیٹی کی مرضی شامل ہو۔

راجو کا تو پتہ نہیں کہ اس کے دل میں میری کتنی عزت و محبت تھی البتہ میں دل و جان سے اسے چاہتی تھی رسمی سی گفتگو کے علاوہ وہ ہمارے درمیان کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تو جسے محبت پیار کا نام دیا جاسکے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا ندا میٹرک کلئیر کیا نہ مزید پڑھنے کے لیے کوشش کی پڑھائی کے دوران اسے ختم کر کے قریبی ہی ایک بیوٹی پارلر دکان میں ملازت اختیار کرلی صبح سویرے ہی جاتی اور شام کو واپس آتی میرے محنت رنگ لائی اور میں نے آٹھویں اچھے نمبروں سے پاس کی مجھ سے زیادہ امی کو بے حد خوشی ہوئی تھی ابو کی وفات کے بعد پہلی بات میں نے امی کے افسردہ چہرے پر حقیقی خوشی دیکھی امی نے مجھے گلے لگایا اور شاباش دی ماتھا چوما اور کہا۔

بٹی کاش آج اس موقع پر تیرے ابو ہوتے تو انہیں کتنی خوشی ہوتی اس کے بعد ہی امی دیر تک مجھے گلے لگا کر ابو کی یاد میں آنسو بہاتی رہیں دنیا کی نشیب و فراز سے آگاہ کرتی رہی مجھے امی جان کی شخصیت پر فخر تھا کہ میری کامیابی مرہون منت تھی میں ابھی مزید پڑھنا اور امی نے مجھے پڑھنا چاہتی تھیں۔

عید الفطر آئی تو اپنے ساتھ ڈھیرا ساری خوشیاں لے کر آئی راجو اس روز ہمارے گھر ٹھہرا تحائف کے تبادلے ہوئے مبارکباد کے ذریعے ہماری قربت میں اضافہ ہوا ہنسی مذاق سے شرشار لمحات بہت تیزی سے گزر گئے۔

ایک دو بار کچھ پیسوں کی ضرورت پیش آئی تو میں نے راجو کی کھلے دل سے پزیرائی کی اس سے مجھے دلی فرحت ملتی کہ میں کسی طرح راجو کے کام آسکتی تھی اس دوران میں نے میٹرک اچھے نمبرو ں سے کیا تو ہمارے گھر میں بہار آ گئی راجو مجھے ایک قیمتی گھڑی انعام کے طور پر دی تو میں خوشی سے پھولے نہیں سمائی تھی تقدیر مجھ پر مہربان تھی کہ کامیابیاں ہی مجھے تواتر کے ساتھ ساتھ ہو رہی تھیں۔۔

ایک روز امی اور ماموں کے درمیان میں نے کچھ باتیں سنیں انہیں تسلی تھی کہ میں اپنے گھر کمرے میں ہوں کمرے کے باہر کھڑکی کی اوٹ سے امی ماموں سے مخاطب تھیں۔

بھائی جان تاجی ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہے اگلے دو برس میں اس کی شادی کے بارے میں سوچ لیں گے۔

بہن تمہیں نہیں معلوم راجو کی ماں اور ندا تاجی سے راجو کی شادی کے لیے راضی نہیں ہیں وہ اپنی بھانجی کو بہو بنانے کی فکر اور کوشش میں ہے ہر وقت ہی دونوں ماں بٹی راجو کے کان بھرتی رہتی ہیں مجھے خدشہ یہ کہ کہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائیں جو میں ہرگز نہیں چاہتا۔

مگر بھائی جان تاجی کی پڑھائی کا معاملہ ہے اس سے تاجی کے ابو کا خواب ادھورارہ جائے گا نا

اے بہن تاجی کو کونسی نوکری ملے گی جو آپ اتنا پڑھا رہی ہیں میری مانو جلدی سے فرض سے سبکدوش ہو جائیں ویسے اگر تاجی پڑھنا لازمی چاہتی ہے تو اکثر لڑکیاں شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھتی دکھائی دیتی ہیں سو تاجی بھی پڑھتی رہے گی اس کے برعکس مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جیسے آپ کی مرضی ہو۔

اچھا بھائی جان میں اس معاملے میں راضا مند ہونے کو تیار ہوں مگر اس سلسلے میں پہلے تاجی

کی رائے تو لے لوں پھر وہی کریں گے۔
اس دوران میں نے اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے اندر جا کر بیٹھ گئی تو ان کی باتوں کا سلسلہ تبدیل ہو گیا کچھ دیر بعد ماموں اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے اس رات ہم ماں بیٹی کے درمیان مذکور سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ایک روز راجو ہمارے گھر آیا امی کسی ہمسائی کے گھر تھیں راجو تنہائی میں اپنے گھر دیکھ کر فرط مسرت سے میرا دل جھوم جھوم اٹھا تھا۔
آج ہم غریبوں کے گھر کا راستہ کیسے بھول گئے ہو۔خوشی کے عالم میں میں نے شکوہ کیا۔
جی بھولے نہیں جان بوجھ کر اپنی ہی تاجی سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔۔۔راجو نے میرے قریب ہوتے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔۔
چلو شکر ہے کچھ تو خیال آتا میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھے بھول گئے ہو۔میرے اتنا کہنے پر راجو نے مجھے اپنے قریب بٹھا کر کہا۔
میری جان تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں تم تو میری زندگی ہو تمہارے بغیر تو زندگی کا ایک پل بھی نہیں گزر سکتا۔
راجو کے الفاظوں سے میرے واہمے ختم ہو گئے تھے جو میں ماموں جان کی زبانی سن چکی تھی کہ ہر وقت کے کان بھرنے سے نہیں راجو مجھے ٹھکرا نہ دے میں نے اس سے ممانی جان اور ندا کے تلخ رویئے اور ان کے خیالات کا ذکر کیا تو راجو نے مجھے تسلی دی اور اپنے قدموں پر ثابت قدم پر رہنے کا عزم کرتے ہوئے جلدی اپنانے کا کہہ دیا تاجی دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی انشاءاللہ وہی ہوگا جو راجو چاہے گا۔

ممانی جان اور ندا واقع ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں کیونکہ راجو اگر مجھے تہہ دل سے چاہتا ہے تو معاملہ بھی میرے ہی حق میں ہوگا میں نے خود کو تسلی دیتے ہوئے سوچا کچھ دیر کی انہی باتوں کے بعد ریاض نے امی جان کا پوچھا۔
میں نے کہا۔کسی پڑوسن کے پاس گئیں ہیں بس آنے ہی والی ہوں گی کوئی ہے ہے یا ویسے ہی پوچھ رہے ہو۔
میں نے پوچھا تو راجو بولا ہاں کچھ پیسوں کی ضرورت پڑ گئی تھی لہذہ بطور ادھار ان سے لینے آیا ہوں۔
میں نے امی کا انتظار کیے بغیر ہے اور سوچے بغیر ہے جھٹ ہی اس کی ضرورت پوری کر دی میں بھلا یہ کیسے گوارہ کر سکتی تھی کہ میرے ہوئے ہوئے میرا راجو کسی پریشانی سے دو چار ہو یہ رقم میری ذاتی جمع پونجی تھی جو راجو کے کڑے وقت میں کام آئی تھی۔۔روز بروز کی معمولی تلخ کلامی نے ایک دن طویل جھگڑے کی صورت اختیار کر لی ندا نے اپنی ماں کا ساتھ دیتے ہوئے گستاخ لہجے میں کہہ دیا۔
راجو تاجی سے شادی ہرگز نہیں کرے گا شادی ہو تو صرف اس کی خالہ زاد ہما سے ہوگی۔
ماموں نے ندا کو سمجھایا کہا تم دونوں ماں بیٹی نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔
ممانی نے گھر چھوڑ دیا اور ندا کو اپنے ساتھ لے گئی اپنے میکے چلی گئی راجو اس درمیان اس لڑائی جھگڑے میں موجود نہیں تھا شام کو واپس گھر آتا تو صورت حال سن کر خاموش ہو گیا۔ماموں اس کی وجہ سے خاصے پریشان اور افسردہ تھے ماموں کی زبانی تمام ماجرا سن کر ماں بھی اسی

سچویشن میں مبتلا ہوگئی جس میں میرے شریف النفس انسان ماموں ہوتے تھے۔میں نے ماموں سے دکھی لہجے میں کہا۔

ماموں جان ہماری وجہ سے آپ کے گھر کی خوشیاں روٹھ گئیں ہیں مجھے آپ کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی میری مانو تو آپ وہی کریں جو۔۔۔۔

میری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بات کاٹ کر ماموں تڑپ سے گئے اور بولے۔ایسا مت کہو میری بیٹی جب تک میری زندگی کی سانسیں سلامت ہیں وہ کبھی نہیں ہونے دوں گا جو ندا اور اس کی ماں چاہتی ہیں تم گھبراؤ نہیں کچھ دنوں کے بعد معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔

نہ معلوم کیوں میں ماموں کے اتنا کہنے پر سسکیاں لے لے کر رونے لگی تھی گرمیوں کا زور شروع ہوگیا تھا ہر طرف ہی گندم کی کٹائی عروج پر بھی اس کے اصرار پر ماموں مامی اور ندا کو منانے اپنے سسرال چلے گئے تھے راجو نے آج رات بارہ بجے مجھے اپنے گھر میں آنے کا اصرار کیا کہ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔

رات کے وقت خدانخواستہ ہمارا ملنا بدنامی کا سبب بھی بن سکتا تھا میں نے انکار کرنا چاہا تو راجو نے افسردہ لہجے میں کہا۔

تاجی میری خاطر تم ایسا نہیں کرسکتی کیا اگر مجھ پر اعتماد ہے تو پلیز انکار مت کرنا اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں لہذہ اس سلسلے میں کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں اگر تم نہیں آنا چاہتی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے راجو کی ناراضگی مجھے گوارہ نہ تھی لہذہ میں نے اپنا فیصلہ کرنے میں ہاں کردی اور کہا۔

ہرصورت آنے کی کوشش کروں گی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم ماں بیٹی کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اپنی اپنی چارپائیوں پر سوگئیں نیند تو مجھے آج بالکل بھی روٹھی ہوئی تھی میرا دل انجانے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ رات کے اندھیرے اور تنہائی میں کسی سے ملنے اکیلے جارہی تھی امی جب پوری نیند کی آغوش میں چلی گئیں تو میں نے اپنی ہمت یکجا کی اور دھڑکتے دل کے ساتھ راجو کے گھر کی راہ لی آج زندگی میں پہلی بار اپنی شفیق اور محسن ماں کے اعتماد کو مجروح کر کے خود اپنی ذات سے دھوکہ کر کے باہر کسی سے ملنے کے لیے چلی جا رہی تھی رات کی تاریکی ہر سو پھیلی ہوئی تھی دور دور سے ٹریکٹروں کی آوازیں ماحول میں ایک عجیب سا شور پیدا کررہی تھیں روزانہ آنے جانے والے راستے میں میں پتہ نہیں کتنی بار گری تھی شناسا راستہ بھی اب مجھے اجنبی معلوم ہورہا تھا۔ابھی میں راستے میں ہی تھی کہ راجو میری طرف آتا ہوا دکھائی دیا میرے قریب آکر بولا۔

میں سمجھا تھا کہ تم آنے میں خوف محسوس کرو گی اسی لیے تمہیں لینے چلا آیا ہوں۔۔

وہ تو میں آگئی راجو اب یہی بیٹھ کر باتیں کر لیتے ہیں بتاؤ کیا کہنا سننا تھا میں نے ایک جگہ رکتے ہوئے بیقراری سے کہا۔

مجھے اپنے ساتھ لیتے ہوئے گھر چل پھر باتیں کرتے ہیں میری جان اسی جگہ راستے میں ہمارا دیر تک ٹھہرنا مناسب نہیں ہوگا۔چلو آؤ نا پلیز

تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم دونوں راجو کے گھر بیٹھے تھے چند لمحوں یونہی خاموشی گزرنے کے بعد ابھی تک چپ چاپ بیٹھی مختلف خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی انجانے خوف نے میری زبان گنگ اور دماغ کو مفلوج کردیا تھا۔

راجو اس سکوت کو توڑتے ہوئے میرے پاس آ کر بیٹھ کر کہنا شروع کر دیا۔

ہما سے شادی کر لوں بابا سے اس سلسلے میں ان کی ان بن چکی ہے میرے موا قف سے بھی تم آگاہ ہو چاہے حالات کچھ بھی صورت اختیار کر لیں میں اپنی پیاری تاجی سے منگنی توڑ کر ہما سے شادی ہرگز نہیں کرنا گوارہ کرتا اگر بابا امی کو منا کر گھر لے آتے ہیں تو امی سے میں اپنی منوا لوں گا اور اگر بابا انہیں گھر لا سکے تو اگلے روز میں امی کے پاس چلا جاؤں گا مجھے سو فیصد امید ہے اپنی بات منوا کر ہی آؤں گا بصورت دیگر میں ان کی پرواہ کیے بغیر تمہیں جلد اپنا لوں گا پھر ہم ہوں گے خوشیاں ہوں گی بس پھر چند دنوں بعد ہی امی اور ندا بھی اپنی شکست کو تسلیم کر کے واپس گھر آ جائیں گی بھلا کب تک وہ وہاں پر رہ سکیں گی

میرے اندر خوشیوں کے ترانے گونج اٹھے تھے راجو کے الفاظ سن کر مجھے اپنی منزل قریب دکھائی دینے لگی تھی۔

تم کتنے اچھے ہو راجو میں نے تمہیں پسند کیا ہے میں نہیں چاہتی کہ تمہارے گھر والوں کی وجہ سے میں کسی اور کی ڈولی میں بیٹھوں وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا جب تم کسی اور۔۔۔ میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بات ادھوری ہی رہ گئی

ایسا سوچنا بھی نہ میری جان ہم سدا ہی رہیں گے راجو نے مجھے پھر اپنے قریب کرتے ہوئے پیار بھری باتیں ہونے لگی۔

پھر میرے ہوش وحواس کھو گئے اور میں راجو کی قربت میں اس قدر مستغرق ہوئی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا اس قبل کہ میں راجو سے گھر جانے کی اجازت لیتی راجو نے حد سے گزرنے کے لیے اپنی کوشش شروع کر دی میں اچھل کر کھڑی ہو گئی اور کہا۔

نہیں راجو ایسا نہیں ہوگا گناہوں کی دلدل میں ضرورت ہی کیا ہے ڈوبنے کی میں تمہاری ہوں شادی کے بعد۔ میرے الفاظ میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

پلیز تاجی انکار مت کرو تم ہو ہی میری تو پھر یہ انکار کیسا افسوس ہے تمہارے رویے پر راجو نے التجائیہ کہا تو میں اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

راجو مجھے یہاں آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے امی کی آنکھ کھل گئی تو مجھے موجود نہ پا کر کیا سوچیں گی۔

بیٹھو تو سہی چلی جانا میں تمہیں یہاں رات گزرنے کو تھوڑی کہہ رہا ہوں راجو نے میری کلائی پکڑ کر دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہا۔

میں نے راجو کی آنکھوں کے رویے میں بے ایمانی کے تاثرات دیکھے۔ رات کے سناٹے تنہائی اور گھر میں میں خود کو بچا نہ سکی میری کوئی مزاحمت اپلیں اور کوشش کامیاب نہ ہو سکی میری عزت راجو نے زبردستی لوٹ لی تو میں بے تحاشہ رونے لگی۔

راجو تم نے اپنے گھر بلا کر میرے ساتھ اچھا نہیں کیا اس سے پہلے کہ میں آنے والے وقت میں جب کا تماشہ بن کر موت کے گلے لگا لوں میں تمہارے گھر مرنا پسند کروں گی۔

میں نے بجلی کی تاروں کو نوچنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو راجو نے مجھے بڑے پیار سے سمجھانا شروع کر دیا۔

تاجی میں اپنے موقف پر سو فیصد قائم ہوں

مجھ پر بھروسہ کرو پر سوا گر میں امی جان سے بات نہ منوا سکا تو جو جی میں آئے میرے ساتھ کر لینا میں خدا کی قسم کھا کر تم سے مردوں والا وعدہ کر کے یقین دلاتا ہوں کہ تم سے کبھی دھوکہ نہیں کروں گا بلکہ جلد ہی شادی کر لوں گا ایمان سے۔

اگر میں اس کی باتوں پر یقین نہ بھی کرتی تو راجو کا کیا بگاڑ سکتی تھی رو رو کر میرا برا حال ہو گیا تھا میری عزت لٹ چکی تھی خاک میں مل گیا تھا میرا وقار میں اپنی نظروں میں گر گئی تھی تو زندگی سے بیزار ہو گئی ایسے جینے سے تو بہتر تھا میں خودکشی کر لیتی مگر یہ سوچ کر کہ خودکشی بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے تو مجھ سے پہلے یعنی عزت لٹاتے ہی حاصل کر لیا تھا مگر خداوند کریم دلوں کے بھید خوب جانتا ہے اس میں میری جو مرضی اور ارادہ اپنی محبت اپنے پیار پر اعتماد کرنے کی عظیم غلطی مجھ سے سرزرد ہو گئی تھی جس کی سزا مجھے مل گئی تھی عزت لٹ جانے کا غم مجھے اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹنے لگا تھا مگر پھر بھی مجھے راجو پر یقین تھا کہ وہ مجھے ٹھکرائے گا نہیں بلکہ اپنی محبت اور قسم و وعدے پر قائم رہے گا بس یہی سوچ کر خود کو تسلی ہو جاتی اور اسی سہارے پر زندگی گزارنے لگی۔

ماموں ناکام واپس لوٹ آئے ممانی اور ندا نے یہ کہہ کر گھر آنے سے انکار کر دیا کہ جب تک راجو تاجی سے منگنی نہیں توڑ دیتا ہما سے شادی کا نہیں کہہ سکتا تب تک ہم گھر نہیں آئیں گی۔

مجھے اپنی امیدوں پر پانی پھرتا ہوا محسوس ہونے لگا مگر اب آخری امید راجو پر تھی جو مجھے یقین تھا اگر راجو اپنی بات پر بضد تھا تو ماں بیٹھی اس سے کبھی نہیں منوا سکتی تھیں راجو پر آس امید لگائے میرے دن رات گزرتے رہے راجو کو ماں کے پاس گئے ایک ماہ سے زائد ہو چکے تھے یہ روز اس کا شدت سے انتظار کرتی راتیں بے چینی کے عالم میں جاگتے ہوئے گزر رہی تھیں اس دوران مجھے اپنے اندر تبدیلی کے اثار نظر آتے محسوس ہونے لگے تو میری روح تک کانپ گئی سوچیں منتشر ہوتی گئیں غم و غصے کی آگ نے میرے وجود کو اپنی پلیٹ میں لے لیا اگر خدانخواستہ راجو اپنی ماں بہن سے ہار گیا تو میرا کیا ہو گا ذلت بدنامی رسوائی در بدر کی ٹھوکریں میرا نصیب ہوتی میری امی جس نے میری خاطر اپنی جوانی کو قربان کر کے میری ذات پر سہانی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں ان پر کیا گزرتی زمانے کو کیا منہ دکھاتیں طعنے اور بدنامی کے خوف میرے اندر آندھیاں چلا رہی تھیں ایک روز ماموں کی زبانی معلوم ہوا کہ راجو بھی آ گیا ہے اور وہ بھی اکیلا ہی بات واضح نہیں ہو سکی تھی معاملہ کیا صورت اختیار کیے ہوئے ہے پورا ہفتہ گزرنے کو تھا مگر ابھی تک راجو ہمارے گھر نہیں آیا تھا مجھے دال میں کالا سا محسوس ہونے لگا تھا تسلی بخش صورتحال راجو سے ملنے کے بعد معلوم ہو سکتی تھی۔

ایک شام موقع ملنے پر راجو کے گھر چلی گئی دروازہ بند تھا میں نے ہلکی سی دستک دی تو چند ہی لمحوں میں دروازہ کھلا راجو میرے سامنے کھڑا تھا مجھ پر ایک نظر پڑتے ہی دروازہ دوبارہ بند کرنے لگا اس کے چہرے پر اجنبی پن میں ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گی۔ افسوس ہے راجو نہ اندر آنے کو کہا نہ ہی حال احوال کا پوچھا۔

اس قدر غیروں جیسا سکول اپنی تاجی اپنی ساتھ عبرت ودک کی بات ہے میں نے بمشکل کہا کون اپنی تاجی میرا تو تم سے کوئی تعلق نہیں تم

غلط جگہ پہنچی ہو اس سے پہلے کہ کوئی یہاں آ جائے جس سے میری شخصیت پر حرف آئے تم واپس چلی جاؤ میں ضروری کام میں مصروف ہوں۔

راجو بدستور اپنے رویے میں ڈٹا ہوا بولا۔

راجو یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم نے تو خدا کی قسم کھا کر وعدہ کیا تھا کہ میرے ساتھ۔

میری بات مکمل سنے بغیر دروازہ بند کرنے لگا میں جلدی میں اس کے قریب پہنچ کر دروازے کے درمیان میں کھڑی ہوگئی تھی اور پوری التجا سے بولی۔

راجو تم نے مجھے برباد کر دیا ہے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تم نے اور دیکھو میرے پیٹ میں تمہارا خون پرورش پا رہا ہے میں کہاں جاؤں گی اور کیا کروں گی۔

تڑاخ۔۔ تڑاخ۔۔۔ دوسرے کا خون اور اپنا گناہ میرے حصے میں ڈالتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔ یہ کہتے ہوئے مجھے دو تین تھپڑ رسید کر دیے اور دروازے سے ہی دھکے دے کر مجھے باہر نکال دیا میں دور جا کر گری بے بسی سے پلٹ کر دیکھا تو دروازہ بند ہو چکا تھا اپنی قسمت پر ماتم کرتی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ دیوار کا سہارا لے کر گھر پہنچی

کچھ ہی دیر بعد میری کلاس فیلو راشدہ نے اپنی جاننے والی لیڈی ڈاکٹر کے ذریعے میرا مسئلہ حل کرتے ہوئے میرے اندر راجو کا خون ضائع کر دیا اور قدرے جان میں جان آگئی اس کے ساتھ اپنی ناکام محبت کا دلخراش انجام اور راجو کی بے وفائی کا گہرا زخم شاید میں زندگی کی آخری سانسوں تک فراموش نہ کرسکوں پھر تھوڑے ہی دنوں بعد ہمارے علاقے کے ایک زمیندار جو اپنا کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں نے ثالثی کردار ادا کرتے ہوئے ماموں اور ممانی کے درمیان غیر مشروط طور پر صلح کروا دی کچھ شب روز تو نارمل انداز سے گزر گئے مگر پھر وہی تو تو اور میں میں ہونے لگی نتیجہ یہ نکلا یہ دونوں ماں بیٹی نے ماموں کو تشدد کا نشانا بنایا راجو نے اپنی ماں و بہن کا ساتھ دیتے ہوئے اپنے سگے باپ کی بے عزتی کر ڈالی اس جنگ میں پورے گھرانے میں انتشار پیدا کر دیا دیا تھا نوبت علیحدگی پر آگئی ماموں نے ممانی کو طلاق دے دی راجو اور ندا کو اپنی جائیداد سے عاق کر دیا وہ لوگ ماموں کی جان کے درپے ہو گئے ہیں پھر ماموں کے خلاف بہت کچھ بولنے۔

اللہ جانے بی بی آگے کیا ہوتا ہے۔

تاجی اپنی دکھ بھری داستاں سنا دی میری پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسوؤں کے موتی ٹپ ٹپ نیچے گرنے لگے میں نے انسانی ناتے اسے گلے لگایا اور اسکی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا تم نے خدا کی ذات پر بھروسہ رکھا ہے وہی انصاف کرے گا اسی طرح ہی صبر و تحمل سے رہو وہ دن دور نہیں ہیں اب ظالم اپنے انجام کو ہوگا زندگی کو نئے سرے سے نارمل طریقے سے گزارنا شروع کر دو انشاء اللہ حالات تمہارے حق میں ہونگے کچھ دیر بعد تاجی اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔ اچھا بی جی اب میں چلتی ہوں کافی دیر ہو چکی ہے امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ ٹھیک ہے خدا تمہارا حامی و ناصر ہو زندگی نے وفا کی تو پھر ملیں گے انشاء اللہ۔ تاجی گھر چلی گئی تو اسی دوران جہانگیر بھی آگئے اور ہم شادی کی بقیہ مصروفیات میں مصروف ہو گئے شادی کے ہنگامے اختتام کو پہنچے تو ہم واپس گھر آگئے کچھ روز تاجی کا تصور میرے دل دماغ پر چھایا رہا مگر وقت

کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تصور بھی آہستہ آہستہ دھندلاتا گیا۔

بذریعہ روزگار جہانگیر کو اپنے ایک رشتہ دار نے سعودی عرب بلوالیا ان کے بغیر میرا دل نہیں لگتا تھا ایک اداسی سی میرے اندر رہنے لگی اس کا اظہار میں نے جہانگیر سے کیا تو انہوں نے کہلوا بھیجا کہ چند ماہ صبر کرو اس کے بعد تمہیں سرزمین مقدس بلوا لوں گا۔ جہانگیر کے سعودی عرب جانے کے دو سال بعد میں وہاں تھی میرے شب و روز پرسکون انداز سے گزر رہے تھے چار سال کا عرصہ ہم سعودی عرب رہنے کے بعد واپس اپنے وطن چلے آگئے اپنے گھر ہمارا خوشیوں کا مرکز بن گیا رشتہ دار اپنے پرائے سبھی ہمارے گھر کی مبارکباد دینے آئے ان میں اظہر بھی اپنی فیملی کے ساتھ آئے اسپیشل پھولوں کے ہار اور سہرے بنوا کرلائے تھے اور گھر جاتے وقت ہمیں گھر آنے کی دعوت بھی دیتے گئے راشدہ بھابھی تو بار بار ہمیں آنے کا کہتی جیسے انہیں ہمارا شدت سے انتظار تھا۔

جہانگیر نے اگلے ہفتے ان کے گھر آنے کا وعدہ کیا تھا ایک بات کا ذکر تو میں کرنا ہی بھول گئی تھی۔۔ان چار سالوں میں اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمارے آنگن میں ننھے ارسلان کی آمد ہو چکی تھی اسلان کے آتے ہی گھر میں جیسے بہار آگئی تھی حسب وعدہ اگلے ہفتے ہم اظہر بھائی کے گھر تھے ماضی میں بیتے لمحات کی یاد پھر سے تازہ ہوگئیں تھیں خوب باتیں ہوئیں تھیں جن سے ماحول خوشگوار فضا میں تبدیل ہوگیا تھا۔ میں برآمدے سے اٹھ کر راشدہ بھابھی کے ہمراہ ان کے کمرے میں گئی شیلف میں ایک پرکشش خدوخال والی لڑکی کی تصویر آویزاں تھیں جسے دیکھ کر کچھ شناسائی کا احساس ہوا ذہن پر قدرے زور دیا تو پہچاننے میں ذرا بھر دیر نہ لگی یہ باجی کی تصویر تھی تاجی کی تصویر اور اس گھر میں حیرانگی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ میں نے بھابھی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جی ہاں بھابھی یہ میری سہیلی کی تصویر ہے بھابھی نے وضاحت کی جس کا نام تاجی ہے میں نے تائید کرتے ہوئے کہا۔تو گویا بھابھی آپ تاجی کو جانتی ہیں بھابھی نے پوچھا۔صرف جانتی نہیں ہوں اچھی طرح اس کے حالات سے بھی واقف ہوں۔

میں نے گہری سانس لیتے ہوئے قدرے دکھ سے جواب دیا۔اس سے پہلے کہ میں تاجی کے بارے میں پوچھتی بھابھی نے میری مشکل آسان کرتے ہوئے تاجی کی دردبھری کہانی سنانا شروع کردی ۔جیسا کہ آپ کو معلوم تھا کے تاجی کے ماموں اور ممانی کے خلاف جنگ چھڑی ہوئی تھی پھر فیصلہ یہ ہوا کہ مکان اور چار دیواری والی جگہ راجو اور اس کی ماں و بیٹی کو اور باقی جائیداد زرزمین تاجی کے ماموں کے حصے میں آئی۔راجو کی ماں ندا کے لے کر اپنی بہن کے پاس راجو کے لیے ہما کا رشتہ لینے ان کے گھر گئی مگر ان لوگوں نے یہ کہہ کر انہیں بری طرح سے ٹھکرادیا کہ راجو جیسے والدین کے گستاخ اور گھٹیا لڑکے سے وہ اپنی لاڈلی و پڑھی لکھی بیٹی کا رشتہ ہرگز نہیں دے سکتی اس کے علاوہ بھی ہمانے ندا اور اس کی ماں کی خوب بے عزتی کی جائیداد سے عاق ہونے کا طعنہ دیا راجو کو کنگلے اور والدین کا نافرمان کہہ کر جو بے عزتی کی اس کا گہرا رنج ہوا پھر دونوں ماں بیٹی گھر پہنچی سارا ماجرا راجو کو کہہ سنایا صرف یہی

نہیں کہ رشتہ سے انکار کر دیا گیا ہے بلکہ ان کی خاصی بے عزتی بھی کی گئی ہے۔

راجو کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ ہما کو راجو بہت پسند کرتا تھا اس کی شرمندگی اور صدمے نے راجو کو بستر پر لگا دیا اس کے بعد ہما کی ایک اچھی فیملی میں شادی ہو گئی ہما اپنے گھر خوش ہے اور پر سکون زندگی گزار رہی ہے۔ ندا جس جگہ بیوٹی پارلر میں کام کرتی تھی وہاں پر فرح نامی لڑکی بھی کام کرتی تھی ایک ہی دکان پر اکھٹے ملازمت کرنے سے ان دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا رہتا تھا فرح کی ملاقات راجو سے ہوئی تو بات شادی تک جا پہنچی وہ کتنا دردناک منظر ہو گا جب سگا اکلوتا بیٹا دلہے کے روپ میں بارات کے ساتھ جا رہا ہو باپ غم واندوہ کی کیفیت میں غیروں کی طرح سڑک پر کھڑا آنسو بہا رہا ہو جس میں وہ شامل ہو اور نہ اسے بلایا گیا ہوں۔

شادی کے بعد راجو نے فرح کو دکان پر کام کرنے سے منع کر دیا ندا اب اکیلی دکان پر جانے لگی اور ساتھ دکان کے مالک انجم سے عشق کی پینگیں بڑھانے لگی فرح کو علم ہوا تو اس نے راجو کو بتایا راجو نے اپنی بہن کو سمجھایا اور دکان پہ جانے سے بھی روک دیا ندا نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ الٹا اپنی بھابھی پر الزام دینے لگی پھر وہ گھر جنگ کی اماجگاہ بن گیا تھا۔ ایک روز راجو نے ندا کو نجم کے ساتھ کسی جگہ اکھٹے موٹر سائیکل پر سوار ہوتے ہوئے دیکھا تو شام کو گھر آنے پر ندا کو مارا پیٹا اگلی صبح ندا گھر سے غائب تھی جائے میں نشہ آور گولیاں کھلا کر نجم کے ساتھ فرار ہو گئی۔

راجو اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اس کی بدنامی اور بے عزتی ایسی ہوئی کہ گھر میں قید ہو کر رہ گیا تھا اس کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا کہ ندا کو تلاش کر سکے پھر جنم پر انگلی کیسے اٹھاتا تو اب گھریلو اخراجات کے لیے تنگدستی کا شکار ہو گیا تھا دوستوں سے شادی پر جو قرضہ لیا تھا اس کی ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے وہ پہلے ہی بہت پریشان تھا اب تو فرح بھی میکے والوں سے روز روز خرچہ وغیرہ لے کر تھک چکی تھی اسے تو محبت کی شادی کرنے پر طعنے ہی ملنے لگے راجو کی شادی کو دو سال سے اوپر ہو گئے تھا مگر ابھی تک ان کا آنگن اولاد جیسی نعمت سے محروم تھا۔ ندا کو بعد میں معلوم ہوا کہ نجم پہلے سے شادی شدہ ہے اور چار بچوں کا باپ بھی ہے اس نے شور مچانا چاہا تو اسے خاموش کر دیا گیا تھا۔

اب ندا سوائے رونے اور پشیمان ہونے کے کر بھی کیا سکتی تھی نجم کی دوسری بیوی کو اس کے گھر میں تسلیم کیا گیا اور نہ اہمیت دی گئی سبھی اس سے نفرت کرتے تھے نجم کے بچے ہر وقت ندا کی بے عزتی کرتے رہتے نجم سے شکائت کرتی تو الٹا مورد الزام ٹھہراتے لہذہ اس کا جینا اس گھر میں اجیرن ہو گیا اس نے تو نجم کی رفاقت میں سوہانے خواب دیکھے تھے اب زندگی کا ایک ایک لمحہ اسے ڈسنے لگا تھا ہر وقت روتی اور پیٹتی رہتی تھی خود وہ ماں بیٹی الگ سے ستاتی سوئے صبر کے وہ کرتی کیا

ایک روز نجم نے ندا پر ترس کھاتے ہوئے کہا کہ چلو تمہیں تمہاری ماں سے ملوالاؤں وہ جو کچھ کرے گی ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے معافی مانگ لیں گے اگر راجو نہ مانا تو ندا نے بھائی کے بارے میں خدشے کا اظہار کیا۔ اسے بھی راضی کر لیں گے یہ اتنا مسئلہ سنگین نہیں ہے جتنا تم سمجھتی ہو نجم نے مطمئن کرتے ہوئے کہا اتنے عرصے بعد

ندا بھی اپنی ماں سے ملنے اور صلح کرنے کا سوچ رہی تھی کہ نجم نے اس کی یہ مشکل حل کر دی۔

ندا نجم کے ساتھ اپنی ماں سے ملنے کی چار دیواری میں پہنچی راجو اس وقت گھر پہ نہیں تھا ندا کی ماں نے انہیں دیکھتے ہی نفرت سے منہ موڑ لیا ندا نے معافی مانگنے کے لیے ہاتھ جوڑے ہی تھے کہ اس کی ماں نے مکان کو سر پر بٹھا لیا خوب دل کی بھڑاس نکالی نجم کو دیکھ کر تو اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے اپنی جوان بیٹی کے ساتھ ایک پینتالیس سال شوہر کا وجود بذات خود اس عذات سے کم نہ لگا۔ دونوں میاں بیوی ماں کے قدموں میں گرے پڑے تھے اور گلے معافیاں مانگنے آخر ہو ماں تھی اسے ندا پر ترس آ گیا۔ ندا کے ساتھ نجم کو بھی اس نے معاف کر دیا وہ تو کب سے اپنے دل میں ندا کر دیکھنے کے لیے بیتاب تھی شام کو راجو اپنی بیوی طرح کے ساتھ گھر آتا گھر میں ندا اور نجم کو دیکھ کر مارنے بڑھا تو ماں درمیان میں آ گئی۔

راجو بیٹا میں تسلیم کرتی ہوں ندا نے اچھا نہیں کیا تھا اس میں نجم بھی برابر کا شریک ہے اپنی غلطی کی معافی مانگنے اور ہم سے صلح کرنے کے لیے یہ دونوں چلے آئے ہیں کسی کو معاف کر دینا ہی انسانیت کا دوسرا نام ہے۔ گھر آئے دشمن کا ساتھ بھی برا سلوک نہیں کرتے لوگ یہ تو پھر بھی تمہاری سگی بہن ہے ہے اور بہن کے سوہاگ کے لیے نجم کو بھی معاف کر دو جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے ماں کا پراثر لیکچر ابھی جاری تھا کہ نجم نے اپنی جیب سے پانچ ہزار کے نوٹ نکال کر راجو کی گود میں ڈال دیئے۔

یہ لو بھائی اس کا گھر کا خرچہ سنبھال لو اگر تم کوئی کاروبار کرنا چاہتے ہو تو میں تمہاری مدد کرتا ہوں راجو کا غصہ دور ہو گیا کیونکہ وہ تو وہ تو کوڑی کوڑی کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا اتنے سارے نوٹوں کو دیکھ کر اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا ویسے بھی نجم کی طرف سے اسے مزید رقم ملنے کا عندیہ بھی مل چکا تھا جس سے وہ اپنا قرض اتار سکتا تھا اور ساتھ کوئی من پسند کاروبار بھی شروع کر سکتا تھا

نجم اگلے روز اپنے گھر روانہ ہو گیا یہ کہہ کر یہ وہ تین چار رز بعد ندا کو لینے آئے گا اور راجو کے لیے کچھ رقم اور لیتا آئے گا جس سے راجو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے گا۔ تین چار روز گزرے مگر نجم نہ آیا انتظار کی گھڑیاں طویل پکڑتی گئیں پورے پندرہ دن بیت گئے رقم آئی نہ نجم سولہویں دن صبح نجم آیا تو خالی ہاتھ صرف دو چار سو روپے ندا کر خرچہ دینے کے لیے اور کہا اس سے تم گزارہ کرو فی الحال یہی رہو کیونکہ میری پہلی بیوی بچے تمہاری خاطر ناراض ہوتے ہیں بلکہ اب تو میرے ماں باپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم اپنی ماں کے ساتھ اس گھر میں ہی رہو میں تمہیں خرچہ وغیرہ یہاں سے جایا کروں گا۔ ندا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہ تم کہہ رہے ہو نجم۔ ندا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کی بات کو کاٹ کر نجم اسے پھر خاموش کر دیا۔ ندا جس طرح تمہاری امی و راجو کو ہم نے منا لیا ہے اسی طرح میں اپنے گھر والوں کو بھی راضی کر لوں گا تھوڑے ہی دنوں بعد میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ راجو آ گیا نجم نے راجو کو دیکھ کر پیسوں کے متعلق بتایا کہ ایک دوست سے رقم لینی تھی وہ اگلے ماہ ملے گی تو دے جاؤں گا راجو نے خاموشی اختیار کر لی بھلا اس نے نجم سے قرض تھوڑی لینا تھا کہ نجم سے ناراض ہوتا مگر راجو

یہ بات کھٹکی ضرور تھی کہ نجم اس سے صرف بہانہ بنا رہا ہے۔۔ نجم اپنے گھر چلا گیا۔ ندا اور فرح کے درمیان ان بن شروع ہوگئی جو روز بروز طویل پکڑتی گئی۔ ایک روز تو بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی اور فرح اپنا ضروری سامان لے کر اپنے میکے چلی گئی اور اور پھر دو ماہ بعد ان کی علیحدگی ہوگئی رہی بات ندا کی تو ایک روز اس کو بھی ڈاک کے ذریعے طلاق نامہ آگیا یوں پھر یہ گھرانی تین حصوں میں تقسیم ہوگیا۔

راشدہ بھابھی نے کہانی ختم کی تو مجھے احساس ہوا کہ قدرت نے راجو سے کس قدر انتقام لیا ہے کہ نہ گھر کا رہا نہ باہر کا سب کچھ ختم ہوگیا ایک لڑکی سے زیادتی کے بدلے اس کی جو بے عزتی بدنامی ہوئی اور پھر گھریلو سکون بھی غارت ہوگیا بھلا اس کے دامن میں سوئے دکھوں آہوں اور پریشانیوں کے اور کیا رہ گیا تھا ہوسکتا ہے آگے بھی اس کا حشر برا ہو۔ میری نظریں تاجی کو تصویر سے ٹکرائیں تو میں نے جھٹ بھابھی سے مرکزی نوعیت کا سوال کر ڈالا۔ بھابھی آپ نے تاجی کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں وہ کس حال میں ہے اور کہاں زندگی گزار رہی ہے۔

بھابھی نے ایک سرد آہ بھری تصویر کی جانب دیکھتے ہوئے پرنم آنکھوں سے کہا۔ ہاں۔ ہاں۔ یہ بیچاری جب راجو کی شادی تھی تو ایک دن پہلے اس نے گاؤں چھوڑ دیا تھا اور آج تک واپس نہیں آئی خدا کو معلوم ہے تاجی کہاں ہے اور کس حال میں ہے زندہ بھی ہے یا مرگئی ہے البتہ اس کی ماں تاجی کے گاؤں چھوڑ جانے کے تین ماہ بعد اللہ کو پیاری ہوگئی اور تاجی کا ماموں اپنی زندگی کے بقیہ دن پورے کر رہا ہے راشدہ بھابھی خاموش ہوگئی

اس دوران مجھے نور جہاں کا ایک گیت یاد آنے لگا

پیار دی کہانی لوکو کیتھے آ کے رک گئی
ہائے آں تو شروع ہوئی ہنجواں رے مک گئی
میری آنکھیں برسنے لگی میرا جی

سے خون کا رشتہ تو نہیں تھا صرف انسانیت کے ناتے خلوص و پیار کا رشتہ تھا اس کا دکھ مجھے اپنا سا محسوس ہونے لگا اٹھ کر میں تصویر کے نزدیک ہوگئی دھندلائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے تاجی سسکیاں لے لے کر مجھ سے کہہ رہی ہو دیکھا بی جی میری محبت کا انجام اور قسمت کا فیصلہ منزل تو نصیب والوں کو ملتے ہیں اور خوشیاں ہر انسان کے نصیب میں کہاں۔ آنسوؤں کی لڑیاں میری آنکھوں سے شدت کے ساتھ بہنے لگیں ایک توقف کے بعد دوبارہ تصویر پر نگاہ ڈالی تو تاجی کے جیسے لب ہلے اور وہ کہہ رہی ہو۔ بی بی جی آپ تو مجھے نہ رونے کا کہتی تھیں اور آج تو آپ خود رو رہی ہیں۔ پلیز بی بی جی آپ مت روئیں مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ پلیز پلیز بی بی جی۔

روتے روتے میری بھی سسکیاں نکلنے لگیں اور میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی تصویر کے سینے سے لگایا تو ایک طمانیت کا احساس ہوا جیسے کوئی اپنوں کو کھو کے پالے تو ایک انجانہ سا سکون مل جاتا ہے راشدہ بھابھی نے سنبھالا ان کے دلاسہ دینے پر میں کچھ دیر بعد قدرے نارمل ہوئی برآمدے سے باہر آکر دیکھا تو سورج کی پہلی کرن ایک دن کے اختتام کی خبریں سنا چکی تھی میں نے اداس نظروں سے دیکھا تو دور افق پر ڈوبتے ہوا سورج اپنی آخری منزلوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔

ادھوری محبت

--تحریر۔ارم ارسہ۔احمد پور شرقیہ---

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

میں ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہو رہی ہوں اس کا عنوان میں نے ادھوری محبت رکھا ہے امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گی۔میں نے پہلی بار کہانی لکھی ہے لکھنے کا بہت ہی شوق ہے لیکن میرا یہ شوق پورا نہیں ہوا۔امید ہے کہ اب آپ میرا یہ شوق پورا کریں گے میں ہمیشہ آپ لوگوں کو اچھی دعاؤں میں یاد رکھوں گی۔قارئین کرام کیسی لگی آپ کو یہ کہانی مجھے آپ اپنی رائے سے ضرور نوازیئے گا آپ کی رائے میرے لیے بہت ہی اہم ہوگی۔تاکہ مجھ میں لکھنے کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

پرگل خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں شاپر تھا۔

امی امی کہاں ہیں آپ جلدی آئیں زرینہ جلدی سے آئی اور بولی۔

کیا ہوا کیوں چیخ رہی ہو تمہیں پتہ ہے ناں تمہارے ابا کا اتنی اونچی آواز سن کر وہ تمہیں مار ہی ڈالیں گے یہ کیا ہے تمہارے ہاتھ میں۔

امی کتنا اچھا کپڑا ملا ہے اور سستا بھی بہت ہے۔وہ خوشی سے بولی۔

دکھاؤ ہاں کپڑا تو اچھا ہے کیا ریٹ لگایا ہے دکاندار نے۔امی نے پوچھا۔

امی یہ ایک سو بیس روپے میٹر ہے اس نے صرف ساٹھ روپے لگایا ہے۔

کیا ساٹھ روپے میں لگایا ہے کمال ہے اللہ اسے خوش رکھے اللہ اس کے کاروبار میں برکت دے اس کے بہت عطا کرے بیٹا دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے دل میں رحم ہوتا ہے غریبوں کا احساس ہوتا ہے زرینہ بولی پرگل تم ایسا کرنا دو تین دن میں تم اور کپڑا لے آنا وائٹ کلر کا ہو میں تمہاری دونوں چھوٹی بہنوں کی بھی وردیاں بنا دوں گی بلکہ ہم ایسا کرتے ہیں کل تم کالج سے جلدی آ جانا ہم دونوں ہی اکٹھے کپڑا لینے چلیں گے تمہارے ابا کے آنے سے پہلے پہلے ہم جلدی آ جائیں گے تا کہ انہیں پتہ نہ چل سکے۔

جی امی جان۔میں کل جلدی گھر آ جاؤں گی پھر چلیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ۔۔۔

اب تم منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا کر تھوڑا آرام کرلو بہت تھک گئی ہو گی۔۔پرگل نے ہاں میں سر ہلا دیا اور چلی گئی۔

عرزم جلدی جلدی گاہکوں کو فارغ کر رہا تھا آج گاہکوں کا رش بھی بہت زیادہ تھا عرزم نے



میٹر کے بعد پڑھائی چھوڑ دی تھی اور اپنے ابا جان کی کپڑے کی دکان پر انکی مدد کرنا شروع کردی تھی وہ صبح دس بجے دکان پر آتا اور رات گئے ہی دونوں باپ بیٹا کی گھر کو واپسی ہوتی۔

عزرم اور دلاور دو ہی بھائی تھے دلاور چھوٹا تھا اور وہ پڑھتا تھا عزرم چاہتا تھا کہ اپنے ابا کے ساتھ کام میں ہیلپ کر کے کاروبار بڑھ جائے اس طرح ابا کا کچھ بوجھ کم ہو جائے گا اور ان کا دکھ بھی کچھ کم ہو جائے گا اور میرا ذہن بھی کچھ بٹ جائے گا۔

آج پرگل جلدی کالج سے گھر آ گئی پہلے وہ اپنی دوست فریحہ کے ساتھ کپڑے خریدنے گئی تھی آج امی کے ساتھ جانا تھا اس کے ابا بہت سخت تھے وہ اسے کہیں جانے نہیں دیتے تھے سوائے کالج کے میٹرک کے بعد انہوں نے آگے پڑھنے سے منع کر دیا تھا لیکن امی کی بہت کوششوں اور اس کی خود کی منت سماجت کے بعد اسے اجازت ملی تھی جب ابا گھر میں ہوتے تو پرگل اور چھوٹی بہنوں کا سانس رکی ہوتی تھی خود امی کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ ان کو کچھ بول سکیں اگر کبھی امی کچھ کہہ بھی دیتی تو ابا انہیں مارنے لگ جاتے تھے پرگل جب کالج جاتی تو پوری پوری طرح برقعے میں لپٹی ہوئی ہوتی تھی اس دن بھی فریحہ زبردستی بازار لے کر گئی تھی پرگل بہت ڈر رہی تھی کہ کہیں ابا گھر نہ آ جائیں۔

جلدی چلو گھر

فریحہ اسے سمجھا رہی تھی کہہ رہی تھی۔ کچھ نہیں ہوتا یار کبھی گھر سے بھی نکلا کرو آخر کب تک ڈر ڈر کر گھر میں بیٹھی رہو گی۔

کچھ بھی ہو لیکن جلدی کرو ابا کے آنے سے پہلے پہلے گھر چلو کہیں وہ آ گئے تو میری شامت آ جائے گی۔

عزرم کی بار بار نظریں بھٹک رہی تھیں پرگل کی طرف جارہی تھی اور پرگل بھی ادھر اور کبھی ادھر دیکھنے لگ گئی تھی وہ تھی بھی تو بہت ہی خوبصو رت جو ایک بار دیکھ لیتا تو بس دیکھتا ہی رہ جاتا تھا اور عزرم کا بھی یہی حال تھا اور برقعے کے نقاب میں تو اس کا چہرہ ماہتاب کی طرح چمک رہا تھا وہ دونوں نے جلدی جلدی کپڑا خریدا اور گھر آ گئی تھیں گھر آ کر اسے بھی ایک بے چینی سے محسوس ہوئی تھی بار بار عزرم کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے رات کو بستر پر لیٹنے کے باوجود بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی آج اس نے امی کے ساتھ جانا تھا ایک عجیب سی خوشی تھی کچھ ہی دیر میں امی تیار ہو گئی تھیں۔

چلو اب جلدی چلو واپس بھی آنا ہے کہیں تمہارے ابا آ گئے ناں تو خیر نہیں ہے ہماری۔

فریحہ کو لے کر وہ دونوں عزرم کی دکان پر موجود تھیں عزرم تو جیسے انتظار میں ہی بیٹھا تھا پرگل کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی عزرم نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا فریحہ سے بولا۔

بھئی کافی دن بعد آئی ہیں آپ کیا بات ہے

فریحہ بولی پرسوں تو آئے تھے لگتا ہے بھول گئے ہیں عزرم بھائی یا کوئی اور بات ہے۔

عزرم نے آنکھیں چرا لیں پہلے چائے پھر کوئی اور بات اور اس نے ملازم کے ہاتھ جلدی سے چائے منگوائی پھر وہ سب لوگ خوشگوار ماحول مین چائے پینے لگے۔

پرگل کی امی نے عزرم سے کہا۔ بیٹا ہمیں

تھوڑی جلدی ہے آپ کپڑا دکھائیں۔
جی آنٹی ابھی لیں۔
عرزم نے کپڑا نکال کر دیا امی نے دو قمیضوں کا کپڑا لیا عرزم نے اس ہی قیمت میں ریٹ لگایا جس قیمت میں پہلے پرگل فریحہ کے ساتھ لے گئی تھی پھر وہ جانے کے لیے اٹھنے لگے تو عرزم نے فریحہ سے کہا۔
بھئی آج بہت جلدی ہے آپ کو۔
ہاں جی کام بہت زیادہ ہے اس لیے۔
اچھا اپنا فون نمبر تو دیتی جائیں۔
لیکن جناب ان کے پاس موبائل ہی نہیں ہے۔فریحہ نے بتایا۔
اچھا پھر اپنا نمبر دیتی جائیں اور ہیلپ بھی کر دیا کرنا ہماری تھوڑی سی۔
اچھا جی جو حکم آپ کا فریحہ بولی۔
پھر فریحہ نے اپنا نمبر دے دیا۔ چار پانچ دن کے بعد عرزم نے فریحہ کو کال ملائی سلام دعا کے بعد عرزم نے کہا۔
اس کی بات کروا دے پرگل سے۔
تھوڑا مشکل ہے لیکن میں کوشش کرتی ہوں میں اس سے رابطہ کرتی ہوں اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور کچھ دیر بعد پھر کال کی تو اس نے گل کی بات کروا دی۔ گل کی آواز سنتے ہی عرزم نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا جس کا جواب پرگل نے بھی ہاں میں دیا یہ سن کر عرزم جیسے پاگل ہو گیا تھا خوشی سے کافی باتیں کی پھر کال بند ہو گئی پرگل تو خود کو دنیا کی خوش نصیب لڑکی سمجھ رہی تھی ایک دن جب پرگل کالج چھٹی کے بعد گیٹ سے نکل رہی تھی تو گیٹ سے کچھ دور عرزم کھڑا نظر آیا وہ ڈر کے مارے ادھر ادھر دیکھنے لگی اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جب رش کچھ کم ہوا تو وہ ہمت کر کے عرزم کے پاس پہنچ گئی اور بولی۔
تم یہاں کیوں آئے ہو اگر کوئی کسی نے دیکھ لیا تو پتہ نہیں کیا ہو گا پلیز تم چلے جاؤ۔
عرزم بولا تم ڈرو مت جلدی سے بائیک پر بیٹھ جاؤ۔۔۔ بہت اصرار کے بعد وہ جلدی سے بائیک پر بیٹھ گئی عرزم نے بائیک ایک پارک میں روکی پارک میں زیادہ رش نہیں تھا وہ دونوں پارک میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے پرگل کی ڈر سے جان نکلی جا رہی تھی۔
ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں تسلی رکھو عرزم نے اس کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ ایسے کبھی گھر سے نکلی بھی تو نہیں تھی نہ عرزم سموسے اور بوتلیں لے آیا دونوں کھانے لگے پرگل شرم سے سمٹی جا رہی تھی عرزم نے پرگل کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور بولا۔
تم میری پہلی اور آخری محبت ہو اور مجھ سے شرما رہی ہو پرگل بولی۔
میں نے کبھی کسی لڑکے سے بات نہیں کی آج پہلی بار تم سے بات کر رہی ہوں اور تم نے میرا ہاتھ چھوا ہے۔
یہ باتیں سن کر عرزم بہت خوش ہوا کہ جس سے محبت کی ہے وہ ایک پاک دامن لڑکی ہے باتیں کرتے کرتے نجانے کتنا ٹائم گزر گیا پتہ ہی نہیں چلا بہت سی قسمیں اور بہت سے وعدے کئے دونوں نے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی عرزم کے ساتھ پرگل کو بہت اچھا لگ رہا تھا جی چاہتا تھا یہ پل یہیں رک جائیں پرگل ایک دم کھڑی ہو گئی۔
پلیز بہت دیر ہو گئی ہے ابا آ جائیں گے اور

مجھے نہ دیکھ کر پتہ نہیں کیا کر دیں۔
عرزم نے اسے اتنا خوفزدہ دیکھ کر بائیک اسٹارٹ کی اور اس کے گھر سے کچھ دور چھوڑ دیا وہ جلدی جلدی گھر پہنچ گئی۔
امی نے دیکھتے ہی پوچھا کہاں رہ گئی تھی آج اتنی دیر پتہ ہے ناں تمہارے باپ کا شکر کرو ابھی تک وہ آئے نہیں ہیں گھر۔
امی آج کالج میں کچھ دیر ہوگئی ہے پڑھائی زیادہ تھی اس لیے پرگل بولی۔
بیٹا بس خیال کیا کرو جلدی گھر آجایا کرو۔ کتنی مشکل سے اجازت دی انہوں نے تمہیں پڑھنے کی۔
جی امی آئندہ خیال کیا کروں گی
ان کے آتے ہی گھر میں کہرام مچ جاتا تھا چھوٹی چھوٹی باتوں سے امی کو ڈانٹنا ہمیں تینوں بہنوں کو اپنے اپنے کمرے میں سہم کر بیٹھ جاتی تھیں جب ابا گھر سے چلے جاتے تو کوئی سکون کا سانس لے پاتا عرزم اور پرگل کی محبت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اب وہ روز ملنے لگے تھے جس کی وجہ سے پرگل اکثر لیٹ ہو جاتی تھی کالج سے ایک دن ابا جان گھر جلدی آگئے تھے جب انہیں پرگل کہیں دکھائی نہ دی تو زور زور سے بولنے لگے۔
کہاں ہے پرگل۔
امی خوفزدہ ہوگئی کہ پتہ نہیں اب کیا ہوگا وہ ابھی تک کالج سے نہیں آجکل اس کی پڑھائی زیادہ ہو رہی ہے اس لیے تھوڑی دیر ہو جاتی ہے اسے امی نے بات بنائی۔
ایسی کون سی پڑھائی ہے جو اتنی لیٹ ہو رہی ہے۔ وہ ان کا غصہ عروج پر تھا۔ وہ غصہ میں گھر سے باہر نکل گئے کہ اچانک ان نے پرگل کو عرزم کو بائیک سے اترتے ہوئے دیکھ لیا بس پھر کیا تھا گھر میں داخل ہوتے ہی ابا نے پرگل کو مارنا شروع کر دیا۔
کم ذات کون تھا وہ کمینہ جس کے ساتھ گل چھرے اڑا کر آ رہی ہو۔ بتا یہی پڑھنے گئی تھی بے غیرت بول کون تھا وہ۔
آج پتہ نہیں کیا ہونے والا تھا پرگل کو مار مار کر اس کے باپ نے آدھ موا کر دیا تھا۔
ابا میں اس سے پیار کرتی ہوں اور اسی سے شادی کروں گی۔ پرگل نے ہمت کی اور وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس کے دل میں تھا۔
تیری اتنی ہمت ہوگئی کہ تو میرے آگے بولنے لگی ہے اور اپنے لیے لڑکا خود پسند کرنے لگی ہے۔ یہ کہہ کر ابا نے اسے پھر سے مارنا شروع کر دیا۔ آج سے تیرا کالج جانا بند گھر سے نکلنا بھی بند سمجھی پھر امی سے بولی اگر یہ گھر سے باہر نکلی قدم باہر بھی رکھا تو سمجھ لینا تمہاری خیر نہیں ہے میں اس کا انتظام کرتا ہوں۔
جلدی یہ کہہ کر وہ گھر سے باہر نکل گئے اماں نے آگے بڑھ کر پرگل کو اٹھایا اور کمرے میں لے آئی اور بولی۔
یہ تو نے کیا کیا تجھے پتہ ہے تیرے باپ کا پہلے ہی کیا جینا کم حرام تھا جو اب تیری وجہ سے اور ہوگیا پرگل نے روتے ہوئے اپنا چہرہ اوپر کیا اور بولی۔
کیوں امی کیا ہم ساری زندگی یوں ہی ڈر ڈر کے اور ماریں کھا کھا کر کاٹ لیں گے ہماری زندگی پر کوئی حق نہیں کیا ہم اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتے بچپن سے لے کر آج تک ہم نے ابا کا یہی رویہ دیکھا ہے کبھی انہوں نے ہم بہنوں

کے سر پر پیار سے ہاتھ نہیں رکھا کبھی ہماری کوئی خواہش پوری نہیں کی اور کبھی ہم نے ابا کو آپ کے ساتھ پیار سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا امی آخر ہم سب انسان ہیں پتھر تو نہیں۔

ہاں بیٹا ہمارا خود پر کوئی حق نہیں ہے۔ امی روتے ہوئے پرگل کو گلے لگا کر بولی۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے آج سے بیس سال پہلے کا منظر گھوم گیا۔ جب اس نے بھی اپنی مرضی سے اپنا حق حاصل کیا تھا اور جب سے آج تک بس پچھتا رہی تھی پرگل کا کالج جانا بند ہو گیا تھا ادھر عزم روز بائیک پر اس کا ویٹ کرتا لیکن نہیں آتی پریشان ہو کر اس نے فریحہ کے موبائل پر کال کی تو اس نے ساری بات عزم کو بتادی۔ اور یہ بھی کہ اب پرگل کالج بھی نہیں جاتی یہ سن کر اسے بہت تکلیف ہوئی پھر اس نے فریحہ سے کہا۔

تم میرا ایک کام کرو گی تمہارا مجھ پر بہت احسان ہوگا۔

فریحہ بولی ہاں بتاؤ پلیز اس میں احسان کیسا میری ایک بار پلیز پرگل سے بات کروا دو عزم نے کہا۔

یہ بہت ہی مشکل کام ہے لیکن میں کوشش کروں گی جیسے ہی موقعہ ملتا ہے تمہاری بات کرواؤں گی۔

بہت بہت شکریہ لیکن یہ بہت ضروری کرنا ہے پلیز عزم بولا۔

ٹھیک ہے فریحہ نے کہا او کے بائے۔

فریحہ موقع دیکھ کر پرگل کے گھر گئی فریحہ کو دیکھ کر پرگل اس سے لپٹ کر رونے لگی فریحہ نے پرگل کو حوصلہ دیا اور عزم کے بارے میں بتایا کہا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔

پرگل خود بھی بے تاب تھی عزم سے بات کرنے کو جیسے ہی کمرے میں تنہائی ہوئی فریحہ نے فوراً عزم کو کال ملائی اور پرگل کو فون پکڑا دیا اور کہا جلدی جلدی بات کرو میں دیکھتی ہوں کہ کہیں کمرے میں کوئی آ نہ جائے۔ پرگل عزم سے بات کر کے رونے لگی۔

پلیز عزم میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی مجھے یہاں سے لے جاؤ ابا کو سب معلوم ہو گیا ہے مجھ پر بہت پابندیاں لگ چکی ہیں۔

میری جان تم پریشان نہ ہو انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ عزم پرگل کو حوصلہ دے رہا تھا حقیقت میں اس کا اپنا دل بھی بہت دکھ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح گل کو اپنے پاس جلد از جلد لے آئے محبت بھی ہمت تھی اسے گل سے۔ گل نے کہا۔

تم اپنے والدین کو رشتے کے لیے بھیج دو میرے ابا میری شادی جلدی کرنا چاہتے ہیں۔

عزم بولا تم فکر نہ کرو میں ابو سے بات کرتا ہوں جلد ہی آئیں گے تمہارے گھر تم ٹینشن نہ لو ہمیں کوئی بھی جدا نہیں کرسکتا ہے چاہے جو بھی ہو جائے۔

پندرہ منٹ بات کرنے کے بعد کال ڈراپ ہوگئی آج عزم سے بات کر کے پرگل کو اطمینان ہو گیا تھا دل پر پہلے جیسا بوجھ نہیں تھا اب وہ اسی انتظار میں تھی کہ کب عزم کے گھر والے آئیں اور رشتہ طے ہو جائے۔

ابو میں نے آپ سے بات کرنی ہے

ہاں بولو بیٹا۔ کیا بات ہے۔

وہ ابو میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ عزم نے

جھجکتے ہوئے کہا۔ ابو ہنس پڑے اور بولے۔
یہ تو اچھی بات ہے اب تم ویسے بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے ہو ہم بھی یہی سوچ رہے تھے کہ اب تمہاری شادی کر دی جائے تمہارے لیے اب رشتہ تلاش کرتے ہیں۔
ابو میں نے لڑکی پسند کر لی ہے۔
کیا مطلب۔
ابو اس کی بات سن کر حیران رہ گئے اور عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر عرزم نے پوری بات تفصیل سے بتا دی ابو خاموش رہے عرزم بولا کیا بات ہے آپ رضامند نہیں ہیں ابو۔
بیٹا پہلے میں گھر والوں سے مشورہ کر لوں
ٹھیک ہے ابو لیکن میری خوشی اسی میں ہے کہ میں کہیں اور شادی نہیں کروں گا۔
ابو خاموش ہو گئے عرزم بھی خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہے رات کو ابو نے امی سے بات کی تو وہ کہنے لگی۔
آپ ٹھیک تو ہیں ہم بھلا غیروں میں کیسے رشتہ کر سکتے ہیں برادری والے تھو تھو کریں گے
ہاں تم ٹھیک کہتی ہو اولاد کی خوشی میں ہارنا پڑتا ہے اور سچ بات تو یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا کل اپنی مرضی کرے اس لیے ہمیں اس کی خوشی پوری کرنا چاہیے۔ آخر کسی طرح گھر والے راضی ہو گئے۔

ادھر پرگل دعائیں مانگ رہی تھی کہ کب عرزم گھر والوں کو رشتے کے لیے بھیج دے کیونکہ اس کے ابا پرگل کا رشتہ تلاش کر رہے تھے۔ ادھر عرزم نے اپنے والدین کو راضی کر لیا تھا اس لیے وہ پرگل کے گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے عرزم نے اپنے والد کو ان کے گھر کا نمبر دیا اور کال پر پرگل کو اطلاع دے دی تھی جسے سن کر وہ بہت خوش ہو رہی تھی پرگل نے اپنی امی کو بتا دیا تھا۔
امی عرزم کے والدین سے رشتہ کے لیے آ رہے ہیں۔
اچھا ٹھیک ہے آنے دو آگے تمہاری قسمت کہ تمہارا اباپ کیا فیصلہ کرتا ہے امی نے جواب دیا
لیکن امی میں صرف اور صرف عرزم سے شادی کروں گی بس ورنہ کچھ کھا کر مر جاؤں گی امی خاموش ہو گئی۔
اگلے دن عرزم کے والدین تیار کھڑے تھے جانے کے لیے عرزم بولا۔
ابو پوری کوشش کیجیے گا۔
بیٹا تمہارے کہنے پر ہم جا رہے ہیں کیونکہ ہمیں اپنی اولاد کی خوشی عزیز ہے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔۔۔۔ جب وہ لوگ پرگل کے گھر پہنچے تو دروازہ اس کے ابا نے کھولا اور پوچھا۔
جی کس سے ملنا ہے۔
آپ سے ہی ملنا ہے۔
جی آئیں بیٹھیں پھر بات کرتے ہیں۔
وہ اندر چلے گئے بیٹھنے کے بعد اپنے بارے میں بتانے لگے پھر اصل موضوع کی طرف آ گئے اور بولے۔
دراصل بھائی صاحب ہم آپ کی بیٹی کے رشتے کے لیے آئے ہیں۔
اتنی ہی بات ہوئی تھی کہ پرگل کی امی چائے لے کر اندر داخل ہوئی وہ ایک دم کھڑے ہوئے۔
تم تم یہاں۔
ادھر پرگل کی امی سے چائے کی ڈش زمین پر گر گئی۔۔ سکتے کی حالت میں ان کو دیکھ رہی تھی

آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ اپنی بیوی کو دیکھ کر بولے۔

چلو یہاں سے میں ایک منٹ یہاں نہیں رکنا چاہتا یہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور چلے گئے پیچھے پرگل کی امی آوازیں دیتی رہ گئی۔

عرزم اپنی امی ابو کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا۔ آپ لوگ اتنی جلدی کیسے آ گئے۔ باپ نے ایک زوردار تھپڑ ان کے منہ پر مارا اور کمرے میں چلے گئے کوئی بات بھی نہیں کی۔

امی آپ بتا ئیں کیا ہوا ہے۔

امی بولی۔ پہلے کیا ہم کم ذلیل تھے جو تم اور کروانا چاہتے ہو آج تمہاری وجہ سے تمہارے ابو کے زخم تازہ ہو گئے ہیں۔

بتائیں تو سہی آخر بات کیا ہے۔ کیا ان لوگوں نے بدتمیزی کی ہے۔

آج سے بیس سال پہلے جو کلنک ہمارے منہ پر لگا تھا کیا اس سے بڑی بے عزتی ہو گی کوئی تم جانتے ہو جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو وہ کون ہے اور کس کی بیٹی ہے۔

پلیز امی جان کھل کر بتائیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔

آج سے بیس سال پہلے تمہاری شبانہ جو ہمارے منہ پر کالک مل کر گئی تھی جس نے ہماری عزت کی پرواہ کیئے بنا اپنے دل کی مرضی کی تھی گل اسی تمہاری پھوپھو کی بیٹی ہے۔

یہ الفاظ سن کر جیسے عرزم پر بجلی بن کر گرے اس سے زیادہ وہ کچھ نہ سن سکا اور گھر سے نکل گیا۔ آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے جاری تھے وہ کیسے بھول سکتا تھا جس پھوپھو کی وجہ سے ان کا سر آج بھی شرم سے جھک جاتا تھا وہ کیسے بھول سکتا تھا اس پھوپھو کو لیکن ان سب میں ہم دونوں کا کیا قصور پھر عرزم نے سوچا کہ پرگل سے بات کروں گا پتہ نہیں اس کا کیا حال ہو گا رات گئے وہ گھر داخل ہوا امی ابو جاگ رہے تھے ان کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ان کے دل پر کیا گزر رہی ہے عرزم کو بہت دکھ محسوس ہوا کہ اس کی وجہ سے پاپا کی یہ حالت ہے وہ ابو کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور بولا۔

پاپا مجھے معاف کر دیں میری وجہ سے آپ کو یہ سب دیکھنا پڑ رہا ہے اور اتنی تکلیف میں ہیں لیکن پاپا ان سب میں میرا اور پرگل کا کیا قصور ہے یہ سن کر پاپا غصہ سے بولے۔

آج کے بعد اس گھر میں نہ ان لوگوں کا ذکر ہو گا نہ اس موضوع پر کوئی بات سمجھے یہ بھول جاؤ کہ تمہاری شادی اس لڑکی سے ہو گی اس کا خیال دل سے نکال دو اگر نہیں نکال سکتے تو سمجھنا تمہارے ماں باپ تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے مر گئے ہیں فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے سوچ لو سمجھ لو

پلیز پاپا ایسی باتیں تو نہ کریں کہ آپ کی وجہ سے ہی میرا سب کچھ ہے جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہو گا۔

یہ حقیقت تھی کہ عرزم پرگل کو دل و جان سے چاہتا تھا لیکن اسے اپنے والدین بھی بہت عزیز تھے۔

عرزم کا برا حال تھا اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ نہ کھانے پینے کو دل چاہتا تھا بس چپ چاپ اپنے کام میں لگا رہتا ابو اسے ایسے حال میں دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے اور

سوچتے رہتے تھے کہ کاش پرگل شبانہ کی بیٹی نہ ہوتی تو میں خود کو بیچ کر بھی اپنے بیٹے کی خوشی پوری کر دیتا لیکن قسمت کو یہی منظور تھا۔

ایک دن عرزم کام میں مصروف تھا کہ اچانک موبائل کی بیل بجنے لگی عرزم نے کال اٹھائی تو فریحہ تھی۔

عرزم بھائی کیا حال ہے آپ کا۔

بس ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسی ہو۔

جی میں بھی ٹھیک ہوں۔عرزم بھائی میں نے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے فریحہ بولی

ہاں ہاں کہو۔

عرزم بھائی پرگل کا بہت برا حال ہے پلیز کچھ کریں۔

میری گل سے بات کروا سکتی ہیں کیا

ہاں ہاں کیوں نہیں ایک منٹ ٹھہریں فریحہ نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر میں پرگل فون پر تھی جیسے ہی اس نے عرزم کی آواز سنی تو رونے لگی۔

عرزم نے کہا پلیز جان رونا چھوڑو مجھ سے بات کرو تم سے بات کرنے کو میں کتنا بے تاب تھا کیسی ہو تم۔

کیسی ہو سکتی ہوں تمہارے بغیر وہ بھی کسی اور کے ساتھ میں سوچ بھی نہیں سکتی میں کھا کے زہر مر جاؤں گی لیکن تمہارے علاوہ کسی اور کے ساتھ میں سوچ بھی نہیں پلیز مجھے لے جاؤ یہاں سے میری زندگی تم ہی تو ایک خوشی ہو اور وہ اگر مجھے نہ ملی تو مر جاؤں گی۔

میری جان ایسا نہ کہو میں بھی تو نہیں رہ سکتا ہوں تمہارے بغیر دل و جان سے میں نے تمہیں چاہا ہے میں خود بھی بہت پریشان ہوں عرزم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔قسمت نے بھی ہمارے ساتھ عجیب کھیل کھیلا ہے مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہاری امی میری وہ پھوپھو ہیں جنہوں نے بیس سال پہلے بھاگ کر شادی کی تھی اپنی مرضی سے اور ابو ابھی تک وہ بات بھول نہیں سکے

لیکن عرزم اس میں ہمارا کیا قصور ہے

ہاں یار پھوپھو اس طرح ملیں گی مجھے یقین نہیں آ رہا سوچ سوچ کر میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ وہ دکھ سے بولا۔

لیکن عرزم میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی ایسا کرتے ہیں ہم دونوں کورٹ میرج کر لیتے ہیں پرگل بولی۔

تم پریشان نہ ہو۔اور بڑوں کی مرضی کے خلاف ہم ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے جن میں ان کی دعائیں شامل نہ ہوں شادی ہو گی تو بڑوں کی مرضی سے عرزم نے کہا۔

لیکن اگر وہ نہ مانے تو میں مر جاؤں گی نہیں رہ سکتی میں تمہارے بغیر۔میری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

عرزم کا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا والدین سے بغاوت نہیں کرنا چاہتا تھا اور پرگل کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

ادھر گل کا باپ نے اس کے لیے رشتہ تلاش کر لیا تھا گل پہ تو جیسے غموں کا پہاڑ ٹوٹ گیا تھا جیسے تیسے کر کے فریحہ کو بلایا اور اس سے کہنے لگی۔

فریحہ پلیز میری ایک بار عرزم سے بات کروا دو فریحہ جو اس کی ہمراز تھی جلدی سے عرزم کو کال کرنے لگی کال ملتے ہی فون پرگل کو دے دیا خود نگرانی کرنے لگی۔

پلیز عرزم مجھے یہاں سے لے جاؤ میں تمہارے علاوہ کسی اور سے ہرگز شادی نہیں کروں گی ابا نے میری شادی طے کردی ہے دس دن تک وہ میری شادی کررہے ہیں۔

عرزم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ بولا تم فکر نہ کرو میں پاپا سے بات کرتا ہوں میری جان میں بھی تم سے بچھڑ کر جی نہیں پاؤں گا۔

عرزم کافی دیر تک پرگل کو حوصلہ دیتا رہا۔ پھر کال بند ہوگئی عرزم نے اپنے پاپا سے بات کی پاپا جو ہونا تھا وہ ہوگیا پرانی باتوں کو بھول جائیں اور پرگل کو اپنی بہو تسلیم کرلیں۔

میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا ناں کہ اس لڑکی کا خیال دل سے نکال دو اس کی ماں کی وجہ سے آج تک میری آنکھیں جھک جاتی ہیں سب تھو تھو کرتے ہیں آج میں اس کی بیٹی کو بہو بنا کر لے آؤں لوگ کیا کہیں گے کل جس سے نفرت تھی آج وہ نفرت پیار میں بدل گئی ہے

عرزم کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے عرزم نے پرگل کو بتایا کہا۔ پاپا نہیں مان رہے ہیں ٹھیک ہے ہم پھر کورٹ میرج کرلیتے ہیں گل نے کہا۔

لیکن میں ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا ایک دن عرزم اپنے کام میں مصروف تھا کہ اچانک فریحہ کی کال آگئی وہ بولی۔

عرزم آپ پچھلی گلی میں آجائیں

عرزم سب چھوڑ کر وہاں پہنچ گیا جہاں پرگل اور فریحہ کھڑی تھیں پھر فریحہ نے بتایا۔

پرگل گھر سے بھاگ آئی ہے اب تم دونوں شادی کرلو

عرزم سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پرگل اتنا بڑا قدم بھی اٹھا سکتی ہے اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے اچانک اس نے پرگل کا ہاتھ تھاما اور چل پڑا وہ پوچھتی رہی۔

کہاں لے جارہے ہو۔

لیکن وہ خاموش رہا وہ اسے لے کر اس کے گھر پہنچ گیا پرگل کا ہاتھ اس نے اپنی پھوپھو کے ہاتھ میں پکڑا کر کہا۔

لو پھوپھو میں نہیں چاہتا کہ کل جو غلطی آپ نے کی جس کی سزا ہم آج بھی بھگت رہے ہیں وہ آپ کی بیٹی نہ کرے اور مجھے ایسی بیوی نہیں چاہیے جو گھر سے بھاگی ہوئی ہو اور پرگل تم نے غلط سمجھا تھا کہ میں تم سے بھاگ کر شادی کروں گا ہرگز نہیں جو باتیں ہم پھوپھو کی وجہ سے سنتے ہیں اپنی بیوی کے خلاف ہرگز نہیں سن سکوں گا۔

یہ کہہ کر عرزم اس کے گھر سے نکل آیا پرگل حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتی رہی اور اس کے آواز بھی نہ دے سکی ابھی اس بات کو تین چار دن ہی گزرے تھے کہ ایک دن فریحہ کا فون آیا وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی عرزم نے کہا۔

کیا بات ہے اتنی پریشان کیوں ہو۔

فریحہ بولی پرگل نے خودکشی کرلی ہے

یہ کہہ کر وہ رونے لگی عرزم کے ہاتھ سے موبائل گر گیا وہ بے ہوش ہوگیا بڑی مشکل سے اسے سنبھالا لیکن وہ سنبھل نہ سکا بے ہوش ہوگیا اور کئی دن تک وہ ہسپتال میں رہا۔

بعض دفعہ عرزم پاگلوں سی حرکتیں کرتا تھا قبرستان جا کر گھنٹوں پرگل کی قبر پر بیٹھ کر روتا تھا لیکن اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت ۔کاش میں مان جاتا تو آج اتنا کچھ نہ ہوتا لیکن ۔کاش اے کاش۔

کاغذ کے رشتے

---تحریر۔راشد لطیف۔صبرے والا۔ملتان---

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
آج پھر ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں یہ کہانی کسی انجان شخص کی نہیں ہے بلکہ جواب عرض کے ہی ایک رائٹر شاہد رفیق سہو کی کہانی ہے میں نے اس کہانی کا عنوان کاغذ کے رشتے رکھا ہے میں اس رائٹر کی کہانی کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے اور میرے اس دوست کو مشورہ دینا ہے کہ وہ کیا کرے۔کیونکہ اس کہانی کے دوران اس کا ایسا دل ٹوٹا تھا کہ جو آج تک جڑ نہیں سکا ہے۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہو گی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہو گا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

سردیوں کی سرد رات تھی میں کبھی کروٹ ادھر بدلتا تو کبھی ادھر نیند تو مجھ سے کوسوں دور تھی درد کے مارے انسانوں کو نیند کیسے آ سکتی ہے مجھے میرے زخم تکلیف دے رہے تھے کچھ اپنوں کی بے رخی کی باتیں اور کچھ غیروں کی باتیں بہت یاد آ رہی تھیں اور میری آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے میں خوب اپنے ہی درد کے مزے لے رہا تھا میں۔
اس وقت اپنی سوچوں میں گم تھا کیا کا تب تقدیر میری ہی قسمت میں یہ سب درد ر لکھنے تھے میں تو اپنے نصیبوں کا رونا اس وقت رو رہا تھا مجھے کیا پتہ تھا کہ کوئی اور بھی میری طرح اپنے درد کا رونا رو رہا تھا رات کے ایک بجے اچانک میرے موبائل پر کال ہوئی میں نے کال او کے کی۔
جی شاہد بھائی اس وقت خیر تو ہے کیسے یاد کر لیا۔میں نے کال او کے کرتے ہی کہا۔
شاید میرے درد مجھے سونے نہیں دیتے میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں اپنے درد آپ کو سناؤں اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کروں اور آپ میرے ان سب دردوں کو لکھیں تا کہ جو میرا درد نہیں محسوس کر سکتے وہ میری اس کہانی کو پڑھ کر کچھ تو احساس کریں اگر میری سٹوری کو پڑھنے سے میرے کسی بھی دوست کو میرا احساس ہوا ہے میں یہ سمجھوں کا کہ میرا اس سٹوری کو لکھوانے کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔
قارئین کرام آپ کو بتا تا چلوں کہ میرا یہ دوست شاہد رفیق کوئی اور نہ تھا یہ جواب عرض کا رائٹر شاہد رفیق سہو آف خانیوال تھا۔جو اس نے مجھے اپنے درد سنائے میں آپ کی نظر کر رہا ہوں وہ دن میں کبھی نہیں بھولوں گا اپنی زندگی کا میری ہنستی بستی زندگی میں غموں کی بوچھاڑ لے کر آیا۔ایسی درد کی ہوا چلی میرا سب کچھ ساتھ لے گئی۔



میرے غم میں اس دن بادل بھی زور زور سے گرج رہے تھے آسمان پر بجلی چمک رہی تھی شاید آج آسمان بھی میرے ساتھ رورہا تھا میری آنکھیں بھی مسلسل بارش برس رہی تھیں آج میں اتنا رویا تھا جیسے دوسال کا بچہ رورہا ہو میں بالکل ٹوٹ چکا تھا مجھ سب نے دھوکہ دیا محبت نے بھی اوراپنوں نے بھی دیا کہاں جاؤں کوئی ہمدردنہیں ہے جو مجھ سے وفا کرے میں وہ بدنصیب ہوں جس نے آج تک کوئی خوشی نہیں دیکھی جس نے بھی دیئے دکھ ہی دیئے چاہے وہ اپنا ہے یا غیر کس کو حال دل سناؤں کوئی مسیحا نظرنہیں آتا اب تو بس یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے موت آجائے لیکن وہ بھی میرے پاس نہیں آتی یہ سچ ہے جب کسی کا دل ٹوٹ جائے تو اس کو احساس ہوتا ہے کہ جب دل ٹوٹتے ہیں تو آواز نہیں آتی۔

آج میں آپ کو اپنے سارے دکھ آپ کی نظر کررہا ہوں شاید آپ بھی مجھ بدنصیب جانتے ہوں یانہیں اس بدنصیب کوشاہد رفیق کہتے ہیں وہ دن میں کیسے بھول سکتا ہوں جب میرے والد صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا ہم ان کو ملتان نشتر ہسپتال لے کر گئے ہم ردرو کر اپنے رب سے دعائے مانگ رہے تھے ہمارے ابو کی زندگی سلامت رہے لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا ہمارے ابو کو نہ بچا سکی اور میرے پیارے ابو کی روح پرواز کرگئی ہمارے گاؤں میں کہرام مچ گیا کہ چوہدری رفیق اس دنیا میں نہیں رہے وہی جانتے ہیں جس کے سر سے والد کا سایہ اٹھ جائے ہم ابو کی میت کو لے کر واپس آگئے آہستہ آہستہ گھر میں رشتے دار آنے لگے میری امی کو بے ہوشی کے دوڑے پڑ رہے تھے سب رشتے دار تسلی دے رہے تھے کہ صبر کرو ہم بہن بھائیوں کا بھی رورروکر برا حال تھا میرے ابو کو منوں مٹی کے نیچے دفن کردیا گیا۔

میرے ابو بہت اچھے تھے انہوں نے ہماری خاطر بہت کچھ کیا اور بہت کچھ ہمارے لیے چھوڑ گئے جب بھی ابو کی یاد آتی تو ان کی قبر پر رورو کر بے ہوش ہوجاتے اس کے بعد میرے ابو کی دستار میرے بڑے بھائی پر رکھی گئی اب ہمارے سب کچھ بڑا بھائی ہی تھا وقت اپنی رفتار سے گزرتا چلا گیا میرے بھائی کے دو بچے تھے میری بھابھی بہت ہی اچھی تھی بہن کی شادی ہوگئی تھی وہ اپنے گھر میں خوش تھی اب ہم چار افراد تھے گھر میں میری والدہ ابو کی وفات کے بعد بیمار رہتی تھیں بھائی نے زمین کی دیکھ بھال شروع کردی۔ کیونکہ بھائی کو اپنی زمین کی دیکھ بھال کرنے کا بہت ہی شوق تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں شہر سے میٹرک کلیئر کرکے آیا تھا آگے بھائی نے پڑھائی سے پڑھنے کے لیے منع کردیا اور کہا۔

اب تم میرے ساتھ زمین کی دیکھ بھال کیا کرو۔۔۔ مجبوراً مجھے پڑھائی چھوڑنی پڑی اب ہر وقت بھائی کے ساتھ زمینوں کی دیکھ بھال کرتا میرے ماموں کی زمین بھی ہمارے ساتھ تھی ماموں کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا جب بھی ہماری کپاس کی چنائی ہوتی تو میرے ماموں کی بیٹی پروین چنائی کرواتی وہ مجھے دیکھ دیکھ کر باتیں کرتی اور لڑکیوں سے کہتی۔

میں نے اپنی پھوپھو کے بیٹے سے شادی کرنی ہے۔۔۔ تو وہ لڑکیاں مجھے تنگ کرتی پروین اور میں ایک دوسرے سے بچپن سے پیار کرتے

تھے پروین کی اور میری اکثر ملاقات کھیتوں میں ہی ہوتی تھی اور ہم کو صبح سے شام ہو جاتی تھی پیار و محبت کی باتیں ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھاتے اور شام کو اپنے گھروں کو لوٹ جاتے کبھی کبھی کبھار میں لڑکیوں سے باتیں کرتا تو پروین غصہ ہو جاتی میں ان کے گھر چلا جاتا کیونکہ ان کا گھر ہمارے گھر کے ساتھ ہی تھا پروین اور میں سارا دن باتیں کرتے رہتے ہر جمعہ کو پروین بریانی پکاتی تھی ہم دونوں اکھٹے بیٹھ کر کھاتے تھے ہم پیار میں بہت آگے نکل چکے تھے اب تو رات کو بھی ملتے تھے ہم نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے ہمارے پیار میں آنچ آتی پروین نے میرے دو تین بار نزدیک آنے کی کوشش کی میں نے سختی سے منع کر دیا کہا۔

شادی سے پہلے ہم کوئی غلط کام نہیں کریں گے جو ہماری بدنامی کا سبب بنے۔

پروین کو اگر ایک دن بھی نظر نہ آتا تو گھر میں قیامت آجاتی پروین نے مجھ سے شادی کا کہا کہ اب مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔آپ پھوپھو کو رشتے کے لیے گھر بھیجو۔

میں نے گھر اتی سے بات کی کہ پروین اور میں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں آپ میرے رشتے کی بات ماموں سے کریں۔

امی نے کہا۔۔تیرے بھائی سے بات کرتی ہوں پھر ہم جائیں گے۔

پروین اور میں ہر رات ملتے رہے اب تو مجھے بھی پروین کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا ہم دونوں کی ملاقات نہ ہوتی تو ہم گھر میں کوئی نہ کوئی جھگڑا کر دیتے ہماری محبت کے بارے میں میری مامی کو بھی پتہ تھا اس ؑ نے کسی کو نہ بتایا امی نے بھائی سے بات کی تو بھائی مان گئے اور اماں سے کہا کہ کسی دن چلیں گے ماہ رمضان شروع ہونے والا تھا میں نے پروین کو کہا۔

اب ہم نہیں ملیں گے۔

وہ رونے لگی بولی میں آپ کے بغیر مرجاؤں گی میں آپ کی جدائی میں مرجاؤں گی۔

میں نے بڑی مشکل سے اسے راضی کیا ماہ رمضان کے روزے میں بھی رکھنے لگا پانچ روزے گزرے تھے کہ پروین کو سخت بخار ہو گیا حال تو میرا بھی وہی تھا آخر ہم دونوں نہ رہ سکے دوبارہ ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ستائیس روزے کو میں بازار تیا دو سوٹ کپڑوں کے چوڑیاں اور مہندی پروین کے لیے خریدی پروین نے بھی مجھ سے گفٹ دیا ایک سوٹ اور ایک پرفیوم چاند رات کو ہم نے ایک دوسرے کو گفٹ دئے وہ رات ہم نے ساتھ گزاری عید والے دن عید پڑھی اور سیدھا پروین کے گھر گیا پروین کے گھر والوں کو عید مبارک دی پھر اپنے گھر والوں کو ملا تھوڑی دیر بعد میرے چند دوست آگئے انہوں نے کہا۔

آؤ سیر کرنے چلتے ہیں۔

جب پروین کو پتہ چلا اس نے مجھے سختی سے منع کر دیا۔آج کا دن تم میرے ساتھ گزارو گے مجبورا مجھے دوستوں سے معذرت کرنا پڑی پھر میں پروین کے گھر گیا اس کے کمرے میں گیا وہ تیار ہو کر بیٹھی ہوئی تھی وہ آج تو پری لگ رہی تھی جی چاہتا تھا کہ اس کو اپنی بانہوں میں چھپا لوں پھر اس نے میرے ساتھ اپنا سر میری جھولی میں رکھ دیا اور بہت سی باتیں کرتے رہے ہمیں کچھ نہ پتہ چلا کہ شام ہو گئی مجھ کو بلانے میری بھابھی آئی کہا۔

تمہارا بھائی بلا رہا ہے۔

میں اپنے گھر آ گیا۔۔دوسرے دن امی اور بھائی پروین کے گھر گئے ماموں سے بات کی شاہد اور پروین ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ہم پروین کا رشتہ لینے آئے ہیں۔

ماموں نے کہا۔میں سوچ کر بتاؤں گا۔

امی اور بھائی گھر آ گئے پروین اپنی امی کے ساتھ غصہ ہوئی کہا۔ابو نے کیا سوچنا تھا۔

امی نے کہا وہ تیرے ابو ہیں اور تیرا بھلا ہی سوچیں گے۔

ایک دن مجھے دوست کی شادی میں لاہور جانا پڑا مجھے پتہ تھا کہ اگر میں پروین کو بتا تا تو اس نے مجھے نہیں جانے دینا تھا میں اپنے دوست کی شادی میں لاہور آ گیا پروین کو جب پتہ چلا تو اس نے ابو کو فون سے کال کی اس نے مجھے حکم دیا کہ تم جہاں بھی ہو واپس آ ؤ نہیں تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے اس نے میری ایک نہ سنی اور کال کاٹ دی۔

میں بہت پریشان ہوا کہ یہ تو بہت ضدی لڑکی ہے جو کہتی ہے وہ کرتی ہے صبح میرے دوست کی بارات تھی میں نے اپنے دوست کی منت کی اور معذرت کر کے گھر واپس آ گیا اور سیدھا اس کے گھر گیا پروین مجھ کو دیکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی میں بھی اس کے پیچھے چلا گیا میں نے بات کرنے کی کوشش کی تو وہ غصہ ہوگئی اور بولی۔

چلے جاؤ یہاں سے۔اب کیوں آئے ہو میرے پاس۔

میں نے کہا بڑی نواب ہو میں نے تمہاری خاطر اپنے دوست کو بھی ناراض کر کے آیا ہوں اتنے سفر سے تم بھی موڈ بنا رہی ہو۔

وہ رونے لگی بولی تمہیں پتہ ہے ناں کہ بڑی مشکل سے راضی کیا اور گھر آ گیا۔

پھر میری زندگی میں ایسا طوفان آیا جو آج تک طوفان ہی نظر آتا ہے ہماری زمینوں کو جب پانی لگاتے تو میرا بھائی اور ماموں کا بیٹا لگاتے ایک رات جب بھائی پانی لگا رہا تھا تو بھائی کو نیند آنے اور کھوہ پر آ کر سو گیا میرے ماموں کے بیٹے نے ہمارا پانی چوری کر لیا۔اپنی فصل کو لگا دیا بھائی کی جب آنکھ کھلی تو اس نے آ کے دیکھا تو ہماری فصل میں پانی نہیں تھا ماموں کی فصل میں پانی تھا بھائی ماموں کے بیٹے سے غصہ ہوا کہا۔

تم چور ہوا اور لالچی ہو۔

ان دونوں میں لڑائی شروع ہوگئی ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے بھائی نے اس کی ٹانگ پر فائر کر دیا۔فائر کی آواز سن کر سب لوگ دوڑے آئے ہم بھی جاگ گئے تھے میں بھائی کی طرف بھاگا ادھر ایک آدمی نے ماموں کو آ کر بتایا کہا۔

آپ کے بیٹے کو اظہر نے فائر مار دیا ہے

ماموں بھی طیش میں آ گئے ماموں نے بھی پستول اٹھا لیا۔اور بھاگ پڑا پروین اور اس کی امی بھی اس کے پیچھے بھاگ پڑیں میں نے بھائی سے پستول لیا اور اس کو بھگا دیا جب پروین وہاں پہنچی تو میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر غصہ سے لال پیلی ہوئی۔

شاہد تم نے میرے بھائی کو قتل کرنا چاہا مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی مجھے تم سے نفرت ہے وہ چیختی ہوئی یہ سب کہتی رہی مجھے تم سے نفرت ہے۔

لوگوں نے ہم کو اپنے اپنے گھروں کو بھیج دیا ماموں اور گاؤں کے چند لوگ عادل کو ہسپتال لے گئے میں گھر آ کر سوچنے لگا کہ پروین سمجھ رہی تھی کہ میں نے اس کے بھائی پر فائر کیا ہے ابھی ایک

گھنٹہ گزرا تھا کہ پولیس نے آ کر بھائی کو پکڑا اور اپنے ساتھ لے گئی صبح میں نے چند بزرگوں اور رشتہ داروں کو اکٹھا کیا اور ماموں کے پاس چلے گئے ہم نے ماموں سے بات کی اور معافی مانگی لیکن وہ نہ مانے اور تو اور پروین اور اس کی امی ہماری خوب بے عزتی کی ہم واپس لوٹ آئے میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ بھائی کو کیسے واپس لاؤں دو تین رشتے داروں کو لیے اپنے علاقے کے بڑے کے پاس گئے اس سے بات کی اس نے میرے ماموں سے بات کی اس کو سمجھایا کہ تیری بہن کے بیٹے ہیں بچے تھے لڑائی جھگڑوں میں ایسا ہوتا ہے اب تو آپ کا بیٹا بھی بچ گیا ہے جو خرچہ آئے گا وہ یہ ادا کریں گے۔

میرے ماموں نے دو دن کا ٹائم لیا اور ہم واپس آ گئے۔۔ دوسرے دن ہم پھر وہاں گئے انتظار کرتے رہے شام ہوگئی ماموں نہ آئے اور ہم واپس آ گئے امی اور بھابھی بہت پریشان تھی امی اور بھابھی کو ماموں کے گھر گئی ماموں کی منت سماجت کی مامی کی بھی کی ہمیں معاف کر دیں بچے تھے پروین بیٹی تم تو میری بہو ہو کچھ تو تم بھی ان کو سمجھاؤ تو وہ غصہ سے بولی۔

اپنی زبان سے مت لو اپنی بہو کا نام میں قاتل سے شادی نہیں کروں گی۔

میری ماں نے روتے ہوئے کہا۔ شاہد بے قصور ہے اس کو نہیں پتہ۔

امی اور بھابھی گھر واپس آ گئیں میں نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا ایک تو بھائی کی پریشانی اور پروین کی بے رخی جان لیے جا رہی تھی دوسرے دن صبح تھانے گیا بھائی سے ملا میں پروین کے پیار کو کھونا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ رشتہ آج ختم ہو گیا۔ کیونکہ وہاں یہ طے ہوا کہ ہم اس کو اس وجہ سے چھوڑیں گے کہ یہ ہم سے کبھی بھی رشتہ نہیں رکھیں گے۔۔۔ میں بھائی کو لے کر واپس آ گیا۔ مجھے سکون نہیں مل رہا تھا میں تو جیسے پاگل ہو گیا تھا۔ میں نے ایک رات پستول اٹھایا اور ماموں کے گھر چلا گیا جب میں پروین کے کمرے میں گیا تو وہ سو رہی تھی دوسرے کمرے میں باقی سب سو رہے تھے میں آہستہ سے پروین کو جگایا تو وہ چیخنے لگی بولی۔

تم نکل جاؤ نہیں تو ابو کو اٹھا دوں گی۔

میں نے بہت منت کی روتا رہا اس کے پاؤں پکڑے کہ میں بے قصور ہوں میں نے آپ کے بھائی کو کچھ نہیں کہا لیکن وہ ماننے کو تیار نہ تھی میں بہت روتا رہا میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا لیکن وہ پتھر دل بن چکی تھی مجبورا مجھے گھر آنا پڑا کچھ دنوں بعد میں نے پھر کوشش کی مان جائے گی ایک رات پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر گیا جب اس کے کمرے کے قریب گیا تو اس نے دیکھ کر زور زور چیخنا شروع کر دیا اس کا ابو اور بھائی آ گئے اور مجھے مارنا شروع کر دیا۔ اور پروین کہنے لگی یہ مجھے مارنے آیا تھا ان لوگوں نے مجھے مار مار کر بے ہوش کر دیا افسوس مجھے مار کھانے کا نہیں تھا اس بات کا تھا کہ میری اپنی پروین نے مجھ پر الزام لگایا تھا۔ مجھے یہ امید نہ تھی اپنوں کے ساتھ کوئی اس طرح کرتا ہے جو میرے ساتھ ہوا ماموں نے اور اس کے بیٹے نے مجھے اٹھا کر میرے گھر کے دروازے پر پھینک دیا میرے بھائی نے مجھے اٹھا کر گھر لے گیا صبح سویرے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی کہ شاہد پروین کو قتل کرنے گیا تھا بھائی نے بھی مجھے مارنا شروع کر دیا میری ناک کٹوا دی

کیا لینے گیا تھا تو ان کے گھر میں کیا کرتا سارا سارا دن گھر پڑا رہتا کھانا بھی نہ کھاتا نہ کپڑے تبدیل کرنے کا ہوش تھا جو میرا حال کون پوچھتا صرف ایک ماں ہی تھی جو میرا حال پوچھ رہی تھی بھائی مجھے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا

وفا ہوتی اگر خون کے رشتوں میں
تو یوسف نہ بکتا مصر کے بازاروں میں

میں اپنی ماں سے بہت خوش تھا وہ مجھے سینے سے لگاتی تھی اس وقت مجھے یہ بات یاد آئی تو بہت رویا جب میرے والد نے کہا تھا۔ بھائی سے میرا شاہد بہت لاڈلا ہے اس کا خیال رکھنا اس پر خوش رہنا یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے تو آج ایک ایک بات دل کو کھا رہی تھی۔

ایک دن مجھے کسی نے بتایا کہ پروین شادی کر رہی ہے اپنے چاچا کے بیٹے سے مجھ کو کوئی ہوش نہ رہا۔ جب میں نے پروین کی شادی کا سنا تو۔ جب آنکھ کھلی تو میں ہسپتال میں تھا۔ اور میرے پاس صرف میری ماں تھی اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب تھا دو دن بعد مجھے گھر لے گئے میں نے کوشش کی کہ پروین کو پوچھوں کہ مجھے اتنی بڑی سزا کیوں دی لیکن ناکام رہا اور وہ دن بھی آ گیا وہ کسی اور کی ڈولی میں بیٹھ کر جا رہی تھی مجھے کوئی ہوش نہیں تھا میری ماں نے میرے ہونٹوں پر پانی ڈالا مجھے کوئی ہوش نہ تھا اس نے مجھے ہوش میں لایا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میری ماں بھی رو رو کر بہت بری حالت کر لی تھی اس نے مجھے اپنی ممتا کا واسطہ دیا کہ اپنے آپ کو سنبھالو میں اپنی ماں کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرا بہت ساتھ دیا اور میں یہ قرض نہیں اتار سکتا میری ماں کی محنت اور دعا سے میں آہستہ آہستہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ میری دوائی بھی ماں لینے جاتی تھی کبھی کبھی تو بھائی امی کو میری دوائی کے لیے پیسے بھی نہیں دیتا تھا بھائی کہتا تھا کہ یہ مر جائے لیکن ماں تو ماں ہے وہ کسی رشتے داروں سے پیسے لے کر دوائی لے آتی میرا ایک ایک قطرہ خون کا ماں کا قرض ہے پروین کی شادی کو چھ ماہ ہو چکے تھے کبھی کبھی اس کا سامنا ہو جاتا تو وہ اپنے شوہر سے کہتی یہ ہمارے گاؤں کا پاگل ہے دل کٹ کر رہ جاتا تھا۔

عشق وفا کی قدر آج بھی رہی ہے
فقط مٹ چکے ہیں ٹوٹ کے چاہنے والے

ایک دن میں شہر جا رہا تھا میری ملاقات عمر سے ہو گئی اس کے گلے لگا کر بہت رویا اور سب کچھ اس کو سنایا عمر میرے بھائی کی طرح تھا اس نے مجھے حوصلہ دیا اور مجھے اپنے ساتھ لاہور لے جانے کا کہا۔

میں نے اس کو منع کر دیا یہاں اپنے محبوب کا دیدار ہو جاتا ہے تو عمر مجھ سے پھر سے ناراض ہو گیا اور کہنے لگا۔

اس نے تمہارے ساتھ کیا کچھ کیا اور تیری وفا کا کیا صلہ دیا جو تو آج بھی اس کو اپنا محبوب سمجھتا ہے۔

میں نے کہا۔ بھائی اس سے پیار ہے مجھ اس کی روح سے پیار ہے مجھے

کچھ دیر بعد وہ چلا گیا اور میں اپنے گھر آ گیا

کچھ دنوں بعد میرے ماموں کے گھر پروین اور اس کا شوہر رہنے لگے ان کے گھر کے سامنے ایک پان والی دکان تھی میں اس کو دیکھنے کے لیے وہاں چلا جاتا ایک دن میں وہاں بیٹھا تھا میں مسلسل اس کو دیکھ رہا تھا پروین نے جب مجھے دیکھا تو نیچے

اتر گئی دوسرے دن بھی وہی بیٹھا تو اس کا شوہر اور اس کا بھائی آ گئے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ اور یہ دھمکی دی کہا۔

آج کے بعد پروین اور ہمارے گھر کی طرف دیکھا تو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

جب میرے بھائی کو پتہ چلا تو اس نے مجھے پھر سے مارنا شروع کر دیا۔ میری ماں میرے اوپر آ گری اور روتی رہی اور بھائی کو بھی منع کیا بھائی نے حکم دیا۔

یہ گھر سے نکل جائے اور آج کے بعد شکل نہ دکھائے۔

میں بھی اب تنگ آ گیا تھا۔ میں نے ایک رات عمر سے رابطہ کیا اور لاہور چلا گیا میں نے سنگ دلوں کا شہر ہی چھوڑ دیا ماں کو بھی روتے ہوئے چھوڑ دیا۔ یہاں آ کر بھی بے وفا کو بھول نہ سکا ہر وقت اس کی یاد آتی اپنوں کے ستم یاد آتے اب تو دل بھر گیا تھا دنیا سے۔

مجھے یہاں آئے ہوئے ایک سال گزر گیا تھا میری کسی نے خبر نہ لی عمر کو میں نے قسم دے رکھی تھی کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں کہاں ہوں۔

وہ جب گاؤں جاتا تب کی خبر دیتا پروین کو اللہ نے بیٹا دیا وہ خوش تھی اور شاہد جب میں تیری ماں کے آنسوؤں کو دیکھتا ہوں تو میرا دل موم ہو جاتا ہے وہ روتے ہوئے پوچھتی ہے کہ میرا شاہد کہاں ہے اور دو تین بار تیرے بھائی نے پوچھا ہے کہ شاہد کہاں ہے۔

تو میں بھی رونے لگ جاتا ہوں بے وفا دنیا نے بھی مجھے پتھر دیا تھا جب ایک دن اچانک عمر گیا تو دوسرے دن میری ماں اور بھائی اور عمر آ گئے میری ماں مجھے گلے سے لگا کر روتی رہی اور میں بھی روتا رہا۔ بھائی بھی مجھ سے معافی مانگنے لگا میں نے بھی سب کو معاف کر دیا اور میری ماں کی وفا نے مجبور کر دیا اور ان کے ساتھ گھر آ گیا۔

پروین اور اس کا شوہر امریکہ چلے گئے بھائی اور امی نے بہت مجبور کیا کہ شادی کر لوں لیکن اب شادی کرنے کو دل نہیں کرتا کوئی وفادار ہی نہیں ہے انسان تو سانپ بن چکے ہیں مجھے وفا نظر نہیں آتی۔

یہ تھی قارئین کرام شاہد رفیق کی کہانی کیسی لگی اپنی رائے سے مجھے نوازیے گا۔ مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

غزل

اک مفلسی سی زندگی نبھا رہے ہیں ہم
اب تو تمام چاہتیں ٹھکرا رہے ہیں ہم
خواہش تھی آئے گی جیون میں کوئی خوشی
اس آس پہ یہ جیون بیتا رہے ہیں ہم
غم یوں ملے کہ بت سے میری جان نکل گئی
سوکھے پتوں کی مانند لہرا رہے ہیں ہم
دیکھیں ہیں تیرے شہر میں میلے کی رونقیں
ڈھونڈ کر تنہائی کو گلے لگا رہے ہیں ہم

شعر

آنکھوں میں عکس لے کے اسے ڈھونڈتے رہے
پلکوں کی پرچھائیوں میں کہیں کھو گیا ہے وہ
............کشور کرن چتوکی۔

....

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا
............مقدس کنگن پور

ایک محبت ایک مذاق

۔۔تحریر۔شاہد رفیق سہو۔کبیر والا۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
جی آپ کے نمبر سے دوبارہ مس کال آئی ہے میں نے اس سے دوبارہ جھوٹ بولا میری بات پر اس کے لہجے سے پریشانی جھلکنے لگی میں نے تو کال ہی نہیں کی پھر آپ کے پاس مس کال کیسے آجاتی ہے آپ نے میرے نمبر پر کال کی ہے میں نے اپنے جھوٹ پر اصرار کیا تو وہ اور بھی پریشان ہوگئی کیا نمبر ہے آپ کا اس نے پریشانی سے پوچھا میں نے اسے اپنا نمبر دیا اس نے سوری کی اور کال آف کردی۔۔میں نے اس کہانی کا نام۔ایک محبت ایک مذاق۔رکھا ہے
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کردیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

2013 میں کیسے بھول سکتا ہوں جب میں نے اپنے کزن سے شرط لگائی تھی کہ وہ شرط پیسوں کی نہیں تھی بلکہ شرط ایک لڑکی سے بات کرنے کی تھی اس رات ہم چار پانچ کزن بیٹھے ہوئے تھے خوش گپیاں لگا رہے تھے کہ ذکر گرل فرینڈ کا تھا ایک نے کہا۔

میری اتنی دوست ہیں دوسرے نے کہا کہ میری تم سے بھی زیادہ ہیں اتنے میں میرے کزن نے مجھ سے کہا۔

میں تمہیں ایک نمبر دیتا ہوں اگر تم نے اس لڑکی کو اپنی دوست بنالیا تو جو تم کہو گے میں ایسا ہی میں کروں گا۔

میں نے چیلنج قبول کرلیا ان دونوں میں سے ایک گھر بطور ملازم کام کرتا تھا۔صاحب لوگ اسلام آباد گئے ہوئے تھے اگلے دن میں نے اس نمبر پر صاحب لوگوں کے پی ٹی سی ایل سے فون کیا کئی بیلز کے بعد ایک لڑکی نے فون اٹھایا۔

ہیلو۔آواز دلکش تھی۔

ہیلو جی آپ کے نمبر سے مجھے مل کال آئی تھی میں نے کہا۔

جی آپ کون ہیں اس نے کہا۔میں نے تو آپ کو کال نہیں کی کتنے بجے آئی تھی کال۔

رات کے آٹھ بجے۔

لیکن میں نے تو کوئی کال نہیں کی پھر بھی میں سوری کرتی ہوں۔۔اسی رات میں نے اسے دوبارہ فون کیا۔

جی آپ کے نمبر سے دوبارہ مل کال آئی ہے میں نے اس سے دوبارہ جھوٹ بولا میری بات پر اس کے لہجے سے پریشانی جھلکنے لگی۔

میں نے تو کال ہی نہیں کی پھر آپ کے پاس مس کال کیسے آجاتی ہے۔

آپ نے میرے نمبر پر کال کی ہے۔



میں نے اپنے جھوٹ پر اصرار کیا تو وہ اور بھی پریشان ہوگئی
کیا نمبر ہے آپ کا اس نے پریشانی سے پوچھا میں نے اسے اپنا نمبر دیا اس نے سوری کی اور کال آف کر دی۔ اگلے دن مجھے اس کے نمبر سے میسج ملا۔
آج تو نہیں آئی آپ کو مس کال۔
میں نے فوراً گھر کے نمبر سے کال کی صاحب لوگوں کے گھر کے نمبر سے اس لیے کال کرتا تھا کیونکہ اس وقت موبائل کال کے ریٹ بہت زیادہ تھے اس نے فون اٹھاتے ہی کہا۔
سوری جی اگر آج میرے نمبر سے آپ کو مس کال آئی ہو آپ میری باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔
نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔
وہ کھلکھلا کر ہنسی اس طرح ہم دونوں میں دوستی ہوگئی۔ بہت عرصہ تک میں صاحب لوگوں کے گھر کے نمبر سے فون کرتا رہا جب مہینے کے بعد بل آیا تو اس میں اسٹیٹمنٹ پیپر پھاڑ دیتا تھا کہ کہیں میں پکڑا نہ جاؤں کیونکہ بل آفس جاتے تھے جیسے جیسے دن گزرتے گئے ہماری دوستی گہری ہوتی چلی گئی اور میں نے اسے جھوٹ بتایا کہ ا
میں اپنی سسٹر کے گھر رہتا ہوں وہ کسی انگلش اسکول میں پڑھاتی ہیں اور ڈیفنس میں رہتی ہیں بہر حال ہم میں دوستی ہوگئی تھی لیکن اس نے شروع میں مجھ سے کہہ دیا تھا۔
ہماری دوستی دوستی تک ہی رہے گی کبھی اس اس سے آگے نہیں جائیں گے کبھی تم ملنے کی ضد نہیں کرو گے پیار وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑیں گے۔۔ میں اس کی ہر بات پہ حامی بھرتا رہا کیونکہ مجھے صرف شرط جیتنا تھی ہماری دوستی ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ گہری ہوتی گئی اور میں روز اپنے کزن کو اس کے میسجز دیکھاتا رہتا اسی دوران میرے صاحب اسلام آباد سے آگئے تو پھر بھی ہماری بات چلتی رہی۔ ایک دن اس نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔
میں کرسچن ہوں۔
اس کی بات پر میں کچھ ہل سا گیا لیکن چپ رہا وہ پھر بولی۔
میرا نام حمیرا ہے اور تم مسلم ہو۔
مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کون ہو اور آپ میری اچھی دوست ہو میرے لیے یہی کافی ہے میں نے جواباً کہا۔
کچھ دنوں بعد اس نے مجھے اطلاع دی کہ عاصم اس ہفتے میری منگنی ہے۔
میں نے اسے مبارک دی میں اپنے کزن سے شرط جیت گیا تھا اس نے ہار مانتے ہوئے کہا کہ بولو یہ لڑکی کون ہے کہاں رہتی ہے کیا کرتی ہے۔۔
میرے سوالوں کے جواب میں اس نے کہا یہ لڑکی صدر کے سکول میں ٹیچنگ کرتی ہے فلاں جگہ پر رہتی ہے اور کرسچن ہے مذہب سے تعلق ہے میرا کزن حمیرا کے بارے میں یہ سب اس لیے جانتا تھا کہ وہ اس اسکول میں پڑھتا تھا اور حمیرا ابھی اس سکول میں ٹیچر تھی گو کہ حمیرا کی منگنی ہو گئی لیکن فون پر ہماری بات چیت اسی طرح ہی جاری رہی میں حمیرا سے ساری رات باتیں کرتا رہتا تھا عالم یہ تھا کہ ہم دونوں سے کوئی نہ کوئی بات کرتے کرتے سو جاتا تھا ہم دونوں اب ہر بات ایک دوسرے کو شیئر کرتے تھے۔

ایک دن حمیرا نے مجھے اپنے گھر کا نمبر دیا اور کہا کہ آپ مجھے شام پانچ سے سات بجے تک اس نمبر پر کال کیا کریں آپ کو سستی پڑے گی کال چنانچہ مجھے جب بھی موقع ملتا اور صاحب لوگ گھر نہ ہوتے میں اسے کال کر لیتا ایک روز وہ مجھ سے بات کر رہی تھی کہ چونک پڑی اس نے گھبراتے ہوئے کہا۔

عاصم فون بند کر دو کوئی ہے۔

میں نے کہا کون ہے۔

اس نے کہا ہٹلر ہے۔

میں نے کہا کہ ہٹلر کون ہے۔

میری مام ہیں۔

کیا تم اپنی مام کو ہٹلر کہتی ہو۔

ہاں وہ بہت سخت ہیں اس لیے۔

ایک روز اس نے بتایا کہ میری ڈی سوز اس سے لڑائی ہو گئی ہے ڈی سوز اس کا منگیتر تھا اسے میری مام نے بتایا کہ حمیرا ہر وقت کسی سے فون پر بات کرتی ہے میسج بھی کرتی ہے اس بات پر لڑائی ہو گئی میں نے سوچا میری وجہ سے کسی کی زندگی خراب نہ ہو جائے اسی لیے میں نے اس سے کہا ٹھیک ہے تو کہتا ہے آپ مجھ سے بات نہ کیا کرو

عاصم میرا موڈ مزید خراب نہ کرو تم میرے اچھے دوست ہو اسی لیے میں ہر بات تم سے شیئر کرتی ہوں۔

میں خاموش ہو گیا لیکن بعد میں سوچا عاصم یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو تمہاری وجہ سے کسی کا گھر بتاہ ہو جائے گا لہذہ میں نے حمیرا سے بات کرنا کم کر دیا۔ ان دنوں میں ڈرائیونگ سیکھنے گا گیا تھا پھر کچھ ہی عرصے میں ڈرائیور بن گیا جب میں ٹھیک ٹھاک ڈرائیونگ کرنے لگا تو صاحب نے کہا۔

عاصم تم اب میرے ڈرائیور ہو۔

حمیرا سے بات چیت اب بہت کم ہو گئی تھی میں اس سے جان بوجھ کر کنی کترانے لگا تھا مگر میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے پیار کرنے لگی ہے اور بات بہت آگے بڑھ چکی تھی پیار تو مجھے بھی اس سے ہو گیا تھا لیکن میں جانتا تھا ایک ہمارے درمیان مذہب کی دیوار حائل ہے میں نے حمیرا کو نہیں دیکھا تھا اور اس نے بھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔

ایک دن میں نے اسے سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اس نے کہا۔

اتوار کو سینٹ انتھونی چرچ آ جانا چرچ کے سامنے ایک دکان ہے وہاں بیٹھ جانا میں چلتے چلتے تم سے ملاقات کرلوں گی تم مجھے کوئی نشانی بتا دینا تا کہ میں تمہیں پہچان سکوں۔

میں نے کہا نیو بلیو شرٹ اور بلیک پینٹ پہنی ہو گی اتوار کو شام پانچ بجے میں اپنے وعدے کے مطابق وہاں پہنچ گیا میں نے اسے فون کیا لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا تاہم اس کا میسج آیا۔

میں عبادت میں بزی ہوں میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔

میں نے جواب میں میسج کیا کہ میں نے نہیں دیکھا آپ کو۔

مجھے دیکھ کر کیا کرو گے۔

میں وہاں سے چلا آیا اسی دن میں نے اپنے کزن سے پوچھا کہ حمیرا دیکھنے میں کیسی ہے اس نے حمیرا کی خوبصورتی کی تعریف کی کچھ دنوں بعد حمیرا نے بتایا۔

میں نے ڈی سے منگنی توڑ دی ہے۔

میں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

اس نے تمہیں گالی دی تھی۔

کیا۔ میرے لیے یہ بات بہت حیران کن تھی میری وجہ سے اس نے منگنی توڑ دی اب میں ڈرنے لگا۔

حمیرا تو میرے معاملے میں بہت سیریس ہو گئی ہے اس لیے اب میں اس اسے بہت کم بات کرنے لگا اس کے میسج کا جواب بھی نہیں دیتا تھا بہانہ کر دیتا کہ میں ابھی بزی ہوں آپ سے بات نہیں کر سکتا۔ اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ اسے جواب دینا بھی بند کر دیا۔

ایک روز صاحب لوگوں کے گھر فون پر حمیرا کی کال آ گئی۔ تم نے اس نمبر پر کال کیوں کہ میں نے قدرے خفگی سے کہا۔

تم میسجز کا جواب کیوں نہیں دیتے ہو

اچھا ٹھیک ہے میں جواب دوں گا تم فون بند کرو لیکن دو دن بعد اس نے دوبارہ فون کیا سہ پہر کے تین بجے کا وقت تھا کہ باجی اس وقت سو رہی تھی باجی نے غصے میں فون اٹھایا اسے ڈانٹ دیا انہوں نے مجھے بھی بلا کر ڈانٹا کہا۔

آئندہ تمہاری دوست کی کال نہیں آنی چاہئے اسے منع کر دو کہ گھر کے نمبر پر فون نہ کیا کرے۔ رات کو میں نے حمیرا کو فون کیا اور کہا تم یہ سب اچھا نہیں کر رہی ہو۔

تم جو میرے میسج کا جواب نہیں دیتے ہو۔

میں جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ دیکھو یہاں اپنی بڑی سسٹر کے گھر میں رہتا ہوں ایسے تو میرا گھر اسلام آباد میں ہے میں یہاں جاب کے لیے آیا ہوا ہوں پلیز آئندہ گھر کے نمبر پر فون نہ کرنا ورنہ میری سسٹر ناراض ہو کر مجھے گھر بھیج دیں گی ایک ہفتے بعد حمیرا نے کال کی اس نے حیرت انگیز انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

میں اسلامیات پڑھ رہی ہوں

مگر حمیرا تم تو کرسچن ہو۔ میں نے کہا۔

ہاں لیکن اسلام میں میری دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ اس نے سنجیدہ انداز میں کہا۔ اس کی بات پر میں ڈر سا گیا یہ تو پیچھا چھوڑ نہیں رہی تھی تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں حمیرا کو سب کچھ سچ بتا دوں گا۔

اگلے روز میں نے حمیرا کو فون کیا اور اسے اپنے بارے میں سب کچھ صاف صاف بتاتے ہوئے کہا۔

حمیرا میں ایک ڈرائیور ہوں میری تنخواہ بہت معمولی سی ہے میں اکیلا نہیں ہوں نہ بہت پڑھا لکھا ہوں گھریلو حالات کی وجہ سے زیادہ پڑھ نہ سکا صرف آٹھ تک پڑھا ہوں پھر میں نوکری کرنے لگا اچھے پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے بات کرنے کی تمیز آئی تھی میرا خیال تھا۔

یہ سچ سننے کے بعد تو حمیرا کبھی مجھ سے بات نہیں کرے گی مگر اس کے برعکس اس نے کہا کہ مجھے سب کچھ منظور ہے۔ عاصم تم مجھے سڑک پر رکھو گے تو میں رولوں گی۔

اگر امی ابو یا بھائی کو پتا چل جاتا تو مجھے ایک خوب سناتے خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گا یہی سوچ کر میں نے ایک بار پھر حمیرا سے بات کرنا چھوڑ دی تقریباً ایک ہفتہ تک میں نے اس کا فون نہیں اٹھایا تھا میسج کا جواب بھی نہیں دیا تھا ایک شام بنگلے کے گیٹ پر بیٹھا کہ میرے کزن کا فون آیا کوئی انجان نمبر تھا میں نے فون اٹھایا۔

ہیلو عاصم۔ بات کر رہے ہو دوسری طرف سے نسوانی سی آواز ابھری۔

آپ کون میں نے پوچھا۔

عاصم بول رہے ہیں اس نے کہا۔

ہاں میں عائشہ بار کر رہی ہوں۔ حمیرا کی دوست۔ حمیرا کا نام سنتے ہی میں نے کہا

دیکھیے میں بعد میں بات کرتا ہوں ابھی بزی ہوں اتنا کہہ کر میں فون رکھنے والا تھا کہ اس کی آواز سنائی دی۔

فون مت رکھنا۔

اچھا جلدی کہو کیا بات ہے۔

حمیرا ہسپتال میں ہے اس نے اپنے ہاتھ کی نس کاٹ لی ہے۔

یہ فیملی کہانیاں کسی کو سناؤ میں نے کہا

اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو آ کر دیکھ لیں۔

کس ہسپتال میں ہے وہ۔

دہلی کالونی ہسپتال میں ہے وہاں آ جاؤ

میں ابھی کراچی میں نہیں ہوں جب آؤں گا تو دیکھ لوں گا میں نے کہا اور کال کاٹ دی اگلے دن چھٹی لے کر ہسپتال پہنچا اور وہاں سے معلوم ہوا کہ کوئی حمیرا نام کی پیشنٹ آئی تھی تو ہسپتال والوں نے تصدیق کر دی تب مجھے یقین ہوا میں اس وقت حمیرا کو فون ملایا۔

یہ تم نے کیا کیا۔

تم میرا فون نہیں اٹھا رہے تھے۔

ٹھیک ہے اب اٹھاؤں گا فون لیکن آئندہ ایسی بے وقوفی مت کرنا۔

کچھ عرصہ بات چلتی رہی ایک روز اس سے جان چھڑانے کی ایک ترکیب آئی میں نے اس سے کہا۔

میری منگنی ہو رہی ہے۔

کونگریچولیشن مجھے اس کی مبارکباد دی۔

حیرانگی ہوئی حمیرا میری منگنی ہو رہی ہے اور تم مجھے مبارک دے رہی ہو۔

حمیرا نے رونے والی آواز میں کہا اور کیا کہوں مبارکباد ہی دے سکتی ہوں بددعا تو دے نہیں سکتی یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

اس طرح کئی دن گزر گئے اور ایک روز میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ امی نے کہا کہ تو بیہ تمہیں کیسی لگتی ہے۔ کیا اس سے شادی کرو گے وہ ہی ہمارے محلے میں رہتی تھی۔

امی اگر شادی خاندان سے باہر ہی کرنی ہے تو میں حمیرا سے نہ کر لیتا۔

حمیرا کون ہے امی نے پوچھا۔

میری ایک کرسچن دوست ہے وہ مجھے بہت پسند کرتی ہے مجھ سے شادی بھی کرنا چاہتی ہے لیکن میں نے اس کو منع کر دیا تھا وہ میرے لیے مسلمان ہونے کو بھی تیار تھی۔

امی نے فوراً کہا عاصم سے بڑا بدنصیب اور کوئی نہیں حیرت سے اپنی امی کو دیکھتا ہی رہ گیا کہ امی کیا کہہ رہی یا آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔

بیٹے اگر اس لڑکی کو مسلمان ہی کر لیتے تو تمہیں کتنا ثواب ملتا تم اس کو مسلمان کر کے شادی کرتے تو اور ہمارے مسلمان بچے ہوتے تو تم جیتے جی جنتی ہو جاتے۔

امی کی بات پر میں نے سر پکڑ لیا سوچتا رہا کہ یہ مجھ سے کیا ہو گیا میں نے تو اس حوالے سے آپ سے بات کی نہیں کہ آپ ناراض ہوں گی اور پورا خاندان باتیں سنائے گا۔

اس کے ساتھ زندگی تم نے گزارنی ہے خاندان والوں نے نہیں۔ امی کی بات درست تھی میں سوچتا رہا اب میں کیا کروں پھر میں نے

دوبارہ حمیرا سے رابطہ کرنے کا سوچا لیکن حمیرا نے اپنا نمبر ہی بند کر لیا تھا میں روز کئی کئی بار اس کا نمبر ملاتا تھا کہ شاید اب اس کا نمبر آن ہو اور میری اس سے بات ہو جائے پھر کئی مہینوں کے بعد ایک روز اس کا نمبر مل گیا۔

ہائے حمیرا کیسی ہو میں نے کہا۔

ہو آر یو۔

میں نے کہا میں عاصم ہوں۔

مگر اس نے اجنبیوں کی طرح کہا کہ میں کسی اجنبی کو نہیں جانتی پھر اس نے رانگ نمبر کہہ کر کال کاٹ دی۔ میں نے دوبارہ کال کی حمیرا تم مجھے بھول گئی ہو ہماری ڈھائی سال کی دوستی بھول گئی ہو۔

عاصم اب بہت دیر ہو چکی ہے تم دل بہلانے کے لیے کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لو۔

اس کے بعد حمیرا سے کبھی بھی بات نہیں ہوئی آج تقریبا تین سال ہو گئے ہیں حمیرا سے بات کیے ہوئے مجھے لگتا ہے آج شاید میں مذاق سمجھتا رہا مجھے بھی معلوم ہے کہ حمیرا کی اب تک شادی نہیں ہوئی وہ اب صدر کینٹ میں سلینٹ جوزف سکول میں ٹیچنگ کر رہی ہے حمیرا کا اصل نام شیر الین تھا پیار سے سب اس کو حمیرا کہتے تھے۔

میں آج ایک پروڈکشن کمپنی میں اسٹنٹ پروڈکشن کی جاب کر رہا ہوں سیلری بھی اتنی ہے بہت اچھا گزارا ہو رہا ہے دوبارہ محبت کی کوشش کی لیکن ناکام رہا دونوں لڑکیاں حمیرا جیسی باوفا نہیں تھیں میرے گھر والے رشتے کے لیے جاتے ہیں تو لڑکی والے کہتے ہیں کہ لڑکے کی سیلری کم ہے آپ کا اپنا گھر نہیں ہے۔ پھر مجھے حمیرا یاد آتی ہے جو کہتی تھی عاصم تمہارے ساتھ روڈ پر بھی رہنے کو تیار ہوں اب میری بس ایک خواہش ہے کہ حمیرا مجھ سے ایک بار پھر بات کر لے اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا میں سوچ رہا ہوں کہ آج میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حمیرا کی کوئی بددعا ہے ویسے تو حمیرا نے کبھی مجھے برا بھلا نہیں کہا تھا لیکن مجھے لگتا تھا کہ حمیرا کے ساتھ میں نے اچھا نہیں کیا اس کی سچی محبت کی قدر نہیں کی اس لیے آج خود محبت کے لیے ترس رہا ہوں کبھی خیال آتا ہے وہ شاہد مجھ سے ملنے کو تیار بھی ہو گی تو کیا وہ شادی کے لیے تیار ہو گی اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے ایک چھوٹی سی غلطی کی وجہ سے میری زندگی آج کس مقام پر آ گئی ہے یہ میں ہی جانتا ہوں اپنی کہانی لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ خدارا کسی کی محبت کو مذاق میں نہیں لینا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو آپ کا مذاق ہو جائے۔

قارئین کرام میں کہانی کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ آپ لوگون نے کرنا ہے اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

آپ کا اپنا۔ شاہد رفیق سہو۔

0345.3272617

عظیم باتیں

ا۔ دنیا کی سب سے عظیم کتاب کا نام قرآن مجید ہے

۲۔ علم وہی حقیقی علم ہے

۳۔ قرآن مجید ماہ رمضان میں نازل ہوا

۴۔ ماہ رمضان کا احترام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

..............رائے اطہر مسعود آکاش

بچھڑ جانا ضروری تھا

تحریر۔ سونو گوندل۔ جہلم ۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

ایک کہانی بچھڑ جانا ضروری تھا۔ کے ساتھ حاضر ہورہی ہوں امید ہے کہ آپ اس کو شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔میں نے یہ کہانی بہت ہی محنت سے لکھی ہے امید ہے کہ آپ میرا دل نہیں توڑیں گے۔قارئین کرام کیسی لگی آپ کو میری یہ کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازنا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

کبھی کبھی انسان کوئی سے اتنی محبت کرتا ہے کہ بچھڑنے کا تصور بھی روح کو بے چین کر دیتا ہے اور کبھی کبھی تو انسدان ملتا ہی بچھڑنے کے لیے ہے۔ہم دو بہنیں اور ہمارا ایک ہی بھائی ہے میں سب سے چھوٹی تھی اور جب میں سات سال بعد پیدا ہوئی تو بہت خوشیاں منائی گئیں یہ خوشیاں شاید پیدائش پہ ہی کرنی تھی بعد میں جو بھی ہوا غم میں ہوا۔

میں سکول جانے لگی مڈل میں آ گئی تو مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ محبت کیا ہے اور وفا کیا ہے اور بچھڑنا کس کو کہتے ہیں مجھے ایک لڑکے سے پیار ہو گیا تھا

بے خیالی بے خوشی بے بسی دے گیا
کچھ نئے تجربے اجنبی دے گیا
اس کے آ جانے سے ہر کمی مٹ گئی
جاتے جاتے وہ اپنی کمی دے گیا
سوچنے کے لیے پل کی بھی مہلت نہ دی
جاگنے کے لیے اک صدی دے گیا
لے گیا جان دل جسم سے کھینچ کر
روح کو ایک فکر تازگی دے گیا
اس کی سوداگری میں بھی انصاف تھا سونو
زندگی دے گیا زندگی لے گیا

وہ مجھے اتنا اچھا لگتا کہ بس اس کے آگے ہر چیز بے معنی لگتی وہ وہ اور میں آپس میں اتنا پیار کرتے تھے کہ بس لفظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

علی روز موٹر سائیکل لے کر میرے راستے میں کھڑا ہوتا اور میں اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہتی تھی جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تو ایک ہوٹل میں ہوئی تو علی نے کہا۔

آمنہ ہم ایک نہ ایک دن ضرور ایک ہو جائیں گے آمنہ تم صرف اور صرف میری ہو اس کے بعد کسی اور کی نہیں ہو سکتی سکو گی۔

علی اپنی آمنہ کو روتا ہوا چھوڑ کر چلا گیا دوبئی علی کے بعد میری زندگی میں ایک لڑکا آیا میری خوشی یا مرضی سے نہیں بلکہ بھائی اور ماں کی خوشی



اور مرضی ہے۔

علی کو بتایا کہ علی میری شادی میرے کزن وحید سے ہورہی ہے تو علی نے کہا کہ میں کیا کروں اور میں کربھی کیا سکتا ہوں دیار غیر میں ہوں کوئی باپ کے بنگلہ میں نہیں ہوں جو آجاؤں اور تمہیں اٹھا کر لے جاؤں میں نے علی کو اس دن بہت برا بھلا کہا اور فون بند کر دیا۔

نہ روگ تھا نہ یادیں تھیں اور نہ ہی یہ ہجر
تیرے پیار سے پہلے کی نیندیں کمال تھیں

میری شادی ہوگئی اور میں وحید کے ساتھ اپنی نئی زندگی میں بہت خوش ہوں مگر وہ اب جب میں ایک بچے کی ماں ہوں تب واپس آیا ہے جب میں نے اپنے دل کا ہر دروازہ بند کر دیا ہے اس کے لیے میں اب کے بار جب اسے ملی تو صرف یہ کہنے کے لیے ملی تھی کہ علی ہمارا بچھڑ جانا ضروری تھا اگر ہم اس وقت نہ بچھڑتے تو شاید نہیں بلکہ یقیناً آج میں وحید اور مریم میری پھولوں جیسی بیٹی اتنے خوش نہ ہوتے اور آخر یہ میں نے علی کو شادی کرنے کا مشورہ بھی دیا اور چلی گئی اپنی جنت اپنے گھر میں۔

اس کے بعد نہ مجھے علی ملا نہ میں نے کبھی علی کے بارے میں سوچا میری سوچ میرے بچے تھے 2015 میں ہماری شادی کو دس سال ہوگئے ہیں ہم ایک پارک میں ملے تھے آخری بار مریم کے بعد ریحان آیان اور امامہ بھی آگئے مگر میں بھی پارک نہیں گئی تھی اس دن بچے ضد کر رہے تھے کہ ہم پاپا جناح پارک جائیں گے وحید بچوں کو لے کر جاتے جاتے رک گئے اور کہا۔

آمنہ تم بھی ساتھ چلو میں فرمانبردار بیوی ہوں تیار ہوگئی جانے کے لیے۔ جناح پارک میں جاتے ہی بوں کو لیز اور چاہیے تھے وحید انہیں لے کر شاپ پر چلے گئے اور میں بے دھیانی میں ایک سوئٹ بونڈ بندے سے ٹکرا گئی اور گرتے ہوئے بچ گئی جب سامنے والے کو دیکھا تو ماضی کی کتاب کے اوراق خود بخود ہی پلٹنے لگے اور سامنے والا کوئی اور نہیں علی ہی تھا اور مسکرا کر بولا۔ آمنہ سچ کہا تھا اس وقت تم نے کہ ہمارا بچھڑ جانا ضروری تھا کیونکہ اگر ہم نہ بچھڑتے تو میری فیملی کیسے مکمل ہوتی آمنہ یاد ہے ہم آج سے پہلے آٹھ سال پہلے ملے تھے تب میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور تمہاری صرف ایک بیٹی تھی اب میرے چار بچے ہیں علی میں نے فوراً کہا اور علی نے مسکرا کر کہا۔

آمنہ میرے بھی چار بچے ہیں اور فیملی مکمل ہے وحید کی طرح میری بیوی طیبہ بہت اچھی ہے ہم اب ہم ایک دوسرے سے کہہ سکتے ہیں کہ بچھڑ جانا ضروری تھا ملتا وہی ہے جو قسمت میں ہو نہ بغاوت کرنے سے کچھ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی غلط راستے اپنانے سے ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے کچھ بچھڑ کر مرجاتے ہیں اور کوئی آمنہ اور علی کی طرح ماضی کو بھول کر نئی زندگی میں خوش رہتے ہیں اور میرے خیال میں تو انسان کو ہر حال میں حال میں خوش رہنا چاہیے۔

وہی محفوظ رکھے گا میرے گھر کو بلاؤں سے
جو بارش میں شجر سے گھونسلا گرنے نہیں دیتا

اپنے تمام پڑھنے والوں سے یہ ہی التماس ہے کہ خدارا خود بھی چین سے جیو اور دوسروں کو بھی جینے دو اللہ تمام پڑھنے والوں کو خوش رکھے۔ آمین

آوارگی کا انجام

تحریر۔راشدہ عمران۔چک جھمرہ

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
آج پہلی دفعہ ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہو رہی ہوں۔امید ہے کہ سب کے دلوں کو بھائے گی میں نے اپنی اس کاوش کا نام آوارگی کا انجام رکھا ہے۔یہ ان لوگوں کے لیے سبق آموز کہانی ہے جو محبتوں کے چکروں میں پڑ کر خود کو برباد کر لیتے ہیں۔میں اس کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہوں اس کا فیصلہ آپ لوگوں کو کرنا ہے مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی تو میں آئندہ بھی لکھتی رہوں گی۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

اس گاؤں میں نہ تو کوئی سواری ہے اور نہ ہی کوئی رکشہ کیسا گاؤں ہے یار۔

حمزہ کے کہنے پر اس کی کزن لائبہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

تو بھائی آپ پیدل جاؤ۔جس پر لائبہ کو غصہ آ گیا وہ خاموش نہ رہ سکی۔

اصل میں حمزہ کو عادت پڑ گئی تھی لڑکیوں سے ایسی باتیں کرنے کی وہ بہت خوش ہوتا تھا لڑکیو ل میں اپنی ویلیو بنانے میں۔وہ لوگ اپنی بہنیوں کو لے کر شادی پر آئی ہوئی تھی۔حمزہ کے دو بھائی اور دو بہنیں تھیں جو پہلے سے ہی شادی شدہ تھے ہر طرف مہمان ہی مہمان تھے گھر میں خوب رونق لگی تھی حمزہ کو خالہ کی بیٹی فاریہ سے باتیں بنانے کا خوب ٹائم مل گیا وہ اس کو دیکھتے ہی اس کے پیچھے پڑ گیا تھا جہاں جہاں وہ جاتی وہاں وہاں ہی یہ اس کے پیچھے ہو لیتا۔ایک بار فاریہ اکیلی کھڑی تھی اور اچانک حمزہ آ گیا۔

کیسی ہو فاریہ میری جان میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا گھر میں کتنی رونق ہے۔

مجھے پتہ ہے۔فاریہ بولی۔

تم یہاں پر اکیلی کھڑی ہو حمزہ کو جیسے موقع چاہیے تھا فاریہ سے بات کرنے کا۔۔دیکھو فاریہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں جب سے ہوش سنبھالا ہے تم سے محبت کرنے لگا ہوں تم بن جینے کا سوچ بھی نہیں سکتا میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا فاریہ پلیز میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔

فاریہ تو جیسے دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی دل میں جیسے طوفان اٹھنے لگا تھا وہ لڑکی تھی اور لڑکیوں کو محبت کے دو بول ہی کافی ہوتے ہیں۔اس لمحے فاریہ کے ساتھ بھی ایسے ہی ہو رہا تھا وہ بھی حمزہ کی باتوں کو سچ مان رہی تھی وہ شرما کر نیچے چلی گئی حمزہ بھی اسکے ساتھ نیچے چلا گیا۔



حمزہ کا تو جیسا کام بن گیا ہو وہ دل ہی دل میں خوش ہوا اسکو معلوم ہو گیا کہ فاریہ اس کے قابو میں آ گئی ہے۔ مہندی کی رسم تھی سب ایک سے بڑھ کر ایک بننے سنورنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا ہر کسی کی کوشش تھی کہ میں اس سے بڑھ کر خوبصورت لگوں۔ اور فاریہ تو قیامت ہی ڈھا رہی تھی پیلے رنگ کا سوٹ تو حمزہ کے دل میں طوفان برپا کر رہا تھا گورے ہاتھوں میں پیلی اور لال رنگ کی چوریاں بازوؤں پر گرتا دوپٹہ آنکھوں میں چھلکتا کاجل اور ہونٹوں کی سرخ تو محفل کو دیوانہ بنا رہی تھی حمزہ تو کیا کوئی بھی ہوتا پھسل جاتا حمزہ کی آنکھوں میں جیسے چمک آ گئی ہو۔

مہندی پر لڑکیوں نے ڈھولک پر گیت گائے خوب ڈانس وغیرہ کیا فاریہ اس کام میں سب سے آگے آگے تھی اور حمزہ کی نظریں بھی اس پر جمی ہوئی مہندی کا جشن پوری رات چھایا رہا۔ وقت گزرنے کا احساس کسی کو بھی نہیں ہو رہا تھا پتہ ہی نہ چلا کہ رات کے تین بج گئے ہیں تب ایک ایک کر کے جہاں جہاں جگہ ملتی گئی سوتے گئے کیونکہ دوسرے دن بارات نے جانا تھا اور اس کے لیے الگ الگ پلان دلوں میں سوچے ہوئے تھے سب نے۔

آج بارات کا دن تھا۔ سب اپنی اپنی تیاری میں مگن تھے دولہے کو تو کوئی پوچھ ہی نہیں رہا تھا کہ اس نے بھی بارات کے ساتھ جانا ہے آخر کار وہ بھی کبھی کسی کی کبھی کسی کی منتیں کرتا ہوا اپنی چیزیں مانگتا ہوا تیار ہوا اور بارات روانہ ہو گئی۔ فاریہ پر حمزہ کی نظریں ایک لمحے کو بھی نہ ہٹی تھیں وہ پورے راستے میں پورے سفر میں اس کی طرف ہی دیکھتا رہا اور یہی حال فاریہ کا بھی تھا اسے بھی حمزہ اچھا لگنے لگا تھا وہ بھی کل سے شاید حمزہ کے لیے بن سنور رہی تھی۔ وہاں دلہن گھر خوب جشن ہوتے رہے من مانیاں ہوتی رہیں اسی دن کا تو سب کو انتظار ہوتا ہے اور پھر بارات کا دن آ کر چلا گیا۔ آہستہ آہستہ شادی کی رونقیں کم ہونے لگی سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔

فاریہ کی امی بھی اپنے بچوں کو لے کر گھر چلی گئی فاریہ کے دل میں حمزہ کا خیال دن بدن بڑھتا جا رہا تھا وہ ہر وقت حمزہ کے بارے میں سوچتی رہتی۔ اور حمزہ بھی اپنے کام پر چلا گیا فاریہ نے اپنی دوست کو سب کچھ بتا دیا کہ وہ حمزہ سے پیار کرنے لگی ہے اور اس سے شادی کے خواب دیکھنے لگی ہے۔ فاریہ کی دوست جو کہ حمزہ کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی اس نے فاریہ کو بہت کہا۔

حمزہ ٹھیک لڑکا نہیں ہے وہ پہلے بھی بہت لڑکیوں کو دھوکہ دے چکا ہے اصل میں وہ میرے بھائی کا دوست بھی ہے کچھ نہیں چھپتا اس سے لیکن فاریہ نہ مانی وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اس کی دوست جان بوجھ کر ایسا کہہ رہی تھی وہ اس کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی۔

مرضی ہے تمہاری۔ فاریہ کی دوست عائشہ یہ کہہ کر اپنے گھر چلی گئی۔

ادھر حمزہ نے اپنی امی سے ضد کی کہ وہ میرے لیے فاریہ کا رشتہ مانگیں تو امی نے صاف انکار کر دیا۔ کہ وہ رشتہ نہیں دیں گے پر حمزہ کی ضد کے آگے امی ہار گئیں اور رشتہ لینے بہن کے گھر چلی گئی فاریہ کے دل میں تو جیسے لڈو پھوٹ رہے تھے فاریہ کی تو خواہش پوری ہونے لگی تھی لیکن حمزہ کی امی بہت خوفزدہ تھی اس کو پتہ تھا کہ فاریہ کے گھر والوں کو حمزہ کی حرکتوں کا پتہ ہے وہ کیوں رشتہ

دیں گے حمزہ کی امی نے فاریہ کے گھر والوں سے بات تو انہوں نے کہا۔

ہم سوچ کر بتائیں گے۔

فاریہ تو جیسے دل ہی دل میں خیالوں کی دنیا میں چلی گئی وقت گزرتا چلا گیا۔حمزہ کا فون فاریہ کے گھر آنا شروع ہو گیا۔ایک دن اچانک موبائل کی بیل ہوئی فاریہ کے گھر کام سے پڑوس میں گئی تھی فاریہ اور اس کی دوست عائشہ گھر پر تھیں فاریہ نے موبائل او کے کیا۔تو آگے سے حمزہ کی عشق بڑھی آواز سنائی دی۔

ہیلو فاریہ میری جان کیسی ہو کب سے تم کو کال کر رہا تھا پر نمبر نہیں مل رہا تھا بہت یاد کرتا ہوں میں تم کو فاریہ جانی۔

حمزہ میں بھی تمہارے بغیر جینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تم صرف میرے ہو بس میرے حمزہ۔ فاریہ نے بھی دل کی باتوں کو زبان دے دی اس کے دل میں بھی جو جو تھا اس کو کہہ دیا۔

حمزہ کی آواز میں شوخی آ گئی فاریہ حمزہ تمہارا ہے اور پوری زندگی تمہارا ہی رہے گا کبھی بھی تم سے بے وفائی نہیں کرے گا۔اس کی باتیں سن کر فاریہ دل ہی دل میں خوش ہوتی رہی کہ اس کی پسند لاجواب ہے۔وہ واقعی اس کے تصورات کا شہزادہ ہے۔کافی باتیں ہوئی۔

اچھا حمزہ میں کال بند کرنے لگی ہوں پلیز اپنا خیال رکھنا۔یہ کہہ کر فاریہ نے کال بند کر دی۔ اتنے میں فاریہ کی امی آ گئی۔

توبہ توبہ سبزی والوں نے تو پتہ نہیں آخرت میں خدا کو منہ نہیں دکھانا ارے جس سبزی کی قیمت پوچھو آسمان سے باتیں کر رہی ہے ارے غریب بندے کی بھی کوئی زندگی ہے فاریہ چولہے پر دال ہی چڑھا لو کھا لیں گے جب سبزیاں سستی ہوں گی اتنے میں فاریہ کا بھائی قاسم باہر سے آ گیا۔

امی آج حمزہ کے گھر سے فون آیا تھا وہ کہتے تھے کہ ہم رشتے کے لیے دوبارہ آئیں یا ایک بار ہی مانگنے پر دے دیں گے۔

ارے ہم نے کون سا روکا ہے کہا ہے کہ سوچ کر بتائیں گے فاریہ کی عمر ہی کیا ہے۔

شام کو فاریہ کے ابو کام سے آئے تو فاریہ کی امی نے بات کی تو وہ بھی مان گئے ٹھیک ہے تم ان سے کہہ دینا کہ کوئی اچھا سا موقع دیکھ کر منگنی کر دیں فاریہ کے ابو نے اپنی بات سنا دی اب تو فاریہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس کے دل کو بھی تسلی ہو گئی تھی کہ حمزہ کو اس سے کوئی نہیں چھین سکتا لیکن حمزہ کی پرانی عادت تھی کہ جہاں لڑکی دیکھی اس کے پیچھے ہو لیا۔آج بھی ایسا ہی ہوا تھا اس کو ایک لڑکی نظر آ گئی تھی اور وہ اس کے پیچھے لگ گیا تھا اور اس سے بھی ایسی ہی پیار و محبت والی باتیں کرنا چاہتا تھا وہ لڑکیوں کی نفسیات کو شاید جانتا تھا کہ لڑکیاں حسین لڑکوں کے آگے لمحوں منٹوں میں اپنا دل ہار جاتی ہیں۔

ادھر فاریہ بہت خوش تھی وہ اس کو بتانا چاہتی تھی کہ اس کے گھر والے سب ہی رشتے کے لیے مان گئے ہیں اس نے حمزہ کو کال کی کہا۔ جان کہاں ہو۔

حمزہ نے کہا۔ میں آفس میں کام کر رہا ہوں کام بہت ہے۔آئی مس یو۔

حمزہ۔۔فاریہ ترستی زبان سے بولی۔

فاریہ میری جان میں مصروف ہوں میں بعد میں کال کرتا ہوں یہ کہہ کر حمزہ نے کال بند کر دی اس کے دل کو دھچکا سا لگا پھر سوچا کہ وہ مصروف

ہے جب فری ہوگا تو پھر اس کو تمام باتیں بتادوں گی لہٰذا وہ بھی ٹائم پاس کرنے کے لیے گھر سے کاموں میں لگ گئی۔

امی لائیں سبزی میں بنادیتی ہوں۔

وہ سبزی لے کر بیٹھ گئی اتنے میں فاریہ کی دوست عائشہ بھی آگئی بولی۔

چلو یار میرے ساتھ ذرا شہر تک جانا ہے۔ اصل میں مجھے کچھ کتابیں اور کپڑے وغیرہ لینے ہیں بس ادھر گئیں ادھر واپس آئیں۔

فاریہ نے امی کی طرف دیکھا اور امی نے مسکرا کر اجازت دے دی تو وہ دونوں شاپنگ کے لیے چلی گئیں راستے میں کچھ آوارہ لڑکے کھڑے تھے وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ لال دوپٹے والی ذرا نام تو بتا۔

جو تمہاری ماں بہن کا نام ہے وہ ہی سمجھ لو عائشہ کی غصہ بھری آواز لڑکوں کے کانوں سے ٹکرائی جبکہ فاریہ تو دل ہی دل میں ساتھ شادی کی شاپنگ کے بارے میں سوچ رہی تھی اس کو تو نہ آنے والے کا پتہ اور نہ جانے والے کی خبر تھی بازار میں بہت رش تھا دکاندار کے گھر تو خوب خرچہ چل رہا ہوگا۔ فاریہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اچانک کسی فقیر نے صدا لگائی۔

اللہ کے نام پر بابا۔

فاریہ نے پانچ روپے نکال کر دیئے۔ عائشہ اور فاریہ نے خوب شاپنگ کی جو جو اس نے لینا تھا وہ لے لیا۔ تب عائشہ فاریہ سے بولی۔

چلو یار کہیں سے اچھی سی چائے پیتے ہیں ویسے بھی سردی کی آمد آمد تھی عائشہ نے فاریہ کو کہا کہ اس شہر میں میری دوست رہتی ہے چلو ان کے گھر اچھی سی چائے پیتے ہیں۔

عائشہ پلیز جلدی کرو شام ہونے کو ہے امی گھر میں اکیلی ہیں۔۔ فاریہ خوف بھری آواز میں بولی۔ تو وہ مسکرا دی۔

عائشہ اور فاریہ دونوں شاپنگ بازار سے نکل کر پاس ہی ہوٹل تھا۔ اس میں چلی گئیں۔ فاریہ کے تو دل پر جیسے قیامت ہی گزر گئی آسمان سر پر گر پڑا پاؤں تلے جیسے کسی نے زمین نکال لی ہو اس کے سارے ارمان سارے سپنے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئے ہوٹل میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر حمزہ پر پڑ چکی تھی۔ جو ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں بس ان دونوں پر جم سی گئی تھیں۔

میری جان میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا تم میری پہلی اور آخری محبت ہو پلیز اپنے گھر والوں کو راضی کرو کنول۔ یہ وہ باتیں تھیں جو فاریہ نے حمزہ کی زبانی کنول کے لیے سن لی تھیں۔

حمزہ صبر کرو اتنی بھی کیا جلدی ہے۔

اتنے میں کنول کے نمبر پر کسی کی کال آگئی اور وہ حمزہ کو وہاں چھوڑ کر چلی گئی حمزہ کا تو پتہ نہیں پر فاریہ کے دل پر جو گزر رہی تھی وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ جیسے بھی ہوسکا گھر چلی گئی رات کو فاریہ کے نمبر پر حمزہ کی کال آئی بار بار بیل پر فاریہ نے کال نہ اٹھائی تو حمزہ کا ایس ایم ایس آیا۔

فاریہ میری جان کہاں ہو۔

ادھر فاریہ نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ اسے آج اپنی دوست عائشہ کی تمام کہی ہوئی باتیں سچ لگ رہی تھیں کہ حمزہ دل پھینک لڑکا ہے لڑکیوں سے محبتیں کرنا اس کا مشغلہ ہے جہاں بھی کوئی اچھا چہرہ دیکھا اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ تکیہ میں سر دیئے روئے جا رہی تھی۔

حمزہ میں تم کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی تم میرے مجرم ہو تم کو تمہارے کیئے کی سزا ضرور ملے گی فاریہ تو جیسے ٹوٹ گئی تھی ان دونوں کو اکٹھا دیکھنے کا منظر وہ بھول نہیں سکتی تھی اور بھول بھی کیسے سکتی تھی وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ سامنے تھا جسے وہ شدت سے پیار کرتی تھی جس کے لیے وہ دن رات تڑپتی تھی جس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی وہ سوچ رہی تھی کہ کاش وہ شہر نہ گئی ہوتی اور نہ یہ سب کچھ دیکھا ہوتا۔

فاریہ بار بار یہ سب یاد کر کے رو رہی تھی ان دنوں فاریہ کے گھر والوں کو حمزہ کی حرکتوں کا بھی پتہ لگ چکا تھا فاریہ نے حمزہ کو کال کی تو حمزہ بے بسی سے بولا۔

کیسی ہو جان۔

حمزہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے اللہ کرے تم کو کبھی سکون نہ دے گا تم نے ٹھیک نہیں کیا حمزہ۔

فاریہ تم کیا کہہ رہی ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے۔حمزہ تو جیسا انجان بن رہا تھا۔فاریہ نے کال بند کر دی اچانک ہی فاریہ کی امی کے پاس اس کی پرانی دوست آئی اور کہنے لگی۔

میرا بیٹا بہت ہی پیارا ہے اگر تم برا محسوس نہ کرو تم اپنی فاریہ کا رشتہ میرے بیٹے کو دے دو ویسے بھی میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔

فاریہ کی امی تو جیسے پہلے سے ہی تیار تھی اور ضروری بات تو بتائی نہیں کہ میرا بیٹا امریکہ سے اگلے ماہ کو آرہا ہے۔فاریہ کی امی نے گھر میں بات کی تو سب ہی مان گئے آخر فاریہ بھی کب تک اپنی بربادی کا ماتم کرتی اس طرح پھر فاریہ کا رشتہ طے ہو گیا۔

گھر میں پھر سے رونق آ گئی۔فاریہ کے سسرال والوں نے شادی کی جلدی بات پکی کر دی دونوں طرف ہی تیاریاں عروج پر تھیں سب بہت خوش تھے آخر ایک دن فاریہ کی رخصتی کا دن بھی آ گیا زیور سے لدی فاریہ کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی اور لہنگا تو کمال کا تھا فاریہ کو قرآن پاک کے سائے میں رخصت کیا گیا۔

فاریہ تو پہلے ہی خوبصورت تھی اور پھر اس کا ایک تابعدار شوہر مل گیا تھا وہ فاریہ کی خاطر کچھ بھی کر جاتا ہے وہ تھی ہی اتنی خوبصورت فاریہ اپنے سسرال میں بہت ہی خوش تھی ساس تو اس پر جان وارتی تھی۔وہ اپنے ماضی کو بھول چکی تھی وہ یہ بھی بھول چکی تھی کہ کوئی حمزہ نامی لڑکا اس کی زندگی مین آیا تھا لیکن کبھی کبھی اس بے وفا کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آ ہی جاتا تھا۔

شادی کو تین سال ہو گئے تھے فاریہ اپنے دو بچوں کی ماں ہے اور حمزہ کا یہ حال ہے کہ اس کا کوئی بھی رشتہ آتا ہے تو وہ ٹوٹ جاتا ہے اس کے قصہ ہی اتنے مشہور تھے کہ کوئی بھی حمزہ سے رشتہ جوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا اب تو اس کو نشے کی بھی عادت پڑ گئی تھی حمزہ نے بہت لڑکیوں کی زندگی برباد کی تھی آخر وہ بھی آج در در کی خاک چھان رہا ہے کہیں سے بھی رشتہ اب اسے مل جائے وہ کرنے کو تیار ہے مگر ایسے انسان کو کون رشتہ دے جس کو عزت والوں کی پہچان نہیں آخر کار وہ بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی امید ہے کہ ضرور پسند آئی ہو گی میں شکر گزار ہوں جواب عرض کے آفیسروں سے جنہوں نے مجھے جواب عرض میں لکھنے کا موقع دیا۔سب کو سلام۔

کہاں منزلیں کہاں راستے

۔۔تحریر۔ساحل ابڑو۔ڈیرہ اسد اللہ۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
قارئین میں نے اس کہانی میں بہت محنت کی ہے اور امید ہے کہ سب کو پسند آئے گی اور میں نے اس کہانی کا نام۔کہاں منزلیں کہاں راستے۔رکھا ہے ادارہ جواب عرض کے معیار کے مطابق اگر یہ نام آپ کو پسند نہ آئے تو آپ کوئی اچھا سا نام دے سکتے ہیں یہ کہانی ایک سچی اور پاکدامن حوا کی بیٹی کی ہے جس نے اپنی پاکدامنی پر داغ نہ لگنے دیا اور اپنی زندگی کے ہمسفر کی زندگی چھین لی اور اب خود بھی مصیبت میں ہے اور ساتھ ایک ننھی سی جان کو جانے کس جرم کی سزا مل رہی ہے
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

میں جیسے ہی اپنے گھر میں داخل ہوئی نادیہ پھر چیختے ہوئے انداز میں مجھ سے کہنے لگی میرا بیگ اور فائل میرے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھے وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی میں بھی ڈھیلے ڈھالے انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوئی میرا خیال تھا کہ بھائی کا فون آیا ہوگا جو تین سال سے دیار غیر میں دولت کمانے گیا ہوا تھا اس کے بعد سے اس کا اتہ پتہ ہی نہ تھا یا پھر اس سے بڑا والا بھائی چھٹی لے کر گھر آیا ہوگا کیونکہ ہی ہماری کل کائنات اور خوشیاں تھے لیکن میرے سارے مفروضے غلط ثابت ہوئے۔

جب اس نے وہی پرانی بات کسی اور طریقے سے دوہرائی۔۔آپی انکل جمیل پرسوا اپنی فیملی کے ساتھ سعودیہ سے واپس آ رہے ہیں اور ایک بڑا زبردست سا رشتہ بھی لائے ہیں اور وہ جلدی میں بھی ہیں امی ابو کو تو وہ پسند ہیں لیکن آپ کے ڈر سے حامی نہیں بھر رہے پلیز آپی خدا کے لیے مان جاؤ امی ابو پر رحم کھاؤ تم تو پڑھی لکھی ہو تم کو پتہ ہے جن والدین کی جوان بیٹیاں ان کے گھروں کی دہلیز پر بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں ان پر کیا بیتتی ہے ان کے دن رات کیسے گزرتے ہیں وہ ہمارے اسی غم میں گھلے جا رہے ہیں اور آپ کو اس طرح دن رات کام کرتے دیکھ کر بہت کڑھتے ہیں آخر آپ ان کو اس طرح نالاں کر ان سے یا اپنے آپ سے کس بات کا بدلہ لے رہی ہیں۔

اس کے جذباتی پن دیکھ کر جو اس کی ساری معصومیت ذائل کر لیا تھا میں حیران و پریشان اور گنگ رہ گئی اور سب میری سمجھ سے باہر تھا کہ میں اس کو کس طرح سے قائل کروں اکیلی لڑکی ان پر بوجھ نہیں بن سکتی یہ دنیا بھی تو ہم لوگوں سے ہے معاشرہ بھی ہمارا ہی بنایا ہوا ہے ہم بھی اسی معاشرے کی پیداوار ہیں۔

ہمیں بھی آزادی سے جینے کا حق ہے اگر شادی کرنے کی حامی نہیں بھرتی تو دنیا کیوں باتیں کرتی ہے یا پھر والدین دنیا کی باتیں کیوں سنتے ہیں کیوں پرواہ کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں سوچتے سوچتے میں ماضی کی ان اتھاگ گہرائیوں میں ڈوب گئی جو مجھے شادی سے باغی کرتی تھیں۔

پھر وہ دن بھی میری آنکھوں نے سامنے گھوم گیا جب میں ابھی ساتویں کلاس میں تھی جب ایک رشتہ دار نے میرے والدہ سے بات کی تو والدہ نے ان کو دوٹوک جواب دے دیا کہ نہیں یہ ابھی بچی ہے اور دوسرا میں نے اپنے بچوں کو پڑھا لکھا کر کسی مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں اور میں ان کے لیے محنت کر کے کمانے اپنے خاوند کے کندھے سے کندھا ملا کر چل رہی ہوں میں نے ابھی دوبارہ جوان ہونا ہے اپنے لگائے ہوئے درختوں کا پھل کھانا ہے اپنی برادری میں سرخرو ہونا ہے سب سے بڑی بات یہ بھی کہ میں خاندان میں اپنے بچوں کی شادی ہرگز نہیں کروں گی میں ان کے معیار کے مطابق رشتے ڈھونڈ کر ان کی شادیاں کروں گی۔

آئندہ میرے بچوں کا نام کسی کی زبان پر آیا تو میں اس کی زبان کھینچ لوں گی۔

شاید یہ وہ جذبہ تھا جو ہر ماں اپنے بچوں کے سہانے مستقبل کے لیے سوچ رکھتی ہے کیونکہ ہمارے محلے میں بس سارے پڑھے لکھے اور یہ لوگ رہتے تھے ان کا یک سٹیٹس تھا غیرت تھی اور یہ سب چیزیں ان کو اپنے اولاد کے نیک۔ وفادار تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ملیں سکون و آسائش اور ان والدین کے چہرے پر تمانیت تھی میری والدہ ان تمام باتوں سے متاثر تھیں اور یہی خوبیاں وہ اپنی اولاد میں دیکھنا چاہتی تھیں۔

پھر والدہ نے والد صاحب سے بات کی کہ رشتہ دار اپنے لفظوں میں لڑکیوں کی شادی کے کیلیے نام لے رہے ہیں اور میں ابھی ایسا نہیں چاہتی جس میں والد صاحب نے ان کی تائید کی اور پھر بچوں کے شاندار مستقبل کی خاطر اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے دن رات محنت کی اور ان کی پلوٹھی کی اولاد کی وجہ سے میں ہی قربانی کا بکرا بنی اور میری والدہ نے تمام امیدیں مجھ سے وابستہ کر لیں گھر میں پہلے ہی کوئی اتنی سودگی نہ تھی۔

اور جو دن رات کچھ حاصل ہوتا تھا وہ ہماری ٹیوشن اور سکول کالج کی فیسوں میں ختم ہو جاتا تھا مجھ سے سال میں دو دو کلاسیں کلیر کروائیں اور میں والدہ کو خوش کرنے کے چکر میں پڑھائی کی طرف بھرپور توجہ دیتی کہ میٹرک میں میری زندگی نے ایک نیا موڑ دیا۔

جب محلے کے ہی ایک لڑکے نے مجھ سے دوستی کرنا چاہی محلہ دار ہونے کے ناتے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا ہی لیکن میں خوفزدہ ہوئی گئی کیونکہ گھر کا ماحول سخت ہونے کی وجہ سے اور کچھ امی کے اصولوں سے بہت ڈر لگتا تھا نہ ہی کسی رشتہ دار سے ملنا جلنا تھا اور نہ ہی کسی کزن وغیرہ سے فری ہونے کی اجازت تھی اس حوالے سے یہ بات کچھ عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ ناگوار بھی گزری یہ میرا ہی میرا دل دھڑکا اور نہ ہی کوئی خوشی ہوئی کیونکہ وہ لڑکا میری منزل نہ تھا مجھے پڑھنا تھا اور بہت زیادہ پڑھنا تھا جو ایک خواب بن کر رہ گیا تھا۔

لہذہ میں نے اسے کوئی مثبت جواب نہ دیا

لیکن اپنے باپ اور بھائی کے بعد مرد کے جس مفہوم کا پتہ چلا وہ بڑا ہی پریشان کن تھا کہ باپ اور بھائی کے علاوہ بھی کوئی رشتہ ہے اور یہی لڑکا جو دوستی کا دعویدار تھا وہ کئی جگہوں پر بھی تانک کرتا ہوا پایا گیا تھا لیکن جب مجھ سے آمنا سامنا ہوتو پھر وہی پرانا رونا دھونا مرد کی اس فطرت کا میرے علم میں اضافہ ہوا۔

پھر اس طرح زندگی میں جن میں زیادہ تر شادی شدہ تھے وہ جب اپنا مدعا بیان کرتے تو یوں لگتا جیسے ان سے زیادہ بے چارہ کوئی نہیں اور ان کی باتوں پر یقین کر لینے کو جی چاہتا لیکن خدا کا شکر ہے کہ میرے ارادوں میں لغزش نہ آئی اور پھر وہی مرد حضرات چند دنوں کے بعد رسپانس نہ ملنے پر کسی اور جگہ منہ ماری کرتے ہوئے پھر مجھے یہ جان کر خوب ہنسی آتی اور تب مجھے مرد کی فطرت کا اندازہ ہوا کہ وہ تقریباً ہر لڑکی کو پہلی ملاقات میں ہی کہتا ہوگا کہ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو چاہے وہ بارہویں ہی کیوں نہ ہو۔ حتی کہ اس دوران چند مخلص لوگ بھی سامنے آئے لیکن میں اپنی ماں سے بہت خوفزدہ تھی کہ یہ نہ ہو کہ اگر میں نے اپنے طور اپنی کسی پسند کا اظہار کر دیا تو والدہ سے ناراضگی مول نہ لینی پڑے اور چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے آنے والے وقت میں کوئی مسئلہ نہ بن جائے میں تو ان کے لیے ایک مثال بن کر جینا چاہتی ہوں اس وجہ سے کچھ انا اور خوداری فرصت سے زیادہ آ گئی۔

پڑھائی کے بعد ایک اچھی جگہ نوکری بھی مل گئی اور میں میں نے پھر بھی پڑھائی کا سلسلہ بند نہ کیا وقت ملنے پر کبھی نہ کبھی تعلق پڑھائی کے ساتھ ضرور رکھا اور نوکری اچھی ملنے پر جہاں گھر والے خوش ہوئے وہاں والدین کی بیٹیوں کی طرف پریشانی ابھی باقی تھی وہ اپنی پڑھائی جاری نہ رکھ سکے اور انہوں نے گھر سے باہر بہت سی مصروفیات ڈھونڈ لی تھیں پڑھائی کے علاوہ جس کی وجہ سے گھر والوں کو بڑی مایوسی ہوئی اور میری والدہ کے تمام خواب خاک میں مل گئے ان کی خوشیاں غم میں بدل گئی۔

باپ شوگر کا مریض ہو کر کانٹا بن گیا جوان بیٹے اچھی نوکری نہ ہونے کے باوجود دیار غیر میں موجود ہیں والدین کی آنکھوں سے دور مزدوری کر رہے ہیں جو سب کے لیے ناکامی تھی وہ گھر والوں کی کفالت کیسے کرتے پھر چھوٹی بہن جو ایف ایس سی کر کے گھر فارغ بیٹھی تھی بڑی کے ساتھ وہ بھی بوجھ بنی ہوئی تھی میں اپنے والدین کو خوش خرم اور سکھی دیکھنا چاہتی تھی ان کے غم محسوس کرنا چاہتی تھی ان کا بانٹنا چاہتی تھی ان کے دیار غیر بیٹے بیٹیوں کی کمی پوری کرنا چاہتی تھی میں سوچ کر پریشان ہوتی تھی کہ ان میاں بیوی کے اب آرام، کے دن اور وہ دونوں اب بھی محنت کر رہے ہیں بڑھاپے میں بھی سکھ نہ ملا اور وہ تمام مرد جو بے مفاد ہیں اپنی بیویوں کے ہوتے ہوئے دوسروں کی بہن بیٹیوں پر نظر رکھتے ہیں وہ اپنی بہن بیٹیوں کی طرح ان کو اپنی بیٹی بہن کیوں نہیں سمجھتے اسی وجہ سے میرا مردوں پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے میں کیسے مرد کی فطرت ے سامنے ہار مان جاتی حالانکہ مرد تو بھائی بھی ہیں باپ بھی شوہر بھی اور بیٹا بھی لیکن اعتبار تو رشتوں پر کیا جاسکتا ہے مرد پر نہیں ہر چیز اجنبی سی محسوس ہوتی تھی اور میں ہر چیز سے کیوں خوفزدہ ہو جاتی اب میں انہیں کیسے یقین دلاتی کہ شادی ہی سب کچھ تو نہیں ہے اور نہ ہی یہ

میری منزل تھی۔۔۔ میں ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ امی کی آواز نے میری سوچوں کا تسلسل توڑ دیا امی نادیہ کو گھر کی صفائی کرنے کا کہہ رہی تھیں کیونکہ آج شام کیملی نے آنا تھا۔

میں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھی اور مہمانوں کی خاطر مدارت میں مصروف ہو گئی ان لوگوں نے مجھے پسند کرلیا اور پھر جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو گیا میرا شوہر ایاز میٹرک تک پڑھا ہوا تھا وہ سعودی عرب میں ایک ملازمت کرتا تھا شادی کی پہلی رات ہی میں جان گئی کہ ایاز کی اور میری سوچ ایک نہیں ہے کیونکہ تعلیم کا فرق بنیادی فرق تھا اس کے ساتھ ساتھ حسن بھی بنیادی وجہ بن گیا تھا ایاز میں کسی قسم کی وجاہت نہ تھی اس کے برعکس میں ہزاروں میں ایک تھی۔

ایاز کو ان باتوں نے احساس کمتری میں ڈال دیا جس کا ازالہ اس نے مجھ پر شک کر کے نکالنا شروع کر دیا ایسے میری ہر بات اور ہر ادا میں طنز کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔

کبھی کہتا کہ شادی سے پہلے بھی میرے کئی مردوں سے تعلقات تھے کبھی کہتا کہ میں آج کسی اور کو پسند کرتی ہوں میں نے اسے لاکھ یقین دلایا کہ میں ایسی عورت نہیں ہوں جب دامن پاک صاف ہو میں شادی سے پہلے محبت کو فضول سمجھتی تھی میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی مرد نہیں آیا میں صرف اور صرف تمہاری ہوں میں نے اسے اس کی دن رات خدمت کی اس کے ناز اٹھائے مگر شک کا ناگ اس کے من سے نکلا اور ایسے ناگ نفرت کی جھاڑیوں میں جنم لیتے ہیں اور نفرت زندگی کا سکھ اور چین چھین لیتی ہے ایاز میرے والدین کی پسند تھا میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی تھی اب وہی میرا جیون اور زندگی تھا مگر اس نے حد کردی اس نے میری ملازمت کرنے پر اعتراض کیا تو میں نے ملازمت چھوڑ دی جس کا مجھے بے حد رنج ہوا تھا کیونکہ یہ میرے مجازی خدا کی مرضی تھی میں نے اسکا ہر ستم برداشت کیا طنز کے تیر اپنے سینے پر کھاتی رہی اس کی گالیاں سنتیں طعنے اور نہ جانے کیا کچھ میں نے ہنس کر سہہ لیا مگر جب اس نے میری عصمت بھری نسوانیت کی توہین کی تو میں برداشت نہ کر سکی۔

ان دنوں میری طبیعت خراب تھی ڈاکٹر کو چیک کروایا تو اس نے خوشخبری سنائی کہ میں ماں اور ایاز باپ بننے والا ہے خوشی کی لہر میرے رگ و پے میں سما گئی مگر ایاز پر سکوت مرگ طاری ہو گیا میرے ساس سسر کو خبر ہوئی تو وہ بھی مسرور دکھائی دیئے مگر ایاز کا موڈ دن بدن خراب ہوتا گیا،

ایک رات وہ کمرے میں آیا اور بہت ہی غصے سے بولا عشرت بتاؤ یہ بچہ کس کا گناہ ہے تم اپنے پیٹ میں پال رہی ہو۔

شرم کرو ایاز تم اپنے ہی خون پر الزام لگا رہے ہو۔ مگر وہ نہ مانا اس نے مری پاکدامنی کو گالی دی تو میں برداشت نہ کر سکی ہمارے درمیان تو تو میں میں ہو گئی بات بڑھ گئی اس نے مجھے پیٹ ڈالا میں نے برداشت کر لیا مگر میں اپنی رسوائی برداشت نہ کر سکی پھر رات میں نے ایاز کی زندگی چھین لی میں نے سوتے میں تیز دھار چھرا کے وار کر کے مار ڈالا یوں مجھے ایک سکون مل گیا۔

اب میں مصیبت میں ہوں ایاز کا بچہ بھی ہے وہ بھی میرے ہمراہ ہے نہ جانے اب زندگی اور چاہیئے میں مر جاؤں گی یا پھر دنیا کی ٹھوکریں کھانے کے لیے زندہ رہوں گی۔۔

کوئی تو درد مسیحا ہوتا

---تحریر: مجید احمد جائی۔ملتان---

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
آج میں معاشرے کے نازک مسئلے پر قلم اٹھا رہا ہوں اور اس کے واقعات ہمیں روز سننے یا دیکھنے کو ملتے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ میرے قلم کی پھر ایک دفعہ رہنمائی فرمائیں گے آپ کے اس حوصلے افزائی کے لیے میں آپ کا بہت مشکور ہوں خدا آپ کو اور آپ کے ادارے کو اسی طرح ترقی کی راہ پر گامزن رکھے میری اس کہانی کا نام۔کوئی تو درد مسیحا ہوتا۔رکھا ہے امید ہے کہ سب کو پسند آئے گی۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ریل گاڑی شہریوں، قصبوں، کھیت کھلیانوں، صحراؤں، جنگلوں کی چیرتی ہوئی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔رات کا پچھلا پہر تھا۔گھپ اندھیرا ماحول میں خوف پھیلا رہا تھا۔جس بوگی میں میں سوار تھا۔اس میں مکمل سناٹا ہی سناٹا تھا۔تمام مسافر برتھ پر، کئی سیٹوں پر، کئی سیٹوں کے ساتھ نیچے محو خواب تھے۔کوئی اونگ رہا تھا تو کوئی اردگرد سے بے خبر گھوڑے بیچ کر نیند کے مزے لے رہا تھا۔بوگی مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔یوں سمجھئے تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔میں اردگرد سے بے نیاز اپنی دنیا میں گم تھا۔ماضی کے دریچے، کھولے اپنوں کے ستم، کرم فرماؤں کے دیئے زہر آلودہ تیروں کے زخم کریدہ رہا تھا۔اچانک بے خیلالی میں میرے نظر اٹھی تو دور کونے میں ایک خوبرو نوجوان سادگی کا مجسمہ غربت کے دیئے جلائے، غم زدہ نظروں سے مجھے تکے جا رہا تھا۔آنسو، آنکھوں سے نکلتے نکلتے رخساروں پر لکیروں کے نشان چھوڑ چکے تھے۔نجانے مجھے دیکھنے کا عمل کب سے جاری تھا؟ جیسے کسی بچھڑے ہوئے کو ڈھونڈ رہا ہو۔کوئی قیمتی چیز کی پہچان میں لگا ہو۔میں حیران و ششدر اس کی طرف دیکھنے لگا۔چند لمحوں میں نظروں کا تصادم ہوا اور ہم ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔میں اسے اپنے پہلو میں جگہ دے چکا تھا

تمھاری آنکھ میں بسنے سے پہلے
میں اک مدت تلک بے گھر رہا ہوں

میری طرح وہ بھی کتابی کیڑا تھا۔اپنوں کا ڈسا ہوا مجبور بے کس، مفلسی کا پیکر، خوش اخلاق، خوش مزاج نوجوان تھا۔اس کے لبوں پر اپنوں کے لئے دعائیں ہی نکل رہی تھیں۔عجیب شخص تھا زخم کھانے کے بعد بھی دشمنوں کو دعائیں دے رہا تھا۔علیک سلیک کیا ہوئی، وہ میرا گرویدہ ہو گیا۔محو خواب مخلوق کو پست پردہ ڈال کر مجھے چھپی ڈال چکا تھا۔واہ رے قسمت---



ملے بھی تو کہاں؟
آپ ہیں مجید احمد جائی ۔میرے ملتان شریف کے عظیم قلم کار، رائیٹر،افسانہ نگار،کالم نگار۔جس کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے۔جس اخبار کو دیکھو آپ کا کالم ملتا ہے۔جس ڈائی جس کو دیکھو آپ کا نام چمکتا دکھائی دیتا ہے۔

وہ بولے جا رہا تھا اور میں اپنی ہی نظروں میں مجرم بنتا جا رہا تھا۔جن الفاظ سے مجھے نوازہ جا رہا تھا۔ان کے ذرہ برابر بھی مجھ میں خوبیاں نہیں تھیں۔میں تو خود غرض،اپنی مستی میں رہنے والا ،اپنے ہی دکھوں کا پرچار کرنے والا ،فریبی شخص تھا۔میں اس قابل کہاں تھا کہ مجھے ان لقاب سے نوازہ جائے۔ندامت،شرمندگی کے آنسو میری آنکھوں سے بغاوت کرتے ،گالوں کو چومتے، گریبان کو چھوتے،من و مندر میں آگ لگاتے،دل کا غبار،دل کا زنگ اتارتے زمین کو سیراب کر رہے تھے۔وہ نوجوان سسک رہا تھا اور میں اس کے کندھوں تھپک رہا تھا۔ایک تسلی،ایک جھوٹا دلاسا دے رہا تھا۔

اے میرے بھائی کون سے غم ہیں جو تیرے سینے میں پلتے ہیں۔جن کی وجہ سے یہ آنسو ٹپکتے نہیں تھکتے۔

آہ۔۔۔مجید بھائی۔۔۔۔۔ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ وہ پھر زور سے مجھے جپھی ڈال لیتا ۔وقت جیسے سکتے میں آ گیا ہو۔ہر چیز ٹھہری گئی ہو۔چیختی،چلاتی،روں روں کرتی ،ہارن بجاتی، ٹرین محو سفر تھی۔کافی دیر کے بعد وہ نوجوان گویا ہوا اور سب کہہ گیا۔اشک میری آنکھوں سے نکلتے ہوئے دامن کو بھگوتے چلے گئے۔

صدیوں کا سفر پل بھر میں ختم ہونے کو چلا
آج دیکھو،ایک انسان خاک ہونے کو چلا
• روز محشر جب ہم اٹھائے جائیں گے
دیکھنا،کیا اعمال دنیا ساتھ ہونے کا چلا

جانتے ہو یہ نوجوان کون تھا؟چلو جی آپ کا تجسس ختم کیئے دیتا ہوں۔یہ خوبرو نوجوان کوئی اور نہیں ''محمد راشد لطیف'' آف صبر ے والا تھا۔دکھی جواب عرض کا رائیٹر،جس کا نام جواب عرض میں چمکتا دمکتا دیکھا تھا۔یہ بھی میرے طرح دکھی دنیا میں قدم بہ قدم بکھرے دکھ شیئر کرتا تھا۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے یہ کریڈٹ مجھے حاصل ہے کہ میں رائیٹروں کی اسٹوریاں لکھ چکا ہوں اور لکھ بھی رہا ہوں۔میں سب کا دوست ہوں۔چاہے دوستی کے عوض میرے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جائے۔چاپلوسی کے تیر میرا سینہ چھلنی چھلنی کر دیتے ہیں۔دھوکہ ،فریب،گالیاں،نجانے نجانے کیا القاب ملتے ہیں۔کہتے ہیں ناں جس کا جتنا ظرف ہوتا ہے اتنا پہنچاتا ہے۔جہاں چاہنے والے ہوتے ہیں وہاں نفرتوں کے انبار لگانے والے پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔

خیر موضوع کی طرف آتے ہیں ورنہ یہ بحث اتنی طویل ہو جائے گی کہ اختتام مشکل ہو جائے گا۔

مجید بھائی !میں آپ کی اسٹوریاں پڑھتا رہتا ہوں۔آپ میرے فیورٹ رائیٹر ہیں۔ آپ کا قلم درد کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے ۔ایک التجاء ہے اگر بُرا نہ لگے تو کہوں؟

میرے بھائی التجائیں تو رب تعالیٰ کی ذات سے ہوتیں ہیں۔میرے لئے جو حکم ہے فرمائیں سر!کیا آپ میرے اسٹوری لکھیں گے۔؟

کیوں شرمندہ کرتے ہو۔۔راشد۔۔

سر! میری دلی خواہش تھی کہ آپ سے ملوں۔۔۔آپ سے اپنے دکھ صفحہ قرطاس پر لکھواؤں۔ پلیز سر! مایوس مت کرنا۔۔۔

پھر مجھے راشد لطیف کے لفظوں کی مٹھاس نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ میں راضی ہوگیا۔ راشد لطیف صبرے والا یوں اپنی داستان زندگی سنانے لگا۔ جو آپ لوگوں کی سماعتوں کی نذر کر رہا ہوں۔

بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ سامان نکلا
کچھ افسانے، کہیں غزلوں کا خزانہ نکلا
بند آنکھوں میں بسیرا تھا جو خوابوں کا مرے
جس میں وہ تھا، وہی اک خواب سہانا تھا نکلا
بڑی خوش فہمی تھی، پھولوں سے بھرا ہے دامن
کھول کے دیکھا تو خالی میرا داماں نکلا
آسماں سارا اجالے سے بھرا تھا
مری قسمت کا نہیں تھا، کوئی تارا نکلا
زندگی ساتھ گزاریں گے کہا تھا تم نے!
جو بہانا تھا مسافت کا پرانا نکلا
زندگی گزرے گی تم بن بھلا تنہا کیسے
روٹھنا، منانا ایک خواب پرانا نکلا

میرا نام محمد راشد لطیف ہے۔ ملتان کی تحصیل جلال پور پیروالے کے گاؤں صبرے والا کا رہائشی ہوں۔ غریب گھرانے کا چشم و چراغ ہوں۔ چراغ تو لوگ کہتے ہیں۔ میں تو وہ بجھا ہوا دیا ہوں جو کوڑے کے ڈھیر میں دبا پڑا ہوتا ہے۔ چار بھائی، چار بہنیں ہیں۔ قدرت خداوندی ہے غریب کا آنگن بچوں سے چہکتا ہے اور امیروں کے گھر جہاں دولت کی ریل پیل ہوتی ہے، مربع ہوتے ہیں، ہزاروں میل اراضی ہوتی ہے، جہاں کوئی دکھ، غم، بھوک، پیاس نہیں ہوتی۔ قدرت بھی وہاں مہربان نہیں ہوتی۔ اولاد کے لئے ترستے ہیں، نیلے آمبر والا ایک یا دو بچوں سے نوازتا ہے۔ امیر جو غریبوں کا حق کھا جاتے ہیں، روٹی کا نوالہ دینے کی بجائے نوالہ چھین لیتے ہیں۔ قدرت ان کو دولت دے کر آزماتی ہے اور غریب کو اولاد جیسی نعمت سے مالا مال کر کے پیمانہ صبر چیک کرتی ہے۔

میرے والد خوش مزاج، خوش گفتار تھے، ابو جان! جان نچھاور کرتے تھے تو امی جان بھی صدقے واری ہوتی تھی۔ اولاد میں سب سے لاڈلہ میں ہی تھا۔ امی، ابو کے ہوتے ہوئے زندگی مہربان رہی۔ کوئی غم، کوئی دکھ نہیں تھے۔ بچپن شرارتیں کرتے، اٹکھیلیاں کرتے پل بھر میں گزر گیا۔

کاش بچپن کبھی فنا نہ ہوتا۔ ماں، باپ کا سایہ شفقت ہوتا۔ وہ محبت، چاہت، وہ شرارتیں ہوتی۔ مگر قدرت خداوندی ہے گزرا وقت واپس نہیں آتا۔ وقت کو کوئی روک پایا ہے نہ کوئی روک پائے گا۔ وقت کی تیز لہر میں نجانے کتنے بہہ گئے، کتنے بچھڑ گئے، کتنے دنیا میں آئے، کتنے چلے گئے۔ بے رحم وقت نے معصوم بچوں کے سر سے سایہ شفقت چھین لیا۔ کتنی ماؤں کے لخت جگر نگل گیا۔ کتنی دلہنیں لٹ گئی، کتنے سہاگ چھین لئے گئے۔ کتنے محبوب دشمن جاناں بنے۔

وقت بڑا بے رحم ہے۔ اس جیسا ظالم تو کوئی نہیں ہے دن دیکھتا ہے نہ رات، اپنی ہی مستی میں گم گن گاتا رہتا ہے۔ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ کوئی بھوکا مرے، کوئی بلک بلک کے روئے، کسی کی دنیا لٹ جائے، کسی کی نگری آباد ہو، کسی کی سہاگ رات ماتم و کناں میں بدل جائے۔ مائیں بے آبرو ہوں، بہنوں کی بھائیوں

کے سامنے عزتیں تار تار ہو جائیں۔کوئی کھانستا کھانستا دم توڑ جائے،کوئی بھوکا مر جائے، کسی کے بچے روٹی کے لئے بلک بلک کے بھوکے سو جائیں اسے فرق نہیں پڑتا۔یہ کانوں میں روئی ٹھونسے،تماشائی کی طرح تماشا دیکھتا چپ چپ سرکتا چلا جاتا ہے۔اس کو آج تک نہ کوئی قید کر سکا ہے۔نہ یہ قید ہوتا ہے۔نجانے کتنی قیامتیں ڈھا چکا،کتنی قیامتیں ڈھائے گا،کوئی نہیں جانتا۔کوئی قانون اسے ہتھکڑی نہیں لگا سکا۔کوئی عدالت اسے پابند سلاخل نہیں کرا سکی۔بس اسی فخر وغرور کے ساتھ گزارتا چلا جا رہا ہے۔

کسی کا خیال،کون سی منزل نظر میں ہے
صدیاں گزر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے۔

وقت کی مناسبت سے مجھے بھی اسکول داخل کروایا گیا۔بمشکل پرائمری تک پڑھ سکا۔میری بد نصیبی تھی۔حالات ساز گار تھے نہ وسائل تھے۔ مجبوریوں کی زنجیروں نے جکڑ لیا اور میں نے اسکول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ دیا۔ہم جہاں رہتے ہیں پکا دیہاتی علاقہ ہے۔پسماندہ علاقہ جہاں بنیادی ضروریات زندگی تک میسر نہیں ہیں۔جہاں بڑے بڑے اژدہے قبضہ کیے بیٹھے ہوں وہاں مزدور،باریوں کا کیا حال ہوگا۔؟

قصہ مختصر بچپن خاموشی خاموشی دبے پاؤں غائب ہوگیا۔یوں بچھڑا کہ ہزار کوششوں کے بعد بھی میسر نہ آسکا۔نہ ہی کبھی آئے گا۔کیونکہ گزرا وقت کبھی بھی ہاتھ نہیں آتا اسی طرح بچپن بھی تیز رفتار گاڑی میں بیٹھ کر دور بہت دور چلا گیا۔وقت نے ایسی کایا پلٹی کہ سب کچھ خال خاکستر ہو کر رہ گیا اور میں بڑا ہوگا۔بچپن بچھڑ گیا۔جوانی نے اپنی حسین بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

شروع سے ہی مجھے مذہب سے لگاؤ تھا۔ امی،ابو کو نماز پڑھتے دیکھتا،تلاوت کرتے دیکھتا تو میں بھی ان کی نقل کرنے لگتا۔اسی شوق نے مجھے مدرسے داخل کروایا۔میں نمازی پرہیزی بن گیا۔ تلاوت قرآن مجید معمول بن گیا۔نوافل ادا کرتا۔ رب تعالیٰ سے التجائیں کرتا۔اسی سے مدد مانگتا۔ اسی سے صرف لو تھی۔آج بھی اس کے در کا فقیر ہوں۔میں وہ فقیر نہیں جو کاسہ لئے گلی گلی پیٹ کے لالچی کو پالنے کے لئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔میں تو۔۔۔۔میں تو وہ فقیر ہوں جو رب تعالیٰ سے اپنی اور اہل مسلم کی خیر طلب کرتا ہوں۔بہنوں کے سروں پر چادر سلامت رہے، والدین کا سایہ شفقت ہمیشہ رہے نعمتوں کا نزول ہو۔مسکینوں کے لئے مسیحا بنوں وہ مانگتا ہوں۔ میں صرف اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے نہیں مانگتا۔میں تو نیکیوں کا ترازو بھرنے کے لئے صبح وشام،ہر پل ہر دم مانگتا ہوں۔

میں ستاروں کی ضیا ہوں مجھے جانتے نہیں ہو
میں زمین کی صدا ہوں مجھے جانتے نہیں ہو
مجھے آزمانے والو! اتنا خیال رکھنا
میں رسول ﷺ کا گدا ہوں مجھے جانتے نہیں ہو۔

ماہ رمضان کا خاص اہتمام کرتا۔سارے روزے رکھتا،نوافل ادا کرتا۔مجھے وہ لمحہ،وہ وقت آج بھی یاد ہے۔میں اعتکاف میں تھا۔نماز مغرب کے بعد میرے ابو کے ساتھ ایک مہ جبیں،ایک حسینہ مجھے دیکھنے،مجھے پسند کرنے آئی تھی۔مجھے خبر نہیں تھی۔کیا ماجرا ہے؟ کیا کہانی ہے؟ وہ حسینہ،نصیبوں جلی جس کا نام کوثر تھا۔وہ کوثر جو دل وجان سے مجھ پر فدا تھی۔دل ہار بیٹھی تھی۔محبت کر بیٹھی تھی۔

محبت! تو وہ زہر ہے جو ہر انسان باخوشی پیتا ہے۔ میٹھا زہر ہے جو ہر بشر اپنے اندر انڈلتا ہے۔ محبت کا زہر خون کے ذروں کے ساتھ رگوں میں گردش کرتا ہے۔ محبت نے حضرت آدم علیہ السلام کو نہیں چھوڑا۔ عالی شان جنت سے نکلوایا۔ زمین پر پھیلایا۔ ہم تو ابن آدم ہیں۔ ہمارا زور کہاں چلتا ہے۔ ہر بشر کو محبت ہوتی ہے۔ لیکن محبوب ہر کسی کو نہیں ملتا۔ محبت کا ہونا لازم ہے اور محبوب کا ملنا مقدر ٹھہرا۔ جس کے مقدر اچھے، وہ محبوب پا گیا، ورنہ کئی رانجھے، کئی مجنوں، محبوب کے عشق میں تخت و تاج بھولا بیٹھے ہیں۔

کوثر بھی محبت کی میٹھی ٹھنڈی آگ میں جل رہی تھی۔ وہ آگ جو انسان کو اندر ہی اندر سلگاتی رہتی ہے۔ جس کا دھواں اٹھتا ہے نہ راکھ ہوتی ہے۔ بس دل جلتا ہے، روح تڑپتی ہے، من مچلتا ہے نگاہیں انتظار میں تھکتی ہیں۔ محبت! رولاتی ہے محبت ہنساتی ہے۔ اسی محبت کی تپش نے ہی اسے میرے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ کوثر مجھے دیکھنے، پسند کرنے آئی تھی اور دل ہار گئی۔ مجھ سے شادی کی خواہاں تھی۔ اسی لئے تو ابو کی منت سماجت کر کے ساتھ لائی تھی۔

تم تو آئی ہو کہیں جنت سے
یہ محبت بھی زمانے میں کہاں ملتی ہے

کوثر میری ہی برادری کی ایک سیدھی سادی دیہاتی لڑکی تھی۔ فیشن نہ نخرے سادگی کا عظیم شاہکار تھی۔ بیچاری بدنصیب سے محبت کر بیٹھی تھی۔ اس کو اپنا مان چکی تھی، اس کے خواب آنکھوں میں سجائے بیٹھی تھی۔ اسے کہاں خبر تھی کہ خواب تو ہوتے ہی ٹوٹنے کے لئے ہیں۔ بھلا خواب بھی کبھی پورے ہوئے ہیں۔ وہ بھی محبت کے خواب جو ہمیشہ ٹوٹنے کے لئے ہوتے ہیں۔ بس خواب تو آنکھوں میں بھلے لگتے ہیں۔

لڑکیاں تو ویسے بھی خوابوں کے نگر میں رہتی ہیں۔ دن ہو یا رات، خوابوں کے تانے بانے بنتی رہتی ہیں۔ جن کے مقدر اچھے ہوں ان کے خواب کسی نہ کسی صورت پورے ہو جاتے ہیں۔ نہیں تو بہت سی صحراؤں میں، ریگستانوں میں ریت چھانتی پھرتی ہیں۔ معصوم لڑکیاں کبھی گڑیا، گڈے کی شادی کرواتی ہیں تو کبھی خود کو دلہن کے روپ میں آئینے کے سامنے خواب آنکھوں میں سجائی رہتی ہیں۔ کبھی اپنے شہزادے کے لئے بنتی، سنوارتی رہتی ہیں۔ بیچاری لڑکیاں، معصوم کلیوں کی طرح نازک ہوتی ہیں جن کے خواب ہواؤں سے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ کئی اپنے شہزادے کو دولہے کے روپ میں پا لیتی ہیں اور کوئی محبوب کا روگ من میں لئے امر ہو جاتی ہیں۔ معصوم کلیوں کے خواب بھی معصوم سے ہوتے ہیں جو کبھی پورے نہیں ہوتے، کبھی زمانے کی بھینٹ چڑھتی ہیں، کبھی بھائیوں پر قربان ہوتی ہیں، کبھی باپ کا مان رکھتی ہیں۔ جن کا اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا، کبھی ماں، باپ کے گھر، کبھی بھائیوں کے گھر، کبھی شوہر کے گھر تو در بدر ٹھوکریں کھاتی مٹی کے گھر ہمیشہ کے لئے سو جاتیں ہیں۔

چاہت کے راہ گزر میں تجارت نہیں کرو
ایسا ہی شوق ہے تو محبت نہیں کرو
جب دل سے ہر قصور کو تسلیم کر لیا
لفظوں میں بار بار وضاحت نہیں کرو

بھولی بھالی معصوم سی کوثر بھی محبت کا روگ لئے بستر مرگ کی ہو کر رہ گئی۔ کوثر مجھے پا نہ سکی۔ میں اس کا ہو نہ سکا۔ مسجد کے احاطے میں وہ

لمحہ بھر کی ملاقات، وہ نظروں کی شرمندگی، وہ شرمیلا پن آج بھی میری آنکھوں میں قید ہے۔ ہائے رے محبت تجھے کیا دوش دوں۔

کوثر مجھے دیکھنے کے بعد چلی گئی اور گھر جا کر شادی کا عندیہ دے دیا۔ میرے گھر والے بھی راضی تھے۔ میرے شادی ہو ہی جانی تھی اگر رب تعالی کو منظور ہوتا۔ کہتے ہیں ناں جوڑے تو آسمانو ں پر بنتے ہیں اور زمینوں پر ٹوٹتے ہیں۔ وقت کی تیز آندھی نے خوابوں کا حسین تاج محل مسمار کر دیا۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ وہ محبت، وہ چاہت، وہ الفت زمانے کی ستم ظریفی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اور محبت ہار گئی۔

ہوا کچھ یوں کہ زمانہ دشمن بن گیا۔ کوثر کا بھائی اس رشتے پر راضی نہ ہوا۔ میرے گھر والوں نے بہت کوشش کی، منت سماجت کی، ہر جائز مطالبات ماننے پہ تیار ہوئے، ہر حربہ آزمایا ترلے کیے لیکن کوثر کے بھائی نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور کوثر میری نہ ہو سکی۔ کوثر مجھے پا نہ سکی۔ محبت کا عظیم شاہکار اپنوں کے ظلم کی بھینٹ چڑھ گیا۔ انا پرستی نے محبت کا گلہ گھونٹ دیا۔ کوثر کی محبت کو پرانے رسم و رواج نگل گئے۔ میری محبت کے قاتل زمانے والے بن گئے۔ فرسودہ رسم و رواج، انا، اونچ نیچ کے فرق نے مجھے تنہا کر دیا۔ میری محبت کھو گئی، میری محبت کو چھین لیا گیا۔ ہم آغاز محبت میں ہی لٹ گئے۔ تمام خواب، تمام خواہشات ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئے۔ چاہتوں کا تاج محل انا گردی سے مسمار ہو گیا۔ اپنوں نے پھولوں کی جگہ کانٹوں کے ہار گلے میں سجا دیئے۔ کہتے ہیں دلوں میں نفرتیں آ جائیں تو بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہماری محبت میں نفرت کا پودہ جوان ہو گیا۔ محبت کے جسم میں نفرت کے جراثیم گردش کرنے لگے۔ بالآخر کوثر کی شادی آگے کر دی گئی۔ میرے والدین نے بھی چپ سادھ لی۔

منحصر اہل ستم پر ہی نہیں محسن
لوگ اپنوں کی عنایت سے بھی مرجاتے ہیں۔

میں ماں، باپ کے لاڈ پیار سے بگڑ چکا تھا۔ ادھر سے محبت کے ناسوز زخم سینے میں سجائے آوارگی کو اپنا لیا۔ گھنٹوں تنہائی میں بیٹھے اپنی بے بسی، اپنی قسمت پر آنسوؤں کی مہم سر کرتا رہتا۔ کبھی الزام اپنے سر لے لیتا تو کبھی زمانے کو بے وفا کہتا۔ کبھی محبوب کو ہی کوسنے لگتا۔ جو ہوا سو ہوا، ماتم کیسا، اشک باری کیسی، دل کے دروازے پر پتھر رکھ کر اپنے دل کو زنجیروں سے جکڑ دیا۔ خاموشی کو پہلو میں بیٹھا لیا۔ خاموش تماشائی بنے، زندہ لاش کی طرح چلتا پھرتا رہا۔ کچھ مل گیا کھا لیا، نہ ملا شکوہ کیسا، گلہ کیسا۔ محبت کے کشکول گلے میں لٹکے رہ گئے۔ دوستوں کی محفلیں جاتی رہی، ہنسی کو کب کا بیاہ دیا تھا۔ دل کی بستی پر آسیب نے قبضہ کر لیا تھا۔ دکھ، درد، آہیں، آنسو، سسکیاں، شب و روز مہمان ہوئے۔ زندگی کی گاڑی ہچکولے کھاتی، لڑکھڑاتی، ڈگمگاتی چلتی رہی۔

میری آوارگی، تنہائی کو مد نظر رکھ کر میرے والدین نے میرے گلے میں شادی کا طوق ڈالنے کا ایک دفعہ پھر ارادہ کر لیا اور پھر اپنے ہی رشتے داروں میں ایک مہ جبیں کو میرے ساتھ منسوب کر دیا۔ وہ مہ جبیں میری ہم سفر، میری بیوی بن کر دل پر قبضہ کر گئی۔

محبت کا چلا پھر سلسلہ ہے

کسی سے بعد مدت دل ملا ہے
اے دنیا بیچ میں نہ آ ہمارے
یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے

ایمان بوڑھے ماں، باپ کی بیٹی تھی۔ ہنس مکھ، صابر و شاکر، انس و محبت والی کیا تعریف کروں اس کرماں والی کی جس نے میری بکھرتی زندگی کو پھر سے سمیٹ لیا۔ جس نے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھا کر دل کے گلدان میں سجا لیا۔ اس کی محبت نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ سہاگ رات، ارمانوں کی رات، سپنوں کی رات، محبت کی رات میں اس نے میرے قدم چھو کر وفاداری کا ثبوت دے دیا۔ میں نے تمام غم بھلا کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

ایمان! میرے سینے سے لگی، اپنی گزری زندگی کی داستان سناتی رہی۔ میں اس کے ہر لفظ پر قربان ہوتا رہا۔ میری طرح وہ بھی غم زدہ تھی، اپنوں کی ستائی ہوئی، محبت کی ترسی ہوئی، محبت کی طلب گار، خون کے رشتوں کے غم اسے کالی سیاہ رات کی طرح لمحہ لمحہ ڈستے رہے تھے۔

یہ رات، خوشبوؤں کی رات، ارمانوں کی رات، خوابوں بھری رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی اور ہم ایک دوسرے کے غموں کا مداوہ کرتے مستقبل کے پلان بناتے رہے۔ عہد و پیمان ہوئے۔ ہر ستم سہنے کا ایک دوسرے کو حوصلہ دیا۔ ہاتھوں میں ہاتھ تھام کر عہد وفا کیے۔ ایک دوسرے کے رفیق بن کر زندگی بسر کریں گے۔ ہزاروں وعدے، ہزاروں ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی۔

رات دھیرے دھیرے روشنی کی چاہ میں سرکتی رہی اور یوں چاند ستاروں کو لے کر چھپ گیا۔ نور کا بادشاہ چاند اپنی رعایا کو لئے سونے چلا گیا۔ ساری رات کا تھکا چاند محو خرگوش ہو گیا اور سورج اپنی کرنیں روح زمین پر بکھیرنے کے لئے بے تاب پھڑ پھڑا رہا تھا۔ پرندوں نے رب کی حمد و ثنا کر کے صبح ہونے کی نوید سنا دی۔ تبھی ہمارے دروازے پر دستک ہوئی۔

دلہن کی سہیلی کہہ رہی تھی۔ اب بس کر دو پریموں، کچھ لمحے دل کے نہہ خانوں میں جمع رکھو ساری زندگی پڑی ہے پھر لیلیٰ مجنوں بنتے رہنا۔ ہیر رانجھے کی داستان سناتے رہنا۔ خواب بنتے رہنا۔ یوں رات گزر گئی۔ ہاں سہاگ رات اپنا سفر مکمل کر گئی۔ آنکھیں پہرہ دے دے کر تھک سی گئی۔ اب آرام چاہتی تھیں مگر دن ہو چکا تھا، بہت سے کام کرنے تھے سو، سو نہ سکے۔

دن کیا ہوا۔ دنیا کی رنگینوں میں گم ہو گئے۔ دوستوں نے خوب مذاق اڑایا۔ یہ رات، یہ دن بھی زندگی کا یادگار لمحہ بن کر گزر گیا۔ شادی کے ہنگامے ختم ہوئے تو زندگی خوشی خوشی خراما خراما، منزل کی طرف محو سفر ہوئی۔

اندر کی ٹوٹ پھوٹ نے ویران کر دیا
ورنہ ہمیں بھی ناز تھا، ہم آفتاب تھے

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ زندگی یاد ماضی، عذاب ماضی سے چھٹکارا حاصل کر چکی تھی کہ ظالم ہوا کے جھونکے نے تنکوں کی بنی جھونپڑی کو مسمار کر دیا۔ تنکا تنکا بکھر کر رہ گیا۔ منہ زور طوفان نے میری بستی کو خاک آلودہ کر دیا۔ میرا سایہ شفقت چھین کر لے گئی۔ میرا سائبان چھین لیا گیا۔

وہ معمول کی صبح تھی۔ جس دن میرے پاپا مجھے بے سہارا کر گئے۔ رب تعالیٰ کی طرف لوٹنے

کا وقت آچکا تھا۔ میرے ابو مجھے بلکتا، سسکتا، تڑپتا، آنسوؤں کے حوالے کر کے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ابدی نیند سو گئے۔ ایسی نیند جس سے آج تک کوئی نہیں جاگا اور نہ ہی کوئی جاگ پائے گا۔ یوں بے رحم وقت نے مجھے بھری دنیا میں تنہا کر دیا۔

نجانے خوشیوؤں کی گھڑیاں مختصر کیوں ہوتی ہیں۔ پل بھر میں گزر جاتی ہیں۔ کیا خوشیوؤں کی زندگی اتنی ہی ہوتی ہیں۔؟ ابھی تو بہت سے ارمان پورے کرنے تھے۔ ابو جی سے بہت سی فرمائشیں پوری کروانی تھیں۔ لیکن ملک الموت نے سب کام ادھورے چھوڑ وا دیئے۔

یہ دنیا ہے ہی بے وفا، پل میں بدل جاتی ہے۔ دوست، دشمن بن جاتے ہیں۔ اپنے غیر ہو جاتے ہیں۔ سپنے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ارمان بکھر جاتے ہیں۔ دامن چھوٹ جاتے ہیں۔ پل میں کچھ، لمحے میں کچھ، سب ہوا کا جھونکا ہے، سب پانی کا بلبلا ہے۔

خوشیاں، ماتم میں کیسے بدلتی ہیں۔ مسکراتے چہرے اداسی کا لبادہ کیسے اوڑھتے ہیں؟ اپنے غیر کیسے ہوتے ہیں، ظلمت کے پہاڑ کیسے گرتے ہیں۔ مجھ سے پوچھیئے۔ لوگوں کے ہجوم نے میرے ابو جان کو کندھوں پر اٹھا کر آخری آرام گاہ، شہر خموشاں لے گئے۔ رات کے اندھیرا اپنے پر پھیلانے کو تھا جب ہم ابو جان کو سپرد مٹی کر کے گھروں کو لوٹے۔ سناٹا سکون تھا وہاں، خاموشی ہی خاموشی۔ جیسے سارے عالم پر سکتہ کا عالم ہو۔ سبھی چپ کا روزہ رکھے ہوئے تھے۔ نہ شور و شرابا، نہ غم والم، پرسکون ماحول، سناٹا ہی سناٹا، اسی لیئے تو اسے شہر خموشاں کہا جاتا ہے۔

ابو جان نے فانی دنیا سے پردہ کیا کیا۔ میری زندگی عذاب بن گئی۔ اپنوں کے ستم تیز دھار خنجر کی طرح جگر کو زخمی کرتے رہے۔

ابو کی وفات کو چند دن ہی ہوئے تھے کہ بھائیوں نے ظلمت کی انتہا کر دی۔ مجھے اور میری بیوی کو گھر سے دھکے دے کر نکال دیا۔ اپنا خون یوں سفید ہو جائے گا۔ خبر نہیں تھی۔ ایک ہی آنگن میں کھیلنے والے دشمن جان بن گئے تھے۔ ایک ہی بطن سے جنم لینے والے نفرتوں کے انبار لگا رہے تھے۔ بچپن میں ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے اب جان کے دشمن بن گئے تھے۔ ایک ہی آنگن میں انگلیاں پکڑ کر کھیلنے والوں نے گھر سے نکال دیا۔ ایک وقت کا آنا تک مجھے نہ ملا۔ کچھ کھانے کو ملا نہ کچھ پینے کو ملا۔ کیسا وقت تھا آسمان بھی رو دیا تھا۔ زمین بھی بے بسی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھی۔

ابو جان حیات تھے تو کوئی غم نہیں تھا۔ کہاں سے آ رہا ہے؟ کہاں سے کھا رہے ہیں خبر نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب۔۔۔۔۔۔ اب میں برسر روزگار نہیں تھا۔ نہ کوئی ہنر تھا۔ مرتا کیا کرتا۔ بھائیوں نے وہ ظلم ڈھائے جو غیر بھی نہیں کرتے۔ میری زندگی یہ دن بھی دکھائے گی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

بدن پر جو کپڑے زیب تن تھے انہی کے ساتھ بیوی کو لئے، بے سرو سامان بچپن کے گھر سے نکل آیا۔ میرا تھا ہی کون؟ جس کی مدد لیتا۔ جب ماں کے پیٹ سے جنم لینے والوں نے وفا نہیں کی تھی باقی کون تھا جو غریب کو سہارا دیتا۔ کسی اپنے کو رحم نہ آیا۔ بس ایک دوست تھا جس نے ان دنوں میری مدد کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس

کو اجر عظیم عطا کرے۔

نصیبوں جلی ایمان نے کہا سرتاج اگر برا نہ لگے تو چلو امی، ابو کے گھر چلتے ہیں۔

میں وفا کی دیوی کو لئے اپنے سسرال آگیا۔ سسرال میں میری ساس اور سسر ہی تھے۔ میرے سالے کب کے ماں، باپ کو چھوڑ کر اپنی بیوؤں کی زلفوں کے اسیر ہو گئے تھے۔ ماں، باپ سے الگ ہو گئے پھر خبر تک نہیں لی۔ ماں، باپ زندہ بھی ہیں یا مر گئے ہیں۔ کیسا زمانہ آگیا دنیا زمین سے آسمان پر پہنچ گئی مگر والدین کی قدر کرنی نہیں آئی۔ بیٹا عالم، حافظ قرآن تو بن گیا مگر ماں، باپ کے ساتھ حسن وسلوک نہ رکھ سکا۔ ان آنکھوں نے دیکھا ہے ماں، بستر مرگ پر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے اور بیٹے حج کو جا رہے ہیں۔ گھر میں دعوتیں ہو رہی ہیں، لوگوں کا ہجوم سا ہے، مبارکاں مبارکاں کی آوازیں گونج رہی ہیں مگر ماں، کالی کوٹھری میں قید پڑی ہے کوئی خبر نہیں لیتا۔ اس حج کا کیا فائدہ جو دکھاوے کی جائے۔ زمانے کے مفتی بن گئے، عالم، قاری بن گئے مگر گھر میں بوڑھے ماں، باپ ان کی راہیں دیکھ رہے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ نمازوں میں سرور نہیں آتا، دعائیں قبول نہیں ہوتی، کوئی کام ٹھیک نہیں ہوتا۔ ارے کم عقلوں دنیا کے رنگینوں سے نظریں ہٹا کر گھر میں تو دیکھو۔ تمھاری جنت بھی یہی پر ہے، تمھاری حج بھی یہاں ہو جائے گی، تمھاری دعائیں بھی قبول ہو جائیں گی بس اپنے ماں، باپ کی خدمت کر لو، ان کے ساتھ حسن وسلوک سے پیش آؤ۔

ایمان ہی تھی جو بوڑھے ماں، باپ کی خدمت، دیکھ بھال کر رہی تھی۔ سسر آنکھوں سے نابینا تھے۔ چارپائی پر پڑے کھانستے رہتے تھے۔ ساس، وہ بھی بوڑھی ہڈیاں کرتی بھی تو کیا؟ بس کچے مکان کے مکین تھے۔ جب سے دلہن بن کر آئی تھی۔ یہی رہ رہی تھی۔ اولادیں جوان ہو گئیں، ان کی بھی اولادیں ہو گئیں۔ اس نے اپنا مسکن نہیں چھوڑا۔ بوڑھی ہڈیاں اب کچھ کرنے سے تو رہی بس مصلے پر بیٹھی تسبیح کرتی رہتی تھی۔ سسر چارپائی پر لگے زندگی کے بقیہ ایام گزار رہے تھے۔ دونوں میاں، بیوی چند گز پر مشتمل کچی کوٹھری میں مقیم تھے۔ اس کچی کوٹھری میں اضافہ ہوگیا تھا اب ہم بھی تو آگئے تھے۔ ہمیں بس سر ڈھانپنے کے لئے چھت کا سہارا چاہیے تھا جو مل گیا تھا۔

ایمان، میری بیوی ان کی خدمت میں جت گئی اور میں روزگار کی تلاش میں نکل پڑا۔ بیوی تھی، ساس، سسر تھے اور دکھوں کا مارا راشد لطیف تھا یہی کل کائنات تھی جس کا میں واحد کفیل تھی۔ میں مزدوری کرنے لگا۔ جاگیرداروں کے کھیت، یا زمینداروں کی اونچی حویلیاں ہوں ان کی بدزبانی سنتے، گالیاں کھاتے، پیٹ کا دوزاخ بھرنے کے لئے دو وقت کی روٹی کی جدوجہد کرتا رہا۔ اسی بے رحم وقت کی تیز لہروں میں بہتا ہوا میں تین بچوں کا باپ بن گیا۔

میری بیوی صابر وشاکر تھی۔ ہر لمحہ، ہر پل میرا ساتھ دیا۔ میرے چہرے پر اداسی، مایوسی کے بادل منڈلانے لگتے تو اپنی زلفوں کے سائے تلے ڈھانپ لیتی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا میں جاگیرداروں سے تنگ آکر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر لاہور کام کرنے چلا گیا۔ دوستوں کی محفلیں خوش تو کرتی تھی مگر بچوں کا خیال آتے ہی

سب کچھ بھول جاتا۔ ویسے بھی فیکٹریاں ہوں یا چڑیا گھر ایک سے ہوتے ہیں۔ چڑیا گھر کی طرح فیکٹریوں میں مختلف طبقے کے لوگ ہوتے ہیں۔ کئی دل جلانے والے، کئی زخم دینے والے، کئی مرہم رکھنے والے، کئی زخموں کو مندمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ میں داتا کی نگری میں اپنے بچوں کا رزق تلاش کرتا رہا۔ داتا دربار حاضری بھی دی۔ فاتحہ خوانی کی اپنی پریشانیوں کا حل اور بچوں کا رزق داتا کے وسیلے سے رب تعالیٰ سے مانگا۔ دعا قبول ہوئی کام بھی مل گیا تھا کچھ عرصہ کام کیا پھر بچوں کی جدائی برداشت نہ ہوئی تو کام چھوڑ کر گھر کو لوٹ آیا۔

راشد لطیف اپنی داستان غم سنا رہا تھا۔ اشکوں کی لڑیاں بنتی رہی اتنے میں ریل گاڑی نے روکنے کا عندیہ دے دیا۔ یہ غالباً روڑی کا اسٹیشن تھا۔ بھوک بھی عروج پر تھی۔ ریل گاڑی کے روکتے ہی ہم نیچے اتر آئے۔ چند قدم ادھر ادھر گھومتے رہے۔ کھانے کے لئے معمولی سی شاپنگ کی اور پھر اپنی سیٹوں پر آکر بیٹھ گئے۔ ٹرین چلنے میں تھوڑی دیر تھی۔ مسافر ایک ایک کرکے واپس اپنی اپنی نشستوں پر آکر بیٹھ رہے تھے۔ ہم نے چند نوالے زہر مار کیے، بھوک کی آگ کچھ بجھ سی گئی رب تعالیٰ کا شکرادا کیا۔ اتنے میں ٹرین نے چلنے کے لئے وسل دی اور پھر خراماں خراماں چلنے لگی۔ لمحوں میں تیز سے تیز ہوتی ٹرین منزل کی طرف محو سفر ہوئی۔

میں نے راشد سے کہا۔ آگے کیا ہوا۔ اب کہاں جا رہے ہو؟

راشد لطیف نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا۔ مجید بھائی! ہمارے گھر کے ساتھ جو لوگ رہتے ہیں ان کے چال چلن ٹھیک نہیں ہیں۔ وہ مکروہ دھندا کرتے ہیں۔ غلط کاروبار غریب بے بس آنکھیں سب دیکھتی رہتی ہیں۔ ادھر میرے سالے اپنی بہن کو آئے روز لڑتے رہتے ہیں کہ تم نے ماں باپ کی زمین پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ ہماری ہے ہمارا ہی حق ہے تم جان کیوں نہیں چھوڑ جاتی۔؟ اسی غم میں، میں کراچی جا رہا ہوں۔ سنا رکھا ہے یہاں روزگار اچھا مل جاتا ہے، روزی کما کر اپنے بچوں کا مستقبل روشن کروں گا اور کرماں والی ایمان کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس بلوا لوں گا۔ اپنا گھر ہوگا۔ کوئی روکنے والا نہیں ہوگا نہ کسی کا ڈر ہوگا۔ انہی لفظوں کے ساتھ میں نے راشد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں روشن تھیں۔ سپنوں سے جھلملاتی آنکھیں آنسوؤں سے تر بہ تر تھیں۔

ٹرین اپنا سفر مکمل کر چکی تھی۔ کراچی آگیا تھا۔ روشنیوں کا شہر آ گیا تھا۔ ہم اپنی نشستیں چھوڑ کر نیچے اتر رہے تھے۔ ٹرین ہمیں چھوڑ چکی تھی اور ہم ماضی کو بھولنے کا عہد کرکے نئے پلان بنا چکے تھے۔ حالات سے لڑنے کا، دشمنوں کی چالوں کا جواب دینے کا، ہر طوفان کا رخ بدلنے کا، ہر ستم کا مقابلہ کرنے کا عزم کیے منزل کی تلاش میں نکل پڑے۔

الوداع ہوتے میں نے راشد کو مخاطب کیا ۔ راشد! جس کرماں والی نے تیرا ساتھ دیا ہے اسے کبھی غم نہ دینا، کراچی کی روشنیوں میں گم ہو کر ایمان کو بے سہارا نہ کرنا۔ کراچی بڑا آزاد ہے تم اپنوں کو بھول نہ جانا۔ ایمان کو لمحہ لمحہ یاد رکھنا۔ میں راشد کو نصیحتیں کر رہا تھا۔

انشاءاللہ! مجید بھائی، راشد نے جذبہ محبت سے سرشار ہوکر جواب دیا۔

اتنے میں میرا موبائل بج اٹھا میں جو اپنے رشتے داروں کو کراچی ائر پورٹ سے لینے گیا تھا ان کی طرف سے سندیہ تھا کہ جہاز کراچی کی سرزمین پر اتر چکا ہے۔ میں نے راشد کو اپنا موبائل نمبر، ایڈریس دیتے ہوئے اُمید وفا کے ساتھ بغل گیر ہوا۔ نیک خواہشات کے ساتھ ہم اپنی اپنی منزل کی گامزن ہوگئے۔

قارئین یہ تھی راشد لطیف صبرے والے کی داستان۔ راشد لطیف کی صورت مجھے ایک سچا، پکا دوست مل گیا اور راشد کو دکھ سکھ شیئر کرنے والا مل گیا۔ تب سے آج تک ہم مخلص دوست ہیں اور رہیں گے زندگی کے دکھ سکھ کے ساتھ، ایک دوسرے کے لئے مسیحا،

راشد کو درد مسیحا مل چکا تھا، اور راشد کہہ رہا تھا اب مجھے کسی مسیحا کی تلاش نہیں رہی مجھے مسیحا مل گیا۔ قارئین راشد لطیف کو زندگی میں ہزاروں ملے مگر صفحہ قرطاس پر بکھیرنے کے لئے جگر چاہے جو میرے پاس نہیں ہے۔ وہ جگر، وہ حوصلہ کہاں سے لے آؤں، وہ ہمت، وہ طاقت میرے پاس نہیں ہے۔ بس دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ راشد لطیف کا حامی و ناصر ہو اور رحمتوں کا نزول رہے۔ آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی خوشبوؤں سے بھر دے اور غموں کا دور دور تک نام و نشان نہ ہو آمین ثم آمین۔ اس غزل کے ساتھ اجازت طلب ہوں

اندھیروں کا سفر ہے اور میں ہوں
کٹھن اک راہ گزر ہے اور میں ہوں
نہیں ملتے سحر کے کوئی آثار
ادھر ظلمت کا گھر ہے اور میں ہوں
دیئے سب بجھ گئے ہیں ٹمٹما کر
ابھی روٹھی سحر ہے اور میں ہوں
شب تیرہ کے جگ راتوں سے مرا
ابھی مخمور سر ہے اور میں ہوں
محبت کے ہر اک جذبے سے خالی
ترا ظالم نگر ہے اور میں ہوں
مرے کاندھے پہ ہے حسرت کا لاشہ
وفا کا یہ ثمر ہے اور میں ہوں
ادھر مہکی بہاریں اور تو ہے
ادھر زخم جگر اور میں ہوں
سبھی باسی گلی کے سو گئے ہیں
کھلا بس ایک در ہے اور میں ہوں

آپ سب کا بھائی
مجید احمد جائی
ظہور سویٹ اڈہ بلی والا، چاہ جائی والا، مین بہاول پور روڈ تحصیل و ضلع ملتان

دل کے زخم

وہ خواب بکھر گئے جو پلکوں پہ سجائے ہم نے
بجھ گئے وہ چراغ جو محبت کے جلائے ہم نے
ہمارے دل میں لگی آگ پھر بھی نہ بجھ سکی
بجھانے کے لیے کتنے اشک بہائے ہم نے
جی بھر کے ہم تنہائی میں بہاتے ہیں آنسو
محفل میں جھلک پڑے لاکھ چھپائے ہم نے
وہی پھول آج ہم کو کانٹے بن کے چبھے
جو پلکوں پہ اپنی تھے سجائے ہم نے
ذرا ٹھہرے ذرا رکیے ذرا سنیے ساگر
ابھی کہاں اپنے دل کے زخم دکھائے ہم نے

بلاعنوان

تحریر: احمد حسن عرضی۔ قبولہ شریف

چودھویں رات کو تم نے ایک ورد پڑھنا ہے سرخ پتھر پہ بیٹھ کر تمہارے قریب بہت سی چیزیں آئیں گی۔ تمہیں ڈرانے کے لیے مگر تم نے ڈرنا نہیں ہے اور سو مرتبہ وہ ورد پڑھنا ہے پھر اسی رات سرخ پتھر کے درمیان تین شیش ناگ نکلیں گے اور آپس میں کھیلیں گے تم نے ان تینوں کی گردن کاٹ کر پیلے رنگ کے رومال میں باندھ لینی ہیں اگر ایک ایک سانپ بھی بچ گیا تم کبھی بھی کوہ قاف کی وادی سے باہر نہیں نکل سکو گے اور سانپ اتنے زہریلے ہیں کہ اگر پتھر کو بھی ڈنگ لیں تو وہ چور چور ہو جائے گا سانپ کا نام ہی سنکچور ہے اس کے بعد ان تینوں سانپوں کی گردنوں کو سنبھال کر سرخ پتھر پر بیٹھ کر وہی ورد کرنا ہے اس کے بعد اسی میدان میں دو بڑے بڑے کانوں اور دانتوں والی بلائیں نکلیں گی وہ تمہیں مارنے کی کوشش کریں گی بلاؤں کے جسم پر کسی چوٹ کا اثر نہیں ہوگا۔ صرف ان کے سر پر اگر چوٹ لگے وہ بھی درمیان میں تو دونوں بلائیں مر سکتی ہیں جب بلائیں مر جائیں تو ان کا سینہ چیر کر ان کا دل نکال لینا ہے ان کا دل زندہ ہوگا تم نے پھر اسی سرخ پتھر پر آ جانا ہے اور وہی ورد دو سو مرتبہ پڑھنا

جب مائیں بچوں کو صداؤں مین رکھنا چھوڑ دیں تو بچے گم ہو جایا کرتے ہیں اور جب راستے ہی سفر چھپانا شروع کر دیں تو قدموں کے کارواں بے توقیر ہو جایا کرتے ہیں شاید وہ صحیح کہتی تھی سفر ہوتا ہی پگڈنڈیوں کا ہے باقی تو صرف دھول اڑتی ہے جب بیک وقت کئی مناظر آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں اور اطراف میں کھیل تماشے اور میلے ہوں تو سفر رک جاتا ہے اور پھر کوئی منزل تک نہیں پہنچ سکتا اور جب منزل نہ ملے تو زندگی اجنبی ہو کر کوری کتاب بن جایا کرتی ہے جس کا کوئی عنوان ہی نہیں ہوتا۔

میری ذات کے ساتھ کئی ایلیے وابستہ ہیں ابھی آنکھوں کی عدت پوری نہیں ہوتی کہ ایک اور خواب مٹی اوڑھ لیتا ہے کبھی کبھی دل و دماغ کی سرزمین بنجر ہو جاتی ہے اور پھر اس ریگستان میں عرصہ دراز تک خوابوں اور خیالوں کی فصل نہیں اگتی مجھے یوں لگتا ہے میری زندگی صرف پیاس کی وجہ سے ہے میں جس دن میراب ہوا مر جاؤں گا۔ مجھے مادے سے نفرت اور انسانون سے محبت ہے مگر مجھے انسانوں کو ڈھونڈنے میں تاریخ میں جانا پڑتا ہے اگرچہ میں سگ گزیدہ اور مردم گزیدہ ہوں مگر میرا دل چاہتا ہے کہ پیاسے ہونٹوں کے مقبروں پر شفاف میٹھے چشموں کے ہار ڈالوں نجانے میرا دل یہ کیوں چاہتا ہے کوئی تو مجھ کو بھی ایسا ملے جو مجھ کو مجھ سے بھی زیادہ چاہے کوئی تو مجھ سے لپٹ کر ایسا بھی روئے کہ مجھ کو ہی مار ڈالنے کوئی تو مجھ کو بھی ایسا کندھا ملے جس پر میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روؤں اور تتلی سے بھی ہلکا ہو جاؤں کوئی تو مجھے ایسا بھی ملے جو مجھے ریشمی لہجے میں پکاورے اور میرے ہونٹوں پر کھڑی



فصیلوں کو گرا دے کوئی تو ایسا ہو بھی کہ جس کی مہکتی یاد میرے دل کے کاسنی زینے پر دبے پاؤں اتر کر بیٹھ جائے۔

دیئے کی بینائی دھندلا گئی تھی سیاہ شب نے صبح کا آنچل اوڑھ لیا تھا مگر آج بھی میری آنکھوں کی خواب گاہ میں نیند کی پریاں نہیں اتری تھیں جب باد صبا نے میری پلکوں کی ردا کو چھیڑا تو میں سوچ رہا تھا میں کتنا سادہ تھا مکان بھی بنایا تو صرف ستون کا اور جب وہی ایک تھم گرا تو سارا مکان ہی ملبہ بن گیا اور میں اس مکان کے ملبے تلے دبا ہوا سوچ رہا ہوں کہ میں کون ہوں میں خود سے اجنبی کیسے ہوا۔ لوگ مجھ سے اجنبی کیوں ہوئے۔

کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ مین نفرت کے اظہار میں بدلحاظ اور محبت کے اظہار میں گونگا تھا کہیں میرا کوئی لمحہ محبت کے بغیر تو نہیں گزر گیا کہیں میں نے تجارت کو محبت پر ترجیح تو نہیں دے دی میری ماں نے مجھے صداؤں میں رکھنا کیوں چھوڑا شاید مجھ سے غلطی ہوگئی تھی میں اسے یقین دلا بیٹھا تھا کہ اب میں بڑا ہو چکا ہوں اب مجھے فیصلوں کا اختیار مل گیا ہے۔ فضاؤں مین لہراتی ہر پتنگ کو بھی یہ زعم ہو جاتا ہے کہ اب اسے ڈور کی ضرورت نہیں میں کیا ہوں کنواں پیاسا ڈول۔ مگر ان تینوں کا آپس میں تعلق کیسے بنا۔

وہ سچ کہتی تھی کہ بلندیوں کے سحر میں تم مجھ کو چھوڑ کر جا تو رہے ہو مگر یاد رکھنا کنویں کو معتبر ہمیشہ پیاس ہی بناتی ہے میں اس کی بات سمجھ نہ سکا کیوں کہ میں غلام کا بیٹا تھا غلامی ذہنوں کو صحرا بنا دیتی ہے تو لہجوں کو دسمبر جیسا سرد کر دیتی ہے غلام کے پاس تعبیر دیکھنے والی آنکھ نہیں ہوتی غلام کو آزاد بھی کر دو تو وہ صدیوں من وسلویٰ کا غلام رہے گا اسے پنجرے مین پری سونے کی کٹوری بھائی رہے گی ایک انجانے خوف کا بھوت اس کا پیچھا کرتا رہے گا میرے پاس آنکھ ہوتی تو میں سمجھ پاتا کہ میرے قائد نے تو مجھے ملک نہیں ایک مینار والی مسجد لے کر دی تھی جس کے باسیوں کا مذہب پاکستان اور دین اسلام ہونا چاہیے تھا مگر میں غلام ہی رہا اور اس سجدہ کا احترام نہ کر سکا یہ ایک درویش کی طرف سے تحفہ تھا مگر میں اس تحفے کی قدر نہ کر سکا اور ناقدرا اور بے مروت کہلایا یہ ملک ایک عہد تھا۔ جسے میں ایفا نہ کر سکا اور پھر آسمان والا شاید ہم سے ناراض ہو گیا شاید اسی لیے ہمار ے دلوں کی گلیاں سونی پڑی ہیں ہمارے گھر مکان بن گئے ہیں اب کوئی کوا منڈیر پر آ کر نہیں بولتا ہماری درس گہوں کی فصلیں بادلوں کو چھو رہی ہیں جون میں بھی خوف کی دھند نہیں چھٹتی وہ کہتی تھی کہ جب انسان مادہ بن جائے اور سر نہ رکھنے والے بھی خود سر ہو جائیں تو فطرت انتقام لیتی ہے اور پھر برف راستوں پر جمے خواب بھی نہیں پگھلتے گیٹوں میں سجے پھول کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنتے اور مرجھا جایا کرتے ہیں اور پھر لفظوں کا سفر قوموں کو تھکا دیتا ہے ہر شخص دوسرے کیلئے اجنبی بن جاتا ہے لفظ کنکر اور لہجے آتش فشاں بن جاتے ہیں تہذیبیں وحشت میں بدل جاتی ہیں انسان انسانوں کو نگلنا شروع کر دیتے ہیں ماں اپنی مالکن کو جنم دینے لگتی ہے منزلیں خواب اور راستے سراب بن جاتے ہیں دل مردہ اور غم زندہ ہو جاتے ہیں خامشی کا اژدھا سب کو نگل جاتا ہے سناٹا کاٹنے کو دوڑتا ہے اور پھر انسان خاموش چٹانوں سے جا کر زور زور سے بولتا ہے اور دیر

تلک ان کی گونج سن کر خود کو زندہ ہونے کا احساس دلانے کی کوشش کرتا ہے۔اور پھر وہ چلی گئی اب اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر آنچل سارا بھیگ چکا تھا جاتے جاتے اس نے میرے آنگن میں لگے پیڑ کو دیکھا اور بولی۔

سنو۔شجار کو بھی رداؤں کی ضرورت ہوتی ہے وگرنہ ان کے پتے بکھر جاتے ہیں تم بھی تاجر ہی نکلے جو کہتے ہو مجھے محبت میں کیا ملا محبت تو خود ایک منزل ہے اس میں حاصل یا لاحاصل کا ذکر کیسا۔تمہارے اندر بے یقینی کا اندھیرا کیوں ہے یادوں کے چراغ تو سارے اندھیرے مٹا دیتے ہیں محبت کے بغیر زندگی گزرنے والے معاشرے مرنے والوں پر نہیں جینے والوں کی بے کسی پر روتے ہیں اور یاد رکھو سیلاب کے بہاؤ کے ساتھ بہنے والے تنکوں کو اور محبت کے بغیر زندگی کا کوئی عنوان نہیں ہوتا یہ بلا عنوان رہتے ہیں۔

کئی دنوں سے اخبار کے ایڈیٹر کا فون آرہا تھا کہ میگزین کے لیے کوئی نیا افسانہ بھیجیں مگر نہ جانے کیوں کئی مہینوں سے ذہن ماؤف سا ہو گیا تھا کوئی نیا آئیڈیا کوئی نیا خیال نہیں آرہا تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے وقت تھم گیا ہو ذہن کی زمین بنجر ہو کئی بار قلم اٹھایا بھی مگر کوئی نئی سوچ نہیں آئی اور قلم دوبارہ رکھ دیا کبھی کرداروں کا ایک ہجوم میرے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتا ہے اور التجا کرتا تھا کہ میری کہانی لکھو۔لیکن اب میرے بلانے پر بھی آنے کو تیار نہ تھے اور گونگے بن گئے تھے کبھی رات ہوتے ہی لفظوں کا ایک اژدھام میری خواب گاہ میں پہنچ جاتا تھا مگر اب ان سب کے چہروں پر بے رخی تھی ۔شاید زمینوں کی طرح ذہنوں پر بھی موسم خزاں آتا ہے۔

پھر میں نے سوچا دوسرے لکھنے والوں کی طرح میں بھی لکھوں کہ وہ ایک غریب لڑکی تھی اس پر سسرال والے جہیز کم لانے پر ظلم کرتے تھے اور پھر ایک اور چولہا پھٹ گیا مگر پھر میں نے سوچا جب ہم اللہ کے دیئے حق وراثت کو چھوڑ کر ایک غیر اسلامی جہیز کی رسم کو اپنائیں گے تو پھر نتائج بھی ایسے ہی نکلیں گے۔

پھر سوچا کیوں نہ ایک مظلوم مزارع کی کہانی لکھوں کہ وہ ایک غریب مزارع تھا اس کا وڈیرہ جاگیردار اس پر بہت ظلم کرتا تھا اسے بہت کم معاوضہ دیتا تھا جس سے اس کی دو وقت کی روٹی بمشکل پوری ہوتی تھی پھر خیال آیا کہ مظلوم سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہوتا جو ظلم سہہ کر ظالم کا حوصلہ بڑھا دیتا ہے کہ وہ دوسروں پر بھی اسی طرح ظلم کرے اللہ کی زمین بہت وسیع ہے اور ہجرت میں برکت بھی ہے یہ مزارع اپنے رب کو نہ پہچان سکا اسے بھی دے گا۔جو اس کے وڈیرے کو بھی رزق دیتا ہے تو یقیناً اسے بھی دے گا پھر سوچا عورت کی مظلومیت پر لکھوں حقوق نسواں پر لکھوں کہ عورت بہت مظلوم ہے وہ باہر سے ملنے والا ظلم اپنے اوپر برداشت کرتی ہے پھر خیال نے چاک مارا کہ مرد بھی تو مظلوم ہیں وہ باہر ملنے والا ظلم گھر میں منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے ساس بہو کی لڑائی تو کیا عورت ہی عورت کی دشمن ہے اتنے دشمن رکھنے والا یقیناً کم زور ہو جائے گا اور ظلم کا شکار ہو گا پھر میں نے سوچا اس بچے پر لکھوں جس کو میں کل گاؤں میں دیکھا تھا اس ننھے سے بچے کو اس کی ماں گھر دیر سے آنے پر مار رہی تھی اور وہ ماں کے ساتھ ہی چمٹتا اور لپٹتا جا رہا تھا اور پھر ماں نے اسے سینے سے لگا لیا اور خود بھی رونے لگ گئی

اور بولی۔

پتر۔ میں تیرے بغیر اداس ہو جاتی ہوں دو مت جایا کر گم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر پھر اس کو پیار کیا کہ بچہ ماں کی گود میں سکون کی نیند سو گیا مگر پھر اگلے ہی لمحے میں شرمندہ سا ہو گیا اور قلم ایک طرف رکھ کر سوچنے لگا میں بھی کتنا کم ظرف اور برا ہوں ستر ماؤں سے زیادہ پیدا کرنے والا میرا پرور دگار مجھے ہر لمحہ سرگوشیوں اور پانچ مرتبہ میری فلاح کے لیے اونچی آواز میں بلا رہا ہے اور میں مسلسل سمت مخالف میں بھاگ رہا ہوں اور ایڈیٹر کے پاس میں نے یہی سار کچھ لکھ کر افسانہ بنا کر ایڈیٹر کو دے دیا ایڈیٹر نے میرے دیئے ہوئے کاغذ کو حیرانی سے دیکھا اور پریشانی سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

احمد صاحب یہ کیا ہے آپ کا افسانہ کہاں ہے صفحے کے اوپر لکھا ہے بلاعنوان اور سارا صفحہ خالی ہے اور نیچے صرف آپ کا نام ہے لکھا ہے یہ سب کیا ہے میں نے کہا۔

ایڈیٹر صاحب یہ افسانہ میں نے اپنے اوپر لکھا ہے یہ صرف میری ہی نہیں کروڑوں اربوں لوگوں کی کہانی ہے یہ سارے لوگ مجھ سمیت پیدا ہوتے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں معاشرے کے دباؤ اور وقت کے بہاؤ کے ساتھ زندگی گزراتے ہیں اپنی نسل آگے بڑھاتے ہیں اور مر جاتے ہیں اور وقت کی کتاب پر کچھ بھی نہیں لکھ پاتے یہ سب کوری کتاب کی طرح ہوتے ہیں اور کوری کتاب کبھی بھی کسی لائبریری کا حصہ نہیں ہوتی ایڈیٹر صاحب پھر وقت کی برسات ان کی قبروں تک کے نشانات مٹا دیتی ہے اور چند ہی برسوں بعد یہ ایسے ہی ہو جاتے جیسے دنیا میں کبھی آئے ہی نہیں تھے کہانی بننے کے لیے اور تاریخ میں رہنے کے لیے ہر جگہ اور بلندی پر پہنچنا پڑتا ہے جہاں صرف گرد ہی جا سکتی ہے مگر یہ بات ہم اور آپ نہیں سمجھ سکتے یہ بات صرف عاجز ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ایڈیٹر صاحب میرا یہ افسانہ بھی ایسا ہی ہے میں بھی لاش کی طرح وقت کے بہاؤ کے ساتھ بہتا رہا ہوں میں نے بھی ہرانا رکھنے والے کی طرح اینٹ کا جواب پتھر سے دیا ہے میں نے عمر نفرت کے صحرا میں گزاری ہے اور فرشتوں کے کہے کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تو اس کو پیدا کر رہا ہے مگر یہ زمین پر فساد کرے گا۔ صحیح کہتی تھی بہاؤ کے ساتھ بہنے والے تنکوں اور محبت کے بغیر زندگی کا کوئی عنوان نہیں ہوتا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے نواز یئے گا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

احمد حسن عرضی خان۔ قبولہ شریف۔
فون نمبر۔ 0300.4632945

کیا قیامت ہے ساگر اب تو وہ ہمیں یاد بھی آتے نہیں
وہ پرانے آشنا جن سے ہمیں کبھی الفت ہوا کرتی تھی
مٹ گئے ہیں ہم یوں کسی کو الودع کرتے ہوئے
بدن تو واپس لوٹ آیا ہے مگر جان دروازے میں ہی ہے
لو آج ہم نے یہ بھی رشتہ امید کا توڑ دیا ہے
اب ہم کبھی بھی کسی سے گلہ نہیں کریں گے
---------مزمل ساگر۔ چڑیالوخورد

ابھرتے ہوئے شاعر آصف علی سانول کی شاعری

غزل

کتاب الفت لکھنا چاہتے ہیں
عنوان نہیں ملتا
جو ہماری رہبری کرے وہ قلمدان
نہیں ملتا
جو بھی ملتا ہے خود غرض ہی ملتا ہے
کوئی بھی چاہت سے بھرپور آتش
فشاں نہیں ملتا
کٹھن راہوں پہ چل کر بھی جیسے
پاتے ہیں
افسوس اس سے بھی پیار کا امکاں
نہیں ملتا
کاش کوئی مل جائے لفت کے
تقاضوں کا پاسدار
لیکن اس جہاں میں ایسا کوئی
انسان نہیں ملتا
چولستان تک ڈھونڈا ہے سانول
مگر کہیں سے بھی وفا کا نام ونشان
نہیں ملتا

آصف علی سانول

غزل

عمر بیت گئی مگر کسی سے دل لگانا یاد
ہے
کسی کے ہجر وفراق میں آنسو بہانا
یاد ہے
وہ وقت بھی کوئی ترستا تھا اک
دیدار کو
کسی کا وہ کانوں پر چل کے آنا یاد
ہے
اب فرست میں چلتے ہیں تو کیا ہوا
کسی کا وہ قربت میں بھی جلانا یاد ہے
اب تڑپتے ہیں مگر پھر سنبھل
جاتے ہیں
کسی کا وہ شدت سے تڑپانا یاد ہے
پھر اک وقت ایسا آیا تھا زندگی
میں سانول
زمانے کی باتوں میں آکر کسی کا
بھول جانا یاد ہے

آصف علی سانول

غزل

وہ روٹھا اس طرح کہ پھر ہم سے نہ
منایا گیا
کیا وہم انکا اس کے ذہن میں ہم
سے نہ سمجھایا گیا
وعدے عمر بھر کے عزم سمندر
چیرنے کا اس کا
نہ اس سے وعدہ نبھایا گیا نہ فاصلہ
مٹایا گیا
کبھی ہزاروں رکاوٹوں کے
باوجود مل لیتا تھا
آج پاس سے گزرا اس سے ہاتھ
بھی نہ ملایا گیا
ایسا کون آگیا اس کی زندگی میں
ہم سے بڑھ کر
وہ ہمیں چپکے سے بھول گیا ہم سے
مدت تک نہ بھلایا گیا
ہم اسکے ہجر میں تڑپ تڑپ کے
مر گئے سانول
اس سے رسما فاتحہ کے لیے بھی نہ آیا گیا

آصف علی سانول

غزل

اک شخص راتوں کو روتا تھا
پھولوں کے ہوتے کانٹوں پہ سوتا تھا
وہ بیچارہ قسمت کے ہاتھوں مجبور تھا
دل و جگر بھی اس کا چور چور تھا
صورت بھی اس کی افسردہ سی تھی
زندگی بھی اس کی مردہ سی تھی
نظریں بھی اس کی بیقاس سی تھی
آنکھیں بھی اس کی غم شناس سی تھی
پلکوں کے گرد گھیرا بے رونق تھا
مرجھایا ہوا چہرہ بے رونق تھا
اس کے حالات بھی مجنوں جیسے تھے
اس کے جذبات بھی مجنوں جیسے تھے
وہ عشق کو شہادت سمجھتا تھا
وہ محبت کو عبادت سمجھتا تھا
محبت بانٹنا کام تھا اس کا
بدنصیب سانول نام تھا اس کا

قطعہ

اصولوں سے جدا ہوتا تو دکھ نہ ہوتا
بتا کر خفا ہوتا تو دکھ نہ ہوتا
بنا عذر کے وہ بے وفا بنا سانول
مجبوراً بے وفا ہوتا تو دکھ نہ ہوتا

آصف علی سانول

لگا چنری پہ داغ

تحریر۔عابد شاہ۔جڑانوالہ۔۔۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

ایک بار ایک کہانی لگا چنری پہ داغ کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔میں نے اس کہانی کو لکھنے میں بہت محنت کی ہے پلیز میری محنت کو ضائع نہ ہونے دینا اور اس کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع دینا۔میں آپ کا ہمیشہ مشکور رہوں گا۔اور ساتھ ہی قارئین سے بھی گزارش ہے کہ وہ مجھے اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا تا کہ مجھ میں مزید لکھنے کا جذبہ پیدا ہو۔

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

ایک تھی سیدھی سادھی سی بھولی بھالی سی معصوم سی صورت والی لیکن بدنصیب اسے معلوم نہ تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلے گی کہ اسے زندگی جیسے خوبصورت لفظ سے نفرت ہو جائے گی۔

سدرہ جس کی بہت ہی چھوٹی فیملی تھی دو بھائی اور ایک بہن وہ خود تھی۔سدرہ کے بھائی کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنی بھابھی کے بھائی سے پیار کرتی تھی اور یہ محبت ایک طرفہ تھی۔جبکہ سوری میں یہ بتانا بھول گیا جس سے سدرہ محبت کرتی تھی اس کا نام علی تو پھر ہوا یوں کہ علی اس پیار سے بے خبر تھا اور اکثر اپنی بہن سے ملنے آتا رہتا تھا اور سدرہ دل ہی دل میں اس کی پجارن بن بیٹھی جس دن علی نہ آتا اسے بے چینی محسوس ہونے لگتی تھی اور بہانے سے اپنی بھابھی سے پوچھ لیتی۔

بھابھی اس کے میکے میں خیریت ہے کوئی آیا نہیں وغیرہ وغیرہ۔جس دن علی کے آنے کا پتہ چلتا تو وہ خوب سج سنور تی اور خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرتی اپنے آنگن کو خوب صاف ستھرا کرتی اور جب علی آتا تو ہمت نہ پڑتی تو کیسے اس سے اظہار محبت کرے اور پھر یہ سلسلہ چھ ماہ تک یونہی چلتا رہا۔

ایک دن علی اپنی بہن کے گھر آیا تو اس کی طبیعت خراب تھی سر میں شدید درد تھا اپنی بہن کو بتایا کہ اس کی بہن جب علی کے ماتھے پر ہاتھ لگایا تو بہت زیادہ بخار تھا بہن نے جلدی بھائی کو بستر پر لٹایا خود اس کے میڈیسن لینے چلی گئی سدرہ نے جب سنا تو اسے کسی طرح سکون نہ آیا کسی طرح علی کے پاس جائے موقع پا کر جب وہ علی کے پاس گئی تو علی کی سسٹر بھی آ گئی بھابھی کو دیکھ کر سدرہ خاموشی سے واپس آ گئی اور دروازے کی اوٹ سے بہن بھائی کی باتیں سننے لگی۔



علی بولا آپی میں جلدی گھر جانا چاہتا ہوں۔
بھابھی بولی کوئی ضرورت نہیں تم کہیں نہیں جارہے ہو میں نے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا ہے وہ کچھ دیر میں آتے ہوں گے۔
اتنے میں ڈاکٹر صاحب دروازے پر بل دی اور اندر آگئے ڈاکٹر نے چیک اپ کرنے کے بعد ان سے کہا۔
بخار تیز ہے اور آرام کی سخت ضرورت ہے اس طرح علی کے گھر جانے کا پروگرام بھابھی نے کینسل کر دیا اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ علی کی تیمارداری کا موقع ملے گا جب رات ہوگئی تو بھابھی اور بھائی گھر سو گئے اور موقع پا کر علی کے کمرے میں چلی گئی سدرہ کو دیکھ کر علی کافی حیران ہوا لیکن جلدی سے سنبھل کر پوچھنے لگا آپ اس وقت۔
سدرہ بولی۔ نیند نہیں آرہی تھی سوچا آپ کا حال پوچھ لوں آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔
نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔۔
آخر کار علی نے باتوں باتوں میں پوچھ لیا۔۔ سدرہ خیر تو ہے آپکو میری فکر کیوں ہو رہی ہے تو سدرہ کا صبر کا پیمانہ جھلک پڑا اور وہ علی سے رودی اور اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔
علی میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی ہوں۔
علی بولا۔ سدرہ میں بھی تم سے بہت پیار کرتا ہوں لیکن میں نے اپنے پیار کو دل میں ہی رکھا ہوا تھا کہ کہیں تم مجھے کچھ کہہ نہ دو۔
علی کی باتیں سن کر اسے لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو اسے گہرا سکون ملا اور پھر سدرہ مسکراتے ہوئے بولی۔
علی کیا تم کبھی مجھے دھوکہ تو نہیں دو گے۔
علی نے کہا۔ سدرہ ایسا سوچنا بھی نہیں
اور سدرہ نے ایک دوسرے کے سنگ رہنے اک ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں اور پھر ملاقاتوں کا سلسلہ یونہی کئی ماہ چلتا رہا اور پھر تیسرے کو پتہ نہ چلا ان کی خاموش محبت کا پھر ایک موقع آیا علی کے بھائی کی شادی تھی علی نے موقع جان کر ایک چھوٹی سی بچی کو ایک لیٹر دیا کہا۔
یہ سدرہ کو دے کر آؤ۔
سدرہ نے جب لیٹر کو کھولا تو علی کا سندیسہ تھا اور ساتھ لکھا تھا رات کو چھت ضرور آنا میں نے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے رات کو جب سب لوگ شادی کی گہما گہمی میں مشغول تھے تو سدرہ چپکے سے چھت پر چلی آئی تھوڑی دیر کے بعد علی بھی آگیا اور علی نے آتے ہی اسے اپنے گلے سے لگا لیا اسے اچھا تو لگا لیکن کچھ عجیب سا بھی لگا تھا۔
علی ہمیں اس طرح کا میل جول نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے بدنامی ہو۔
علی جذبات کی رو میں بہنے لگا اور دیوانگی میں بولنے لگا۔
یار سدرہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں میرا تم پر مکمل حق ہے۔
سدرہ جھٹ سے اپنے آپ کو علی سے دور کیا اور علی سے کہا۔ پلیز علی۔ پلیز
علی نے کہا۔ سدرہ گھبراؤ نہیں میں کچھ غلط کرنے والا نہیں میرا مطلب ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے میرے دل میں جس سے تم پر یا تمہاری عزت پر آنچ آئے۔

اور پھر سدرہ جلدی سے واپس جانے لگی تو علی نے جلدی سے پاس سے گزرتے ہوئے کہا رات کو میرے کمرے میں ضرور آنا انتظار کروں گا اگر تم نہ آئی تو میں سمجھوں گا کہ تم بے وفا ہو تمہیں مجھ سے پیار نہیں ہے۔

سدرہ نے آنے کی حامی بھرلی اس کے بعد دوسرے دن بارات تھی شادی ختم ہوگئی علی پہلے ہی سدرہ کے آنے کا انتظار کررہا تھا اس کے آتے ہی علی نے کہا۔

سدرہ مجھے پورا یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی کیونکہ تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو آج تم نے ثابت کردیا ہے کہ تم مجھ سے واقع میں ہی پیار کرتی ہو پھر وہ سدرہ کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا اپنے ہاتھ اس کے چہرے تک مارنے لگا سدرہ نے کہا۔

علی یہ ٹھیک نہیں۔

وہ بولا مجھے سب پتہ ہے کہ مجھ پر بھروسہ کرو اور یہ کیا تم دادی اماں کی طرح چادر اوڑھے ہوئے بیٹھی ہو یہ اتار دو ہم دونوں کے علاوہ یہاں کمرے میں کوئی نہیں آئے گا اور نہ کسی کو پتہ چلے گا علی نے سدرہ کے اوپر سے شال کھینچ کر پھینک دی اور اس سے زبردستی شروع کردی تو سدرہ نے جھٹ سے اپنے آپ کو علی کی گرفت سے آزاد کروایا اور ایک زوردار تھپڑ علی کے منہ پر رسید کردیا اور اپنے گھر واپس آگئی۔

پھر کئی دن تک علی کا اور سدرہ کا آمنا سامنا نہ ہوا تو ایک دن علی نے اپنی بہن کو کال کی کہ سدرہ سے میری بات کروائیں لیکن سدرہ نے صاف انکار کردیا بات کرنے سے تو بھابھی کے اصرار پر بات کرلی اور بولی۔

اب تم نے کیا بات کرنی ہے تم نے بات کرنے کے قابل اپنے آپ کو چھوڑا ہی کب ہے کئی دن کی کوشش کر کے علی نے فلمی ڈائیلاگ بول بول کر سدرہ کو پھر اپنے جھوٹے پیار میں پھنسالیا اور ہر بار یہی بول کر معافی مانگ لیتا کہ پیار میں تو تم کو آزمارہا تھا تمہیں چیک کررہا تھا کہ تم کیسی لڑکی ہو۔

آخر کار سدرہ نے علی کی باتوں میں آکر معاف کردیا آئندہ ایسی حرکت بھول کر بھی نہ کرنا اور پھر اسی طرح ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور علی سدرہ کے ساتھ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کی۔ پھر ایک رات علی ان گھر آیا اور بولا۔

سدرہ میں تمہارے لیے کچھ گفٹ لے کر آیا ہوں یہ تحفے میں کچھ تمہارے لیے اور میرے جانے کے بعد تم ان کو کھول کر دیکھنا۔

سدرہ بہت خوش ہوئی اور پھر جلدی سے علی کے جانے کے بعد اس نے وہ گفٹ پیک کھولا تو اس کے جیسے ہوش وحواس ہی اڑ گئے اور جیسے آسمان اس کے سر پر گر گیا ہو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسا ہوگا۔ ہوا یوں کہ سدرہ علی کے گھر شادی پر گئی تھی کہ دلہن کے ساتھ تصویریں کٹ کروا کر علی کے ساتھ مکسر کروالی اور ساتھ ایک لیٹر بھی ملا جس پر لکھا تھا۔

اگر تم مجھے نہ ملی تو مجھ سے رشتہ قائم نہ کیا تو میں تمہیں پورے خاندان میں دنیا بھر میں گندا کر کے رکھ دوں گا تم کسی کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گی اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو میری بات ماننے کو تیار ہو تو مجھے جلدی کال کرو میں انتظار کر رہا ہوں آگے بتاؤں گا تم کو کہاں ملنا ہے کیا کرنا ہے تو سدرہ نے علی کو فون کیا۔

تم بہت نیچ انسان ہو تم نے جو کرنا ہے کر لو مین کبھی بھی اب تمہارے پاس نہ آؤنگی۔

اس کے بعد سدرہ نے فون بند کر دیا اور خود کو کمرے میں بند کر لیا اور خوب علی کی بے وفائی پر آنسو بہائے اس کے سارے خواب ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے محبت کے زخم تو گہرے ہوتے ہیں اور اس پر بے وفائی کا زخم جو کبھی نہ مٹے نہ بھرے جو علی نے اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اب اس نفرت کرنے لگی۔

ادھر علی نے اپنی اور سدرہ کی تصویریں اس کے بھائی کو بھیج دیں جب اس کے بھائی نے تصاویر دیکھیں تو گھر میں ایک طوفان برپا ہو گیا ایک قیامت سی ٹوٹ پڑی تھی سدرہ کو بہت مارا اس کا باہر جانا بند کر دیا گیا اور پڑھائی ختم کر دی گئی اور آخر کئی دن سمجھ بوجھ کر سدرہ کی بھابھی نے اپنے شوہر سے کہا۔

گھر کی بات گھر میں رہے تو اچھا ہے کیوں نہ ہم سدرہ اور علی کا نکاح کر دیں۔

جب علی سے پوچھا گیا تو اس نے شادی کے لیے حامی بھر لی سدرہ نے بہت احتجاج کیا مگر اس کی کسی نے ایک نہ سنی اور وہ اپنے میکے سے سسرال چلی گئی۔ پہلی رات کو علی شراب پی کر سدرہ کے پاس آیا اپنی مرضی پوری کر لی جب صبح ہوئی تو سدرہ کے لینے گھر والے آ گئے وہ گھر چلی گئی پھر کچھ دن بعد علی اپنے گھر واپس لے کر آ گیا اور چھ ماہ تک علی کی حرکتیں ویسی کی ویسی ہی رہی جب بھی علی آتا سدرہ کے پاس تو وہ شراب پی کر آتا اور اسی طرح ایک دن علی کو پتہ چلا کہ اس کی بیوی سدرہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو علی نے نے مزید اس سے بدسلوکی کرنا شروع کر دی جبکہ علی کی والدہ ایک نیک دل اور اچھی خاتون تھی وہ ماں کے روپ میں بیٹے کو سمجھاتی اور ساس ہونے کے ناطے بہو کو حوصلہ دیتی کیونکہ وہ اپنے بیٹے کی تمام حرکتوں سے واقف تھی اور علی کو سمجھاتی کہ بیوی سے بدسلوکی چھوڑ دو وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے تو علی نے جھٹ جل کر بولا۔

کوئی میرا بچہ نہیں پتہ نہیں کس کا بچہ ہے اس کے پیٹ میں میرا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے نہ بیوی سے نہ اس کے ہونے والے بچے سے اور پھر اس نے سدرہ پر ایک اور ظلم کیا اسکی تصاویر کب اور کس وقت کسی لڑکے کے ساتھ بنوا کر گھر والوں کو دکھائی کہا۔

یہ دیکھو کیا گل کھلاتی پھر رہی ہے آپ کی بہو آپ کی عزت پر کارنامے گھر والوں کو بدظن کیا اور سدرہ کو سب گھر والوں کی نظروں سے گرا دیا سب گھر والے اس کے خلاف ہو گئے تھے انہیں بھی وہی نظر آ رہا تھا جوان کا بیٹا ان کو دکھا رہا تھا تو باقی کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا سب نے کہا۔

اس کے پیٹ میں جو بچہ پل رہا ہے وہ ہمارا خون نہیں ہو سکتا پتہ نہیں کس کی گندگی ہے وغیرہ وغیرہ اور پھر علی کے گھر والوں نے کہا۔

ہم علی کی دوسری شادی کریں گے

سدرہ نے اپنے گھر والوں کو بتایا لیکن انہوں نے کہا۔۔ ہماری طرف سے مرو یا جیو ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔

پھر علی نے دوسری شادی کر لی جب علی کی دوسری بیوی پوچھا۔ گھر میں یہ کون ہے تو علی نے کہا کہ یہ میری پہلی بیوی ہے اس نے ایسا غلط قدم اٹھایا تھا جو کچھ اس کے ساتھ کیا دوسری بیوی کو وہی کہانی سنا کر سدرہ کو اس کی نظروں سے گرا دیا پھر

سارا گھر سدرہ سے نوکروں جیسا سلوک کرنے لگا ہر روز علی تشدد کرتا جس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا بچہ اس کے پیٹ میں ہی دم توڑ گیا اور اسی حالت میں اسے گھر سے مار پیٹ کر نکال دیا گیا۔

ظلم کرو ستم کرو ہم گلہ نہیں کرتے
یقیناً خزاں میں پھول کھلا نہیں کرتے
مٹا ڈالو شوق سے ہمیں لیکن یاد رہے
ہم جیسے لوگ بار بار ملا نہیں کرتے

جب اس حالت میں سدرہ اپنے گھر پہنچی تو گھر والوں نے بھی اسے پناہ دینے سے انکار کر دیا اور گھر سے نکال دیا وقت اور نصیب کی ماری سدرہ در در کی ٹھوکریں کھاتی کھاتی نہ جانے کب کہاں گر کر بے ہوش ہو گئی جب اسے ہوش آیا تو ہسپتال میں تھی ہوش آتے ہی اس نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ مجھے یہاں کون لایا ہے تو ڈاکٹر نے اس لڑکے کو بلایا جو سدرہ کو لے کر آیا وہ علی کا دوست تھا سہیل تو سدرہ نے سہیل سے کہا

میری ایک بار علی سے فون پر بات کروا دو اس نے کروائی تو علی بولا۔

آئندہ مجھے کال نہ کرنا تم جس یار کے پاس پہنچ گئی ہو اسی کے پاس ہی رہو اور یہ بچہ بھی تمہارے اسی یار کا ہے اور ہاں اور علی نے یہ بھی کہا کہ سدرہ جو کچھ بھی میں نے تمہارے ساتھ تمہاری زندگی میں کیا وہ تمہارے ایک تھپڑ کا بدلہ تھا آئندہ اگر کسی کو تھپڑ مارنا ہو تو سوچ سمجھ کر ہاتھ اٹھانا میں نے اس بدلے میں تمہاری زندگی اجیرن کر ڈالی ہے اب رو ساری زندگی اور آئندہ میرے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا علی نے سب کچھ کہہ کر فون بند کر دیا۔

پھر سہیل نے کہا سدرہ آج میری سگی بہن ہو اگر تمہیں میری کسی طرح کی بھی مدد کی ضرورت ہو تو میں کرنے کو تیار ہوں لیکن سدرہ نے انکار کر دیا سدرہ نے کہا۔

بھائی آپ چلے جائیں آپ کا اتنا احسان بھی بہت ہے تم میری جان بچائی ہے اس کے بعد سدرہ ایک کالج میں جھاڑو لگاتی ہے جس سے وہ اپنا پیٹ پالتی ہے۔

قارئین یہ تھی سدرہ کی کہانی اگر اچھی لگے تو اپنی رائے سے ضرور نوازیئے گا اور آخر میں میرے کامیاب ہونے کی دعا مت بھولنا مجھے آپ لوگوں کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔

سید عابد شاہ جڑانوالہ

غزل

تیری لاجواب چاہت کو ہم بھلائیں کیسے
تم کو بھول کر خود کو چین دلائیں کیسے
نجانے کون سی کشش تیرے پاس لے جاتی ہے
تیرے پاس آکر تجھ میں سمائیں کیسے
ہم نے دل سے چاہا ہے تجھ کو مگر صبا
تیری چاہت کے قابل خود کو بنائیں کیسے
کیوں پوچھتے ہو ہم سے آنسوؤں کی شدت
ہم ان میں تیرا عکس دیکھائیں کیسے
میں تو تم سے بہت محبت کرتا ہوں صبا
مگر تمہیں یہ احساس دلائیں کیسے

.........اظہر سیف دکھی سکھیکی منڈی

یاد رکھنے کی باتیں

قران مجید میں تین شہروں کے نام آتے ہیں
اشہر مکہ ۲شہر مدینہ ۳شہر بابل
قران مجید میں تین درختوں کے نام آتے ہیں
انگور ۲زیتون ۳بیری

چمکتے ستارے

۔۔تحریر۔نازش پرنس۔ٹوبہ ٹیک سنگھ۔۔۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
ایک بار ایک کہانی لگا چمکتے ستارے۔۔کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔میں نے اس کہانی کو لکھنے میں بہت محنت کی ہے پلیز میری محنت کو ضائع نہ ہونے دینا اور اس کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع دینا۔میں آپ کی ہمیشہ مشکور رہوں گی۔اور ساتھ ہی قارئین سے بھی گزارش ہے کہ وہ مجھے اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا تا کہ مجھ میں مزید لکھنے کا جذبہ پیدا ہو۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

یاد ماضی مجھ کو جینے نہیں دیتا
یارب چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

مجھے جب بھی میرا ماضی یاد ہے تو آنکھوں سے آنسو برسات کی مانند برستے ہیں دل سے ایک آہ سی نکلتی ہے کاش میرے ساتھ ایسا نہ ہوتا آج میں اس طرح نہ روتی آج طرف بارش کا سماں تھا سب لوگ اپنے اپنے بستر پر رضائی اوڑھ کر سکول سے سو رہے تھے اور میں بند کمرے میں کرسی سے ٹیک لگائے اپنے ماضی کو یاد کر رہی تھی اس کی سوچ اسے ماضی میں لے گئی۔

میرے ابو لوگ دو بھائی تھے یعنی ایک میرے ابو اور دوسرے میرے چاچا جان میرے ابو اٹھارہ سال کے تھے اور چاچا جان پندرہ سال کے تھے جب ان کے امی ابو میرے دادا دادی کا ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تب ساری ذمہ داری ابو جان پر آ گئی تو میرے چاچا جان نے ابو جان سے کہا کہ آپ کہیں تو میں بیرون ملک جاؤں مجھے اس کا شوق بھی ہے اور پھر ہم خوشی سے رہ بھی سکیں گے میں بہت سا پیسہ کما کر لاؤں گا پہلے تو ابو جان نہ مانے آخر چاچا جان کی ضد کے آگے مجبور ہونا پڑا۔
یوں دن گزرتے رہے پھر چاچا جان کے آئی ڈی کارڈ کا مسئلہ بن گیا چاچا جان کی عمر کم تھی پھر ابو اور چاچا جان نے تین سال یعنی کام کیا اس کے بعد چاچا کا آئی ڈی کارڈ بن گیا زمین بیچ کر ویزہ بھی لے لیا یوں چاچا دبئی چلے گئے وہ ہر ماہ ابو کر پیسے بھیجنے لگے ابو نے شہر میں زمین لے کر ایک خوبصورت مکان بنایا اور بہت سی زمین لی اور چاچا جان کو بتائے بنا شادی کر لی چاچا جان دن رات محنت کر کے ہمیں پیسے بھیجتے رہے بعد شادی کے دو سال بعد ابو کے گھر ایک بچی پیدا ہوئی۔

یعنی میں میرا نام انہوں نے ساجدہ رکھا پھر جب میں ایک سال کی تھی تو میرے چاچا جان پاکستان واپس آ گئے چاچا جان نے جب آ کر دیکھا تو بڑے بھائی نے سب کچھ بنا لیا ہے اور میرا کچھ بھی نہیں ابو سے جب بھی چاچا جان کہتے کہ اپنا گھر بنا لیا ہے میرا کیوں نہیں بنایا تو ابو انہیں ٹال دیتے کہتے۔

ابھی آپ کی شادی کرتے ہیں پھر بنائیں گے۔ چاچا جان کی شادی ہوگئی اور ابو اپنی فیملی سمیت شہر میں شفٹ ہو گئے چاچا جان جب بھی آتے شہر اور ابو جان سے کہتے۔

میرا گھر بناؤ۔

ابو کسی طرح ٹال دیتے پھر چاچا جان نے آنا ہی بند کر دیا پھر ایک سال بعد چاچا کے گھر ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام انہوں نے عائشہ رکھا اور پھر دو سال بعد ایک بیٹا احمد پیدا ہوا دن اسی طرح گزرتے رہے میں میٹرک میں آ گئی یہی عمر ہوتی ہے جب جوانی کی دہلیز پر کچھ لوگ سنبھل جاتے ہیں تو کچھ اپنے آپ کر برباد کر لیتے ہیں۔ نادانی میں کیے ہوئے فیصلوں نے مجھے برباد کر دیا نازش وہی فیصلہ اب مجھے جینے نہیں دیتے۔ میں میٹرک میں تھی کہ میری ایک دوست تھی حنا بہت امیر ماں باپ کی بیٹی تھی عیاش قسم کی وہ مجھے بہت سی باتیں بتاتی رہتی تھی اور وہ چلتے ہوئے لڑکوں کو چھیڑتی میں اسے روکتی تو کہتی

یار انجوائے کرو لائف کو۔ یہی تو عمر ہے انجوائے کرنے کی اور حنا انٹرنیٹ بھی یوز کرتی تھی اور مجھے بتاتی رہتی تھی کہ فیس بک میں سے اہم لوگ باتیں کرتے ہیں تصویریں بھیجتے ہیں بہت مزہ آتا ہے پھر حنا نے کہا۔

ساجدہ میں تمہیں فیس بک کی آئی ڈی بنا کر دیتی ہوں تم بھی یوز کیا کرو اور انجوائے کیا کرو۔

میں اس کو ٹالتی رہی وہ میرے سامنے بیٹھ کر لوگوں سے باتیں کرتی اور خوب ہنستی میں آہستہ آہستہ اس کی طرف متوجہ ہوتی گئی آخر ایک دن میں نے بھی حنا کو کہہ دیا۔

مجھے بھی فیس بک کا اکاؤنٹ بنا کر دو

پھر حنا نے مجھے فیس بک یوز کرنے کا طریقہ بھی بتایا پھر اس نے مجھے کہا۔

آپ میرے نام پر فرینڈز ریکویسٹ کرو۔

اس طرح مجھے فیس بک کا طریقہ آتا گیا۔ اور میرے بہت سارے دوست بنتے گئے۔ وقت گزرتا گیا فیس بک پر ایک بہت گہرا دوست تھا جس سے میں ہر بات شیئر کر لی تھی وہ انڈیا کا تھا یادیو نام تھا اس کا وہ ہر طرح کی بات مجھ سے کر لیتا تھا باتیں کرتے کرتے ہم حد سے گزر بھی جاتے تھے میں نے کبھی نہیں روکا تھا اسے پھر ایسا ہوا کہ میرے چاچا جان نے شہر میں ایک گھر لے لیا کیونکہ عائشہ اور احمد کی پڑھائی کا مسئلہ تھا وہ ھر ہم سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ جب وہ شہر شفٹ ہوئے تو ہمارے گھر بھی آئے عائشہ اور امجد کے چہرے حقیقی نور تھا ان کا چہرہ جگمگا رہا تھا پھر ہم تینوں میرے روم میں آ گئے عائشہ مجھے اسلام کے بارے میں بتانے لگی۔

نماز پڑھا کرو خدا کی عبادت کیا کرو اسی میں سکون ہے۔

میں ان کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی کیونکہ مجھے اس کی تعلیم ہی نہیں دی گئی تھی میرے ابو پراپرٹی ڈیلر تھے رات گئے گھر آتے تب تک میں سو گئی ہوتی صبح

میرے کالج جانے کے بعد وہ اٹھتے اور میری امی جان سوشل ورکر تھی سارا دن عورتوں سے باتیں کی اور مختلف پارٹی اٹینڈ کی یہی ان کا کام تھا تو مجھے کوئی سکھاتا برائی میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتی گئی اور میں بھی اس کے پیچھے ایک نابینا شخص کی مانند اس کے پیچھے چلتی گئی اور سوچا تھا کہ یہ سب کیا ہے میں ایسا کیوں کر رہی ہوں بس میرے ذہن میں ایک ہی بات تھی لائف کو انجوائے کرنا۔

عائشہ دو دن اور آ جاتی بعد مجھے سمجھاتی رہتی میں کہاں سمجھنے والی تھی۔

ادھر میری یادیو سے محبت زوروں پر تھی میں اس سے یہ بھی بتاتی کیا کھایا کیا پیا ہماری بات ہوتے ہوئے تین سال ہو گئے تھے اب گھر والے چاہتے تھے کہ میری شادی کی جائے اور انہوں نے اس کے لیے احمد کا انتخاب کیا جب مجھے پتہ چلا تو میں نے گھر سر پر اٹھا لیا کہا۔

میں اس دیہاتی سے شادی نہیں کروں گی ان کو کیا پتہ کہ رہن سہن کیا ہوتا ہے۔

امی ابو چاچا جان نے مجھے بہت سمجھایا میں نے ان کی ایک نہ سنی اور انکار کر دیا سارا کچھ یادیو کو بتایا کہ میری شادی کرنے والے ہیں تم مجھے چاہتے ہو تو کچھ کرو تو یادیو نے کہا۔

میں کچھ دنوں تک پاکستان آتا ہوں۔

اس طرح چاچا جان اصرار کرتے رہے پر میں کہاں ماننے والی تھی۔

نازش عشق نے کر دیا ہمیں نکما
ورنہ آدمی بھی تھے بڑے کام کے

مجھے یادیو کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا حالانکہ وہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور بتوں کو خدا مانتا تھا ہمارے نبی پاک ﷺ اور اللہ کو جھٹلا نے والا تھا۔ میں پھر بھی اس پر مرمٹی تھی ادھر گھر والے زور دے رہے تھے ادھر میں یادیو سے بات کرتے ہوئے رو پڑتی اور اپنی آنسوؤں سے تر آنکھیں اس کو فیس بک پر دکھاتی وہ وعدہ پر وعدہ کرتا رہا۔

آخر ایک دن اس نے بتا دیا کہ وہ اگلے ماہ کو آ رہا ہے میں بہت ہی خوش تھی مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے مجھے سب کچھ مل گیا ہو میں ایسے ہی بے وقت ہنستی رہتی روز بازار جاتی کہ مجھے اپنے محبوب کو یہ گفٹ بھی دینا ہے یہ بھی دینا ہے اور اپنے لیے تیس ہزار کا کپڑا کا سوٹ تیار کیا میں یہ پہن کر ملنے جاؤں گی بس یوں سمجھ لیں کہ میں نے اس کے آنے کی خوشی میں کوئی کسر نہ چھوڑی آج وہ دن آ گیا تھا کہ جس کا مجھے برسوں سے انتظار تھا مجھے ایک پل بھی چین نہیں آ رہا تھا میں کبھی دروازے پر جاتی تو پھر واپس آ جاتی اور کمرے میں بند ہو جاتی اس کا سوچتی رہتی۔

آج یادیو کے آنے کی خوشی میں میں نے ایک اور بہت بڑا گناہ کر دیا تھا کہ شاید مجھے خدا بھی معاف نہ کرے عائشہ آج پھر ہمارے گھر آئی تھی اور بہت کوشش کی مجھے سمجھانے کی کہ میں یہ فیشن تنگ کپڑے جو جسم کی نمائش کرتے ہوں اور یہ کٹے ہوئے بال جس کو تم ہیئر سٹائل کہتے ہو ایک دن یہی سب تمہارے لیے جہنم کا سامان بن جائیں گے۔ خدا سے معافی کی بجائے اس کی اتنی بے عزتی کی کہ وہ رو پڑی میں تبھی بھی خاموش نہیں ہوئی اور اسے کہا۔

نکل جاؤ ہمارے گھر سے آئندہ کبھی بھی مت آنا۔

شام کو یادیو نے مجھے کال کی کہ وہ پاکستان

میں پہنچ چکا ہے کل نائٹ کو ملیں گے میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ رہ تھا جو میں نے چاہا مجھے ملنے والا تھا یہ دو دن میں نے کیسے گزارے مجھے پتہ ہے میں شام کو گھر سے یہ بتا کر نکلی کہ میری سہیلی کی انگیجمنٹ ہے رات وہی رکنا ہے۔

گھر میں کسی نے نہیں روکا اس لیے گاؤں کی عورتیں شرم وحیا کا پیکر ہوتی ہیں جبکہ شہر رہنے والی ان سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ نئے نئے فیشن یہ معاشرے کو خراب کرتے ہیں مجھے یادیو نے بتایا کہ اس ہوٹل میں پہنچ جاؤ وہاں میرے اور بھی کافی دوست ہیں پارٹی ہوگی۔

میں اس ہوٹل میں پہنچ گئی جب یادیو کو دیکھا تو میرے ہوش اڑ گئے جو پکچرز یادیو فیس بک پر اپ لوڈ کرتا تھا وہ بہت ہی خوبصورت ہوتی تھی اور یہ اتنا بدصورت تھا پھر بھی اسے برداشت کرنا پڑا کیونکہ وہ اس کی محبت تھی پھر شراب کا دور چلا یادیو نے مجھے بھی پلا دی اپنی قسم دے کر جب یادیو نے دیکھا کہ میں مدہوش ہو رہی ہوں تو یادیو نے مجھے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

میں نے بہت کہا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ سب غلط ہے تو یادیو نے کہا۔

یہ غلط ہے جب تم فیس بک پر مجھ سے باتیں کرتی تھی تو حد سے گزر جاتی تھی اور تم اتنے ماڈرن کپڑے پہن کر مجھ سے ملنے آئی ہو تم کہاں کی شریف ہو میں نے سنا تھا مسلم گرلز شرم وحیا کا پیکر ہوتی ہیں لیکن تم تو ایسی نہیں ہو۔

میں کچھ بھی نہ بھول پائی پھر انہوں نے مجھے پکڑ لیا میں بہت چلاتی رہی لیکن کسی نے میری ایک نہ سنی۔ میرے چاچا جان کا یک دوست دبئی سے ملنے آیا تھا چاچا جان کے ساتھ جاب کرتا تھا تو وہ بھی اسی ہوٹل میں کھانا کھانے آیا تھے تو اتفاق سے ساتھ والا کمرہ بھی انہی کا تھا جب چاچا جان نے لڑکی کے چیخنے چلانے کی آواز سنی تو دروازہ بہت کھٹکھٹایا کسی نے نہ کھولا میں روتی رہی اور چیخ چیخ کر ہیلپ مانگتی رہی پھر چاچا لوگوں نے دروازہ باہر سے توڑ دیا جب وہ اندر داخل ہوئے تو یادیو اور اس کے دوست دروازے سے نکل کر بھاگ گئے اور میں بیڈ پر پڑی ہوئی تھی تب تک میرا سب کچھ چھن چکا تھا۔ چاچا نے مجھے دیکھا تو کانپ سے گئے۔ اور ساتھ چلنے کو کہا اور اس کے دوست نے کہا۔

یہ کون ہے اس کا گھر کہاں ہے

چاچا کی آنکھوں میں آنسو تھے چاچا نے کہا آپ یہی ٹھہرنا میں اس کو اس کے گھر پہنچا دوں گا چاچا جان مجھے گھر لے آئے اور سب کو بتا دیا کہ میں کہاں گئی تھی اور وہ مجھے کہاں سے لے کر آئے ہیں۔ میں اپنی امی کے سر کندھے پر رکھ کر بہت روئے بھی رو رہے تھے میں نے کہا۔

میں خودکشی کر لوں گی۔

سبھی نے بہت سمجھایا اور عائشہ بھی آگئی تھی اس نے مجھے کہا۔

جو ہو گیا بھول جاؤ اور نئی زندگی کا آغاز کرو خدا معاف کرنے والا ہے۔

دو دن بعد میری چاچا کے بیٹے امجد سے شادی کر دی گئی بالکل خاموشی کے ساتھ نہ کوئی شہنائی نہ کسی کو خوشی نہ کوئی ڈھولک کی تھاپ جس پر لڑکیاں رقص کرتیں۔

وقت گزرتا رہا آج میرے دو بچے ہیں لیکن آج بھی میں کچھ بھی بھول نہیں سکی ہوں میں اپنے شوہر سے آنکھیں نہیں ملا پاتی ہوں امجد نے بھی

مجھ سے محبت سے بات نہیں کی بات بات پر مجھے جھٹکتا ہے میں اپنے ماضی کو یاد کر کے خون کے آنسو روتی ہوں۔

خدا سے رو رو کر دعائیں کرتی ہوں کہ مجھے معاف کر دے میں بہت زیادہ گناہگار ہوں راتوں کو مجھے نیند نہیں آتی میں جاگتی رہتی ہوں اور سسکتی رہتی ہوں ایسا لگتا ہے میری زندگی کے کچھ دن باقی ہیں۔اب تو احمد نے بھی کہہ دیا ہے کہ میں نے اپنے والدین کے آگے مجبور ہو کر شادی کی تھی تم سے ورنہ تم جیسی بدچلن سے میں کیوں شادی کرتا۔

یہ تھی ساجدہ کی سٹوری جو میرے سامنے بیٹھ کر سنا رہی تھی اور سسک رہی تھی اور بار بار خدا سے معافی مانگ رہی تھی اور موت کی دعائیں کر رہی تھی کہ اللہ مجھے موت دے دے۔تو میری سبھی لڑکیوں سے ہاتھ جوڑ کر ریکوسٹ ہے کہ جسے ہم محبت کہتے ہیں یہ کچھ بھی نہیں ہے صرف ہماری نگاہ کا دھوکہ ہے محبت کے نام پر یہاں بہت سی لڑکیاں ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں اور ایک فیس بک یعنی انٹرنیٹ ہے اس نے دنیا کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے غلط استعمال سے لڑکے اور لڑکیاں برائی کی طرف گامزن ہیں کیوں ہم خدا کو بھول بیٹھے ہیں ایک عورت کی عزت گھر کی چار دیواری کے اندر رہتی ہے باہر نکل کر وہ بھوکی نظروں کا نشانہ بن جاتی ہیں ایک بہت ہی پیاری بات لڑکیوں کے لیے۔

محبت کر ہی لو تو نکاح میں دیر نہ کرنا ہلکی سی رم جھم میں فقط کیچڑ لاتی ہے اگر آپ میں سے بھی کوئی لڑکی اس بری صحبت میں ملوث ہے تو پلیز میری بہن اپنے ماں باپ اور بھائیوں کی عزت نیلام ہونے سے بچالو بچ جاؤ اس محبت نام دھوکہ سے جہاں قدم قدم پر دھوکہ ہے سمجھ جاؤ۔

تم محسوس کر و خود کو کبھی تنہا تو ہم حاضر ہیں
یہ چھوڑ جائیں کارواں تجھ کو تو ہم حاضر ہیں
یہ تھم جائیں خوشیاں اگر بارش کی مانند
اور جاؤ اکیلے تنہا تو ہم حاضر ہیں
اگر مایوس ہو جاؤ زمانے کی خوشیوں سے تم
کرو محسوس تنہائی تو ہم حاضر ہیں
ہو بیدار اگر کوئی خواہش تمہارے خواب سے
رہو خوابوں میں کبھی تم تنہا تو ہم حاضر ہیں

نازش پرنس۔ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

۔اشعار۔

وہ کہتا تھا تجھ سے بچھڑ کر ویران ہو جاؤں گا
آج پورے گاؤں میں سب سے اداس گھر اسی کا ہے

۲ نہیں ہے حوصلہ مجھ میں تمہیں کھونے کا سن لو
یہ دنیا تم کو کھو دے گی اگر تم ولی کھو گئے مجھ سے

۳ خواب میں سے اچانک ہی چونک اٹھا میں
کسی نے شرارت سے کہہ دیا سنو باہر ولی آیا

۴ کبھی جو تھک جاؤ تم دنیا کی رنگین محفل سے
مجھے آواز دیدینا کیوں کہ میں اکیلا آج بھی ہوں

۵ دوستی کرنے کے دعوے مجھے ہرگز نہیں آتے
اک جان باقی ہے دل چاہے تو مانگ لینا

ایم ولی عوان گولڑوی

23۔محبت کرو تو سچے جذبے سے کیوں کہ محبت میں تھوڑا سا شک بھی زہر کی مانند ہوتا ہے

24۔محبت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے

آخری ہچکی

تحریر۔ مقصود احمد بلوچ۔ میاں چنوں۔۔۔

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
آج پھر ایک کہانی آخری ہچکی کے ساتھ حاضر خدمت ہوں امید ہے کہ اس کو بھی شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے یہ کہانی بالکل سچی ہے اور اس میں آپ سب کے لیے ایک سبق بھی ہے ہماری کوشش ہوتی ہے کہ کچھ ایسا لکھیں جس میں کوئی نہ کوئی سبق ہو جس سے ہمارے قارئین سنبھل جائیں اور اپنی زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے کی کوشش کریں۔ میں اس کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ آپ سب کو کرنا ہے۔ اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

آجکل کے دور میں سچا پیار سچا یار بہت کم ملتا ہے اگر کسی کو مل جائے تو پلیز ہمیشہ اس کی قدر کرو اگر آپ کی قدر نہیں کرو گے نا تو وہ آپ سے دور ہو جائے گا آپ سے چھین جائے پھر بہت کوشش کے باوجود بھی آپ کو نہیں ملے گا اس لیے دوستی کی قدر کرو کیونکہ دوست بنانا بہت ہی آسان کام ہے لیکن دوستی نبھانا بہت ہی مشکل کام ہے۔
میں آج اپنے قارئین کے لیے ایک بہت ہی خوبصورت دوستی کے موضوع پر ایک داستان سنانے جا رہا ہوں اور میں یہ جو داستان اپنے قارئین کو سناؤں گا اس داستان کا ہر لفظ سچا ہو گا بالکل سچا ہے۔
مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ وہ بارہ فروری کا دن تھا میرے موبائل پر ایک نیو نمبر سے کال آئی میں نے کال اٹینڈ کی تو ایک باریک سی آواز ایک لڑکی بات کر رہی تھی سلام دعا کے بعد اس نے مجھ سے پہلا سوال کیا۔
آپ مقصود احمد بلوچ بات کر رہے ہیں۔
جی میں مقصود احمد ہی بات کر رہا ہوں
اس نے دوسرا سوال کیا۔۔۔ آپ میاں چنوں رہتے ہیں۔
میں نے جواب دیا۔۔ جی ہاں میں میاں چنوں ہی رہتا ہوں۔
وہ مجھے کہنے لگی۔ میاں چنوں کے لوگ تو بڑے بے وفا ہوتے ہیں کیا آپ بھی ان میں شامل ہو تو اس وقت میں اس لڑکی کی بات سن کر مسکرانے لگا اور مجھے اس لڑکی پر بہت ہنسی آئی اور ساتھ ہی میں نے جواب دیا۔
پانچ انگلیاں ایک برابر نہیں ہوتی میں اگر آپ کے ساتھ میاں چنوں کے کسی انسان نے بیوفائی کی ہے تو اس کا ہر گز مطلب یہ نہیں ہے



کہ میرے شہر کا ہر انسان ہی بے وفا ہو میری یہ بات سننے کے بعد وہ خاموش ہوگئی میں نے اس لڑکی کا نام پوچھا۔

اس نے کہا۔ ساجدہ۔

میں نے پھر اس سے دوسرا سوال کی آپ نے میرا نمبر کہاں سے لیا ہے۔

اس نے مجھے کہا۔۔ میں نے آپ کا نمبر جواب عرض سے لیا ہے آپ کی سٹوری تمہارا ساتھ جو ہوتا اس کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور ساجدہ نے یہ بھی کہا کہ مقصود صاحب میں تو آپ کی بہت بڑی فین ہوں اور آپ کی سٹوریاں کب سے پڑھ رہی ہوں آج پہلی بار آپ کا نمبر جواب عرض میں دیکھا تو خوشی کے مارے رہ نہ سکی اور اپ کو کال کردی میں نے دل میں سوچا کہ یہ جو فلم میرے ساتھ کررہی ہے یہ تو ہر لڑکی کسی بھی رائیٹر کو فون کرتے وقت اس رائٹر کی جھوٹی تعریفیں کرتی ہیں کہ میں تمہاری بہت بڑی فین ہوں مجھے آپ کی سٹوریاں بہت اچھی لگتی ہیں میں نے بھی سوچا یہ لڑکی میرے ساتھ بھی وہی فلم چلا رہی ہے لیکن میں نے جو کچھ بھی سوچا وہ غلط تھا واقعی وہ لڑکی میری فین تھی کیونکہ اس لڑکی نے مجھے میری دس سٹوریوں کے نام بتائے تھے جو وہ جواب عرض میں پڑھ چکی تھی

اس طرح ہی وقت گزرتا رہا وہ مجھ سے ہر روز بات کرنے لگی کبھی کال پر کبھی میسج پر زیادہ تر تو میسج سے ہوتی تھی ایک دوسرے کے بارے میں جاننے لگے۔ آپ کیا کرتی ہو میں کیا کرتا ہوں آپ کتنے بہن بھائی ہیں ہم کتنے بہن بھائی ہیں بس اس طرح کی باتیں ہوا کرتی تھیں ساجدہ کو مجھ سے بات کرتے ہوئے تقریبا کوئی پندرہ دن ہو گئے تھے ایک دن وہ مجھ سے بات کرتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا۔ بلوچ صاحب۔۔ وہ زیادہ تر مجھے بلوچ کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔

میں نے کہا جی بولیں کیا بات ہے۔

اس نے کہا کیا ہم دونوں ایک دوسرے کے اچھے دوست بن سکتے ہیں میں اس کی یہ بات سن کر چپ ہو گیا اس نے پھر یہ سوال دوبارہ کیا۔

بلوچ میں آپ سے کچھ کہہ رہی ہوں۔

میں نے کہاں ہاں جی میں نے سن لیا ہے

ساجدہ بولی۔ پھر آپ خاموش کیوں ہو گئے ہو کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ سے دوستی کرسکوں میں نے اس کو کہا۔

یہ بات نہیں ہے۔

وہ بولی۔ پھر کون سی بات ہے۔

میں نے کہا۔۔ دیکھو میں ایک شادی شدہ ہوں میرے چار بچے ہیں تم مجھ سے دوستی کر کے کیا کرو گی تو میری اس بات کا ساجدہ نے بہت ہی اچھا جواب دیا کہنے لگی۔

کیا شادی شدہ ہونا کوئی جرم ہے یا شادی شدہ انسان کا دل نہیں ہوتا۔۔ میں ساجدہ کی یہ بات سن کر لاجواب ہو گیا اور اس سے دوستی کرنے کے لیے ہاں کردی لیکن میں نے اس کو اتنا ضرور کہا تھا۔

تم میرے ساتھ دوستی نبھا نہیں سکو گی۔

اس نے کہا۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون کیا ہے میں نے کہا۔

ٹھیک ہے آج سے ہم دوست ہیں۔

میں یہاں پر اپنے قارئین کو بتانا لازمی

سمجھوں گا ساجدہ بہت ہی اچھی لڑکی تھی وہ کوئی غلط قسم کی لڑکی نہیں تھی اس نے میرے ساتھ بھی بھی کوئی غلط بات نہیں کی تھی وہ جب بھی مجھ سے بات کرتی تھی تو زیادہ تر اسلامی ٹاپک پہ بات کرتی تھی۔ وقت گزرتا رہا ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ بلوچ میں بہت زیادہ بیمار رہتی ہوں میرے گھر والوں نے میرا بہت علاج کروایا ہے لیکن میں ٹھیک نہیں ہوئی ہوں میرا جسم دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ میں ایک نہ ایک دن مر جاؤں گی۔

میں نے اس کو دلاسہ دیا اور کہا دوست انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مایوس وہ ہوتا ہے جس کا رب نہ ہو آپ پریشان نہ ہو ہو اللہ تعالیٰ سب بہتر کرنے والا ہے۔

ساجدہ کے اندر ایک اور بھی خوبی تھی جو کہ مجھے بہت پسند تھی وہ جھوٹ نہیں بولتی تھی ہمیشہ ہی سچ بات کرتی تھی چاہئے کچھ بھی ہو جائے اور اس کی یہ عادت مجھے بہت اچھی لگتی تھی اس طرح ساجدہ سے دوستی کیے ہوئے مجھے پانچ ماہ کا عرصہ بیت گیا تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ساجدہ کا ذکر میرے گھر میں بھی ہونے لگا مطلب میں نے اپنی بیوی کو ساجدہ کے بارے میں سب کچھ سچ بتایا کہ ساجدہ اس طرح میری سٹوریاں پڑھتی تھی اور وہاں سے نمبر لیا اور اب ساجدہ میری ایک اچھی دوست ہے میں یہاں پر اپنی بیوی کا ذکر ضرور کروں گا میری بیوی باقی عورتوں سے بہت مختلف ہے کیوکہ کہتے ہیں عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے اگر نہیں کرتی تو وہ اپنے شوہر کیساتھ کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتی لیکن میری بیوی نے کبھی بھی اس طرح کا نہیں سوچا تھا۔ ایک دن میں نے ساجدہ سے کہا۔

کیا میں آپ کی بات اپنی بیوی سے کروا سکتا ہوں تو ساجدہ نے کہا۔

نہیں بلوچ آپ کی بیگم مجھ سے بات نہیں کرے گی اور آپ سے بھی ناراض ہو جائے گی

میں نے کہا نہیں ساجدہ میری بیگم اس طرح کی نہیں ہے آپ ایک دفعہ بات کر کے تو دیکھو آپ کو پھر پتہ چلے گا۔

اس نے کہا ٹھیک ہے بلوچ اگر آپ کہتے ہیں تو کر لیتی ہوں۔

میں نے ساجدہ سے بات کرتے کرتے موبائل اپنی بیگم کو دے دیا اور خود دوسرے روم میں چلا گیا جب میں آدھے گھنٹے بعد آیا تو وہ دونوں ابھی تک باتیں کر رہی تھیں میں نے اپنی بیگم سے کہا اب بس بھی کرو کہ پہلی ہی دفعہ تمام باتیں ایک دوسرے کو بتا دینا چاہتی ہو آپ دونوں کو پھر بھی موقع دیا جائے گا بات کرنے کا اس کے بعد دونوں کی کال ڈراپ ہو گئی میری بیگم مجھ سے کہنے لگی۔

ساجدہ بہت ہی اچھی لڑکی ہے اور اس نے تو مجھے اپنی بڑی آپی بنا لیا ہے۔

میں نے کہا۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے

دوسرے دن جب پھر ساجدہ کی کال آئی تو ساجدہ مجھ سے میری بیگم کی تعریفیں کرنے لگی بلوچ اگر زندگی میں کوئی اچھی بیوی دیکھی ہے تو وہ آپ کی ہے اس نے میرے ساتھ ذرا بھی غصہ نہیں کیا اور بہت ہی اچھے طریقے سے بات کی ہے میں نے اس کو اپنی بڑی آپی بنا لیا ہے۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے اس سے زیادہ اور

خوشی کی کون سی بات ہو سکتی ہے اس طرح ہی وقت کی سوئیاں چلتی رہیں اور میرا ساجدہ سے اس طرح کا تعلق بن گیا جس طرح ہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں اور صدیوں سے واقف ہوں وقت گزر رہا تھا۔

میری ساجدہ کی باقی سسٹر وغیرہ تھیں اس سے بھی بات ہونے لگی اس کی ماں جی سے بھی بات ہونے لگی اور وہ تمام لوگ میری بیگم سے بھی باتیں کرنے لگے۔

ایک دن ساجدہ نے مجھ سے کہا۔

بلوچ میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں کیا تم مجھے اپنی ایک عدد تصویر پوسٹ کر سکتے ہو۔

میں نے کہا ہاں کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر اس نے کہا۔

ہاں بولو کون سی شرط ہے۔

میں نے کہا ایک تو جب میں آپ کو اپنی تصویر پوسٹ کروں گا وہ مجھے واپس کر دو گی اور ساتھ میں اپنی تصویر بھی بھیجو گی۔

اس نے کہا ٹھیک ہے دوسرے دن میں نے اپنی ایک عدد تصویر ساجدہ کو رجسٹری کروا دی اور اسے یہ بھی کہا کہ اس تصویر میں ایک میری تصویر ہے اور ساتھ میں ایک دوستی ہے مطلب ایک ہی تصویر میں ہم دو دوست کھڑے ہیں آپ کو جب وہ تصویر مل جائے تو مجھے بتانا ہے کہ ان دونوں میں سے میری کون سی ہے۔

اس نے کہا۔ٹھیک ہے۔

تقریباً کوئی ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد وہ تصویر اس کو ملی اور تصویر کے ساتھ میں نے اس کو ایک رسالہ بھی بطور گفٹ دیا تھا جو کہ اس کو مل چکے تھے رات کے ٹائم اس کی کال آئی۔

میں نے پوچھا۔جی آپ کو تصویر مل گئی ہے

اس نے کہا ہاں جی مل گئی ہے۔

میں نے پوچھا۔ ان دونوں میں سے میری کون سی ہے تو کافی دیر سوچنے کے بعد ساجدہ بولی میری نظر میں تو سفید کپڑوں والی تصویر آپ کی ہے اس کی یہ بات سنتے ہی مجھے ہنسی آ گئی ساتھ ہی میں نے اس کو شاباش دی۔

گڈ یار آپ نے تو واقعی مجھے پہچان لیا ہے

اس نے کہا۔ ہاں جی پہچان لیا ہے۔

میں نے کہا۔ دوست اب آپ کا نمبر ہے

اس نے کہا۔ ٹھیک ہے میں نے بہت جلد ہی آپ کو اپنی تصویر بھی اور ساتھ میں تمہاری بھی واپس کر دوں گی۔

میں نے ساجدہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کال ڈراپ کر دی۔ کچھ دن بعد مجھے اس کی طرف سے پوسٹ کی ہوئی ایک رجسٹری موصول ہوئی تو جب اس رجسٹری کو کھولا تو کھولتے ہی خواہشات کی دنیا میں چلا گیا مطلب اس رجسٹری میں ٹشو پیپر کے اندر لپٹی ہوئی دو عدد تصویریں تھیں اور ٹشو پیپر کو خوشبو میں ڈبو کر اس کے اندر وہ دونوں تصویریں پلٹی ہوئی تھی سب سے پہلے تو میں نے اپنی پوسٹ کی ہوئی تصویر کو نکالا اور اس کے بعد ساجدہ کی تصویر اور ساتھ ہی اس تصویر کو بڑی گہری سوچ میں دیکھنے لگا ساجدہ واقعی بہت خوبصورت تھی ساجدہ کی تصویر مجھے بے حد پسند آئی میں نے شام کے وقت اس کو کال کر کے بتایا کہ دوست مجھے آپ کی طرف سے پوسٹ کی ہوئی تصویر مل گئی ہے اور مجھے بہت پسند آئی ہے میری یہ بات سن کر ساجدہ خاموش ہو گی۔

میں نے کہا دوست خیریت تو ہے ناں آپ چپ کیوں ہو۔

اس نے کہا بلوچ یہ تصویر پرانی ہے جو کچھ آپ نے تصویر میں دیکھا ہے اب میں اس طرح کی نہیں ہوں مطلب مجھے بیماری نے بالکل کھوکھلا کر دیا ہے اور میری مثال تو ایک درخت کی مانند ہے جو بظاہر تو ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہے لیکن اندر سے وہ کھوکھلا ہوتا ہے۔

میں نے اس کو حوصلہ دیا اور کہا دوست آپ پریشان نہ ہوا کریں اللہ تعالیٰ سب بہتر کرے گا۔ وقت گزرتا رہا اور ہماری دوستی مضبوط ہوتی گئی۔

ایک دن ساجدہ نے مجھ سے پوچھا۔

کیا بلوچ آپ کو خوشبو پسند ہے۔

میں نے کہا ہاں جی میں خوشبو بہت زیادہ لائق کرتا ہوں۔

اس نے کہا۔ ٹھیک ہے میں آپ کو پرفیوم گفٹ کروں گی۔

میں نے کہا۔ اوکے۔

کچھ دن گزرنے کے بعد مجھے ایک پارسل ملا جو ساجدہ نے مجھے پوسٹ کیا تھا اس کے اندر دو قسم کے پرفیوم تھے ایک کیلنڈر تھا جو کہ میں نے اپنے گھر کے اندر رکھے ہوئے ٹیبل پر رکھ دیا اور وہ بھی آج میرے پاس موجود ہے جب میں اس کے اوپر نظر جاتی ہے تو مجھے بہت کچھ یاد آتا ہے اس طرح ہماری دوستی کو سات ماہ کا عرصہ گزر گیا لیکن ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پائے تھے۔

ایک دن موبائل پر بات کرتے کرتے۔

میں نے اس کو کہا دوست میں آپ کو ملنا چاہتا ہوں مطلب آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں کیا ایسا ممکن ہے تو اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بس اتنا کہا۔

دیکھو بلوچ اگر نصیب میں ہوا تو ایک نہ ایک دن ضرور ملیں گے ویسے آپ مجھے دیکھ کر کیا کرو گے میں تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں۔

میں نے کہا جو کچھ بھی ہے لیکن میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں بس میری یہ بات دن کر وہ خاموش ہو گئی کال چلتی رہی اور میں یہ بات محسوس کرتا وہ رو رہی ہے اس کے رونے کی آواز دن کر میں بڑا پریشان ہو گیا تھا کہ ملنے کا کہا اور وہ رو کیوں رہی ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے میں بڑا پریشان میں نے کہا۔

تم رو کیوں رہی ہو۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے مجھے کہا۔ دیکھو بلوچ آپ سے رابطہ ہوئے تقریباً کوئی سات آٹھ ماہ گزر گئے ہیں لیکن میں آپ کو آج تک میری زندگی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا کہ میں اتنی بیمار کیوں ہو گئی ہوں اور میری زندگی میں کیا کچھ ہوا حالانکہ ہم نے ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ جانا ہے لیکن آپ نے آج تک اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔

میں ساجدہ کی باتیں سن کر کسی گہری سوچ میں چلا گیا کہ ہاں یار مجھے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں پوچھنا چاہئے تھا خیر میں نے اس کو کہا کہ دوست میں اس بات کی سوری کرتا ہوں اور اب میں یہ چیز جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری اس بیماری کی اصل وجہ کیا ہے۔

اس نے کہا نہیں اب میں نہیں بتاؤں گی۔

میں نے کہا ٹھیک ہے اگر نہیں بتانا چاہتی تو پھر مجھے کبھی دوست نہ کہنا مطلب میں ناراضگی کا اظہار کرنے لگا تو میری اس ناراضگی پر ساجدہ نے کہا ٹھیک ہے میں آپ کو بتاؤں گی ضرور مگر ابھی نہیں پھر کبھی سہی۔

میں نے کہا وعدہ۔

اس نے کہا ہاں جی پکا وعدہ۔

میں نے کہا ٹھیک ہے اب میں ہر پل ہر لمحہ اس پریشانی میں رہتا کہ ساجدہ مجھے کب اپنی داستاں سنائے گی۔ایک دن ساجدہ سے میری بات ہوئی اس دن میں ڈیوٹی پر تھا اور رات کے دو بجے کا ٹائم تھا میں نے ساجدہ سے بے حد ضد کی کہ آج مجھے اپنی داستاں سنائے۔

اس نے کہا ٹھیک ہے میں بتاتی ہوں لیکن آپ تو ڈیوٹی پر ہو۔

میں نے کہا ہاں ڈیوٹی پر ہوں لیکن میں کون سا کوئی کام کر رہا ہوں کرسی پر ہی تو بیٹھا ہوا ہوں ناں۔آپ سناؤ میں بالکل فری ہوں۔

اس نے کہا او کے ٹھیک ہے تو آیئے قارئین ساجدہ کی داستاں سنتے ہیں۔میں پاکستان شہر صادق آباد میں پیدا ہوئی جب میں نے آنکھ کھولی تو ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں میرا باپ بہت ہی امیر انسان تھا اس کے پاس بہت زیادہ جائیداد تھی مطلب یہ کہ بہت زیادہ امیر تھا ہم صرف دو ہی سسٹرز تھیں میں بڑی تھی اور مجھ سے میری ایک چھوٹی بہن جس کا نام سدرہ تھا ہم نے کبھی زندگی میں دکھ نام کی چیز نہیں دیکھی تھی میرے والد مجھ سے بہت پیار کرتے تھے کیونکہ میں ان کی بڑی اولاد تھی مطلب بڑی بیٹی تھی زندگی بہت ہی اچھے طریقے سے گزر رہے تھی نوکر چاکر ہماری زمینوں میں کام کرتے تھے کہتے ہیں ناں کہ کچھ خوشیاں انسان کے لیے عارضی ہوتی ہیں اس لیے نا جانے ہمارے ہنستے بستے گھر کو کس ظالم کی نظر لگی۔ ہوا کچھ اس طرح کہ ایک رات ہم سب لوگ گھر میں سو رہے تھے کہ کہ رات کی تاریکی میں میرے ابو کو کسی نے آکر مار دیا اس وقت میری عمر چار سال کی تھی اور میری چھوٹی بہن کی عمر کوئی ڈیڑھ سال ہو گی جب میرے ابو کسی ظالم کے ہاتھوں سے اپنی جان کھو بیٹھے تھے وہ ہمیں روتا ہوا چھوڑ کر اس دنیا فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے گئے ابو کی اس موت پر میری ماں جی کو بہت صدمہ ہوا اور وہ اس صدمے کی تاب نہ لیتے ہوئے پاگل ہو گئی ابو کو ویسے کسی نے مار دیا تھا اور ماں پاگل ہو گئی تھی ہمارے گھر کر جانے کس کی نظر کھا گئی تھی کچھ ہی عرصہ بعد میری ماں جی میرے ابو کی جدائی برداشت نہ کر سکی اور اس نے خودکشی کر لی اور ماں جی بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملی ہماری دنیا ہی اجڑ گئی تھی سر پر ایک ماں کا سہارا تھا وہ بھی ختم ہو گیا اب ہم جاتی تو کدھر جاتی ہماری یہ حالت دیکھ کر ہمارے رشتے دار ہماری بڑی طرفداری کرنے لگے کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ ان دونوں بہنوں کے پاس بہت ساری جائیداد ہے چلو اسی بہانے ہم بھی حصے دار بن جائیں گے اور مجھے میری خالہ ایک شہر میں رہتی تھی وہ لے گئی میں اپنی خالہ جی کے گھر آ گئی اس وقت میری عمر کوئی پانچ سال تھی میری خالہ کے چار بیٹے تھے اور چار ہی بیٹیاں تھیں شروع شروع میں تو میرا وہاں دل نہ لگا ہر وقت اداس ہی رہتا روتے

رہنا لیکن میری خالہ لوگوں نے مجھے اتنا پیار دیا اتنا پیار دیا کہ جتنا سگے والدین بھی نہیں کرتے میں اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھا اور خالہ کو بھی کبھی بھی میں نے خالہ نہیں کہا تھا میں اس کو اپنی ماں ہی سمجھتی تھی اور اس نے بھی مجھے اپنی ماں سے بھی بڑھ کر پیار دیا تھا اب میں نے اپنے دل میں سوچ لیا کہ بس یہی میری دنیا ہے یہی میرا سب کچھ ہے میں ہر فرد نے مجھے بہت زیادہ پیار دیا کبھی بھی کسی چیز کی کمی نہیں دی مطلب اس گھر میں میں جس چیز کی تمنا کرتی مجھے مل جاتی تھی۔ وقت گزرتا گیا جب میں سات سال کی ہوئی تو مجھے گاؤں کے پرائمری سکول میں داخل کروا دیا گیا مجھے پڑھنے کا بچپن سے ہی بہت شوق تھا دل لگا کر تعلیم حاصل کرنے لگی آخر کار میں نے مڈل پاس کر کے شہر کے ہائی سکول میں چلی گئی کیونکہ گاؤں میں صرف مڈل تک ہی سکول تھا۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں اس وقت نویں جماعت میں تھی جب میری بڑی بہن کی شادی ہوگئی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی اور میری آپی دلہن بن کر اپنے گھر چلی گئی آپی کی شادی کے بعد میں بڑی اداس رہنے لگی کیونکہ میری آپی مجھ سے بہت پیار کرتی تھی۔

ایک دن چھٹی کا دن تھا اور مجھے اپنی بڑی آپی کی بہت یاد آنے لگی میں نے اپنے دل کو بہلانے کے لیے وہ مووی لگا لی جو آپی کی شادی کی تھی جب مووی لگائی تو میری باقی سسٹرز بھی میرے پاس آکر بیٹھ گئیں مووی دیکھتی رہی دیکھتے ہوئے مجھے ایک اجنبی چہرہ نظر آیا میں اسے بار بار بڑے غور سے دیکھنے لگی تھی لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اجنبی کون ہے مطلب یہ لڑکا کون ہے اس کا نام کیا ہے آخر کار میں نے تنگ آکر اپنی چھوٹی سسٹر سے پوچھا۔

یہ جو لڑکا مووی میں نظر آرہا ہے یہ کون ہے

میری سسٹر نے کہا۔ ساجدہ یہ لڑکا منور ہی تو ہے جو آپی کی شادی پر آیا تھا کیا آپ اسکو جانتی ہیں میں نے کہا۔

نہیں تو میں تو اس کو پہلی بار دیکھ رہی ہوں مووی میں۔ میں نے جان بوجھ کر کہا۔

میری چھوٹی سسٹر مجھے کہنے لگی یہ لڑکا میاں چنوں سے آیا ہوا اور ڈاکٹری کا کورس کیا ہوا ہے مطلب کوئی ڈپلومہ وغیرہ اور یہ ہمارا رشتہ دار ہے مگر آپ کیوں بار بار اس کا پوچھ رہی ہو کیا آپ کو پسند تو نہیں آگیا۔

میں نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے بس میں نے تو ویسے ہی پوچھا تھا آپ سے۔

خیر وقت گزرتا رہا اور میں دل ہی دل میں اس لڑکے کے خواب دیکھنے لگی مطلب کہ اس سے ایک لگن ہونے لگی میں ہر پل اس کے بارے میں سوچنے لگی تھی لیکن کبھی کبھی مجھے اپنے آپ پر ہنسی آتی کہ دیکھو میں بھی کتنی پاگل ہوں کہ اس اجنبی لڑکے کو مووی میں دیکھ کر اس سے پیار کرنے لگی اس کے بارے میں سوچنے لگی جبکہ وہ مجھے جانتا تک نہیں ہے اس لیے کہتے ہیں یہ جو محبت ہے نہ یہ بڑی ہی موذی مرض ہے پتہ نہیں کب کوئی انسان اس موذی مرض میں مبتلا ہو جائے شاید میں بھی اس موذی مرض میں مبتلا ہوگئی تھی لیکن میرے دل میں بہت تمنا تھی میں ایک بار اس کو ملوں دیکھوں تو سہی کہ وہ کیسا ہے۔

اس طرح ہی وقت گزرتا رہا تو میں نویں جماعت پاس کر کے میٹرک میں آ گئی اب مجھے پڑھائی میں سخت محنت کرنی تھی کیونکہ میٹرک کا امتحان بورڈ کا ہوتا ہے خیر میں نے دن رات محنت کرنا شروع کر دی جب میں میٹرک میں پڑھ رہی تھی تو اس وقت میں ہاسٹل میں رہتی تھی کیونکہ وہاں پر گھر دور تھا مطلب روز گھر نہیں جا سکتی تھی میں ایک دن اپنی پڑھائی میں مصروف تھی کہ منور کی کال آئی ہم ایک دوسرے سے بات کرنے لگے باتوں باتوں میں میں نے منور سے پیار کا اظہار کر دیا مطلب کہ جو کچھ بھی میرے دل میں تھا میں نے منور کو کہہ دیا۔

میں یہاں پر منور کے بارے میں کچھ لکھنا چاہوں گی منور ایک بے حد خود غرض انسان تھا میں نے تو اس سے سچی محبت کی تھی اور میں آج بھی یہ الفاظ فخر سے کہتی ہوں کہ میری محبت اب بھی پاس صاف ہے اور میں تو اس خود غرض انسان سے سچی محبت کرتی تھی لیکن نہ جانے اس کے دل میں کیا تھا یا پھر وقت گزاری کرتا تھا اس نے مجھ سے قسطوں پر پیار کیا تھا مطلب تین ماہ بات کی اور چھ ماہ غائب رہا پھر چھ ماہ بات کی اور ایک سال غائب ہو گیا بھلا اس طرح بھی پیار کیا جاتا ہے۔ خیر میں نے کئی بار اپنے دل کو سمجھایا کہ اب میں منور سے بات نہیں کروں گی لیکن جب اس کی کال آتی تو پتہ نہیں نجانے کیوں مجھے کیا ہو جاتا تھا میں پاگل پھر سے اس سے باتیں کرنا شروع کر دیتی تھی۔ ایک دن منور کی کال آئی تو اس نے مجھ سے کہا۔

ساجدہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔

میں نے بغیر کسی اصرار کے اس کی یہ آفر قبول کر لی مطلب ہاں کر دی مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ اٹھارہ مارچ سوموار کا دن تھا جب میں نے اپنے آپ کو ایک دلہن کی طرح تیار کیا تھا میرے دل میں یہ بات تھی کہ بس مین آج منور کے ساتھ چلی جاؤں گی اس کی دلہن بن کر لیکن وہ تو فقط میرا خواب تھا اور خواب خواب ہی رہے گا میں۔

اس دن صبح صبح ہی گھر سے نکلی تھی گھر کا مطلب ہوسٹل میں یہاں پر میں رہتی تھی کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز انسان کی قیمت میں نہ ہونا تو چاہئے وہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے وہ کبھی اس کو حاصل نہیں کر سکتا میرے ساتھ ہی کچھ اس طرح ہو رہا تھا جب میں نے آدھا راستہ طے کر لیا تو میرے موبائل کی بیٹری ختم ہونے کی وجہ سے موبائل بند ہو گیا اب بہت پریشان ہو گئی کہ اب کیا ہو گا کیا کر سکتی ہوں منور مجھے کال کرے یا میسج کرے تو میں اس کو رپلائے نہیں کر سکوں گی خیر میں وہاں سے جس بس میں سوار بھی اتر گئی وہاں ایک چھوٹا سا اڈا تھا وہاں پر ایک شاپ پر گئی اور اپنے پرس سے موبائل نکال کر چارجنگ پر لگایا کر میں نے منور سے بات کی۔

میں ادھا سفر طے کر آئی ہوں میرا موبائل آف ملے تو پریشان نہ ہونا میں لیکن میں جب منور کی بات سنی تو یقین کریں میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی میرے تو ارمانوں کا ہی خون ہو گیا مجھے تو ہر چیز ہی گھومتی ہوئی نظر آنے لگی تھی کہ اتنا بڑا دھوکہ میرے ساتھ یہ نہیں ہو سکتا اس نے مجھے کہا۔

ساجدہ آپ یہاں سے واپس چلی جاؤ میں نہیں آؤں گا کیونکہ میں تو کسی کام کے

حوالے سے لاہور چلا گیا ہوں۔

میں بار بار اسے یہ کہہ رہی تھی منور پلیز آپ میرے ساتھ مذاق مت کریں۔

اس نے کہا۔نہیں میں آپ سے کوئی مذاق نہیں کر رہا ہوں میں واقعی لاہور ہوں۔

جب اس نے دوسری بار بھی یہ بات کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ نہیں آئے گا میری آنکھیں ساون برسا رہی تھی میرے ارمانوں کا خون ہو چکا تھا پتہ نہیں میں تو اس بے وفا کے لیے کیا کیا سوچتی تھی کاش منور ملنے کا نہ کہا ہوتا اس نے اتنا بڑا دھوکہ مجھے دیا کہ خود ہی پاگلوں کی طرح سوال کرتی اور خود ہی جواب دیتی مجھے تو یوں لگتا تھا جیسے مجھ پر کوئی سکتہ طاری ہو گیا ہو جس شاپ پر میں کھڑی تھی وہ سب لوگ حیران پریشان مجھے دیکھ رہے تھے آخر کار میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ارمانوں کا جنازہ لیے واپس بوجھل قدموں سے شاپ پر آ گئی اور بس کا انتظار کرنے لگی کچھ دیر کے بعد میں ایک بس میں سوار ہوئی لیکن ہاسٹل تک جاتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو نہیں تھمے تھے آج میرا دل ٹوٹ چکا تھا مجھے محبت کے نام سے نفرت ہو گئی تھی اگر منور نے مجھے نہیں ملنا تھا تو اس نے مجھے کیوں بلایا تھا کیونکہ اتنا بڑا مذاق کیا تھا میرے ساتھ اس کی یہی باتیں تو میں اپنے دل میں لے کر بیٹھ گئی ایک غم بچپن میں ملا تھا باپ اور ماں کا جو ابھی تک نہیں بھرا تھا اور دوسرا روگ یہ محبت کا۔

ایک دن بڑی اداس سی تنہا سی بیٹھی ہوئی تھی تو منور کی کال آئی میں نے اٹینڈ نہیں کی کافی دیر تک اس کی کالیں آتی رہی خیر میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی کال اٹینڈ کی تو اس نے بس اتنا ہی کہا۔

ساجدہ تم سے کوئی محبت نہیں تھی میں تو بس وقت گزاری کرتا تھا آپ کے ساتھ اگر ہو سکے تو معاف کر دینا۔

پہلے اس نے تھوڑے زخم دیئے تھے جواب یہ بات سننے کو مل گئی تھی میں اس کی یہ بات سنتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی جب میں نے اپنی آنکھ کھولی تو میں اپنے آپ کو ایک ہسپتال میں پایا اب پتہ نہیں کون اور کیسے مجھے یہاں پر لایا تھا۔وقت گزرتا رہا میں نے میٹرک پاس کر کے فسٹ ائیر میں ایڈمیشن لے لیا تھا منور کے ساتھ میں نے اپنا مکمل رابطہ ختم کر دیا تھا میں نے وہ سم بھی توڑ دی تھی جس سم کا نمبر منور کے پاس تھا لیکن سب کچھ ختم کرنے کے باوجود بھی میرے دل سے منور کی محبت ختم نہ ہوئی تھی ہر پل ہر لمحہ میرے ساتھ ساتھ رہتا تھا اب میں ہر وقت انہی سوچوں گم رہتی تھی کہ پتہ نہیں وہ کس قسم کا انسان تھا کبھی تو وہ مجھ پر اپنی جان تک نچھاور کرتا تھا اور کبھی وہ کہتا مجھے تو آپ سے کوئی محبت نہیں ہے وقت گزارنے کے ساتھ میں بیمار ہو رہنے لگی تھی گھر والوں نے میرا کافی اعلاج کروایا لیکن میں ٹھیک نہیں ہو گئی کسی کو بھی میری بیماری کی سمجھ نہیں آئی دن بدن میرا جسم کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا۔

کبھی وہ دن جب میں سکول جاتی تھی تو لوگ صرف میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے میرے راستے پر کھڑے ہوتے تھے لیکن بیماری نے مجھے اس قدر کھوکھلا کر دیا تھا کہ بس میری ہڈیاں باقی رہ گئی تھی ہر وقت اپنے روم میں بیٹھی

رہتی ہوں کسی سے بھی کوئی بات کرنے کو جی نہیں چاہتا ایک دن میں بازار گئی تو وہاں سے جواب عرض لے کر آئی بس اب سارا سارا دن میں جواب عرض کا مطالعہ کرتی رہتی ہوں اور بس کوئی کام نہیں کرنا اور نہ ہی مجھ سے کوئی کام ہوتا تھا جواب عرض میں ہی آپ کا نمبر دیکھا اور پھر آپ سے رابطہ کیا کیونکہ آپ کی سٹوریاں بہت ہی دکھی ہوتی تھیں جس کو پڑھ کر مجھے بہت ہی سکون ملتا تھا۔ قارئین آپ ساجدہ کی کہانی سنی خیر مجھے ساجدہ کی یہ کہانی سن کر بہت دکھ ہوا اور میرے دل میں ساجدہ سے پہلے سے بھی زیادہ جگہ بنالی میں نے بہت ضد کی اور کہا۔

میں آپ کو ہر صورت ملنا چاہتا ہوں۔

ساجدہ صرف مجھے ایک ہی بات بتاتی بلوچ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ مجھے جب بھی ملنے کا کہتے ہو تو خدا کی قسم میری روح کانپ جاتی ہے کہ آپ کہیں منور کی طرح میرے ساتھ دھوکہ تو نہیں کرو گے۔

میں نے کہا۔ ساجدہ ایک بات یاد رکھنا ہر انسان دھوکہ بھی نہیں کرتا اور ہر انسان وفا بھی نہیں کرتا آپ میرا یقین کریں میں آپ کو کوئی دھوکہ نہیں دوں گا۔ آخر کار ساجدہ کو بڑی مشکل سے راضی کیا کہ وہ مجھے ملنے آئے۔

ساجدہ نے کہا۔ بلوچ میں پندرہ تاریخ کو بدھ والے دن آپ کو ملنے آؤں گی۔

میں نے کہا ٹھیک ہے۔

جس دن ساجدہ نے ملنے کا کہا تھا اس دن غالبا پانچ اکتوبر تھا ابھی دس دن رہتے تھے اس کے آنے میں لیکن میں بہت بے چین تھا اس کو دیکھنے کے لیے آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کا مجھے بڑی شدت سے انتظار تھا ساجدہ نے آنے سے ایک دن پہلے مجھے کہا۔

بلوچ میں کل آٹھ بجے وہاں پہنچ جاؤں گی میرے پاس موبائل نہیں ہوگا کیونکہ دو دن سے میرا موبائل پانی میں گر گیا تھا اس لیے گھر سے نکلتے وقت میں آپ کو میسج یا کال نہیں کر سکوں گی اور آپ یہ نہ سمجھنا کہ وہ نہیں آئے گی کیونکہ میں وعدہ کرتی ہوں وہ پورا کرتی ہوں۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے میں وقت پر پہنچ جاؤں گا۔

ساجدہ سے ملنے سے پہلے میں جب اس نے موبائل خراب والی بات بتائی تو میں نے سوچا کہ اس کے لیے ایک موبائل لیتا ہوں اور کل اس کو دے دوں گا میں یہاں پر ایک اور بات لکھنا ضرور سمجھتا ہوں کہ ہر انسان غلط بھی نہیں ہوتا ساجدہ سے دوستی کیے ہوئے مجھے تقریبا ایک سال کا عرصہ بیت گیا تھا لیکن اس نے کبھی بھی کوئی فرمائش نہیں کی تھی کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے حتیٰ کہ لوڈ مطلب بیلنس تک کا بھی نہیں کہا تھا میں بازار گیا اور ساجدہ کے لیے موبائل لے کر آیا اور میرا موبال میرا ایک دوست تھا میں نے اس کو دے دیا اور اس کو کہا۔

یار میری امانت رکھ لو اپنے پاس میں کل آپ سے آٹھ بجے لے لوں گا۔

اس نے کہا۔ ٹھیک ہے۔

میں موبائل اس اپنے دوست کو دے کر گھر چلا گیا دوسرے دن یعنی کہ پندرہ تاریخ کو جد دن کا وعدہ ساجدہ سے کیا تھا میں گھر سے تیار ہو کر آٹھ بجے نکل آیا کیونکہ جہاں پر اس نے آنا تھا وہ میرے شہر سے تقریبا پینتالیس منٹ کا سفر

تھا میں نے یہ پلان بنایا تھا کہ آٹھ بجے گھر سے نکلوں گا اور پونے نو بجے اس کے پاس پہنچ جاؤں گا اس کو کہا کہ لیکن ہوتا وہ ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے جو کچھ انسان کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ مل کے رہتا ہے جب میں آٹھ بجے اس اپنے دوست کے پاس گیا تو اور اس کو کہا۔

میری امانت مجھے جلدی دو میں نے جانا ہے مطلب وہ جو موبائل اس کے لے کر دیا تھا وہ اس سے مانگ رہا تھا وہ کبھی روم میں ادھر ادھر دیکھنے لگا میں نے یہاں رکھا تھا میں نے وہاں رکھا تھا کبھی اوپر کبھی نیچے دیکھے وہ موبائل کو ڈھونڈ رہا تھا اور مجھے اس پر اتنا غصہ آ رہا تھا کہ اس بندے کی حالت دیکھو تو اس کو یہ بھی نہیں پتہ کہ میں نے کہاں رکھا ہے کافی دیر تک وہ تلاش کرتا رہا اس وقت میری یہ حالت تھی کہ میرا ایک ایک منٹ بھی بہت قیمتی تھی کہ میں کیا بتاؤں اب اس بات کا پتہ نہیں کہ وہ جان بوجھ کر یہ ڈرامہ کر رہا تھا یا واقعی اسے پتہ نہیں تھا کہ وہ شاپر جس کے اندر موبائل تھا اس نے کہاں رکھا تھا آخر کار بڑی مشکل سے وہ شاپر ملا جس کے اندر موبائل تھا میں نے پونے نو بجے وہاں پہنچنا تھا لیکن قسمت کی بدنصیبی میں پونے نو بجے اپنے ہی سٹاپ پر کھڑا تھا ایک اس کے پاس موبائل ہی نہیں تھا تا کہ اس کو بتا دوں کہ آپ پریشان نہ ہونا میں تھوڑا لیٹ ہوں جلدی جلدی ایک بس میں سوار ہوا اس وقت میری بس نے بہت ٹائم لگانا تھا اس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ ایک منٹ کے اندر میں اس کے پاس پہنچ جاؤں لیکن گاڑی والوں نے تو اپنی مرضی سے جانا تھا خیر ابھی آدھا سفر طے ہوا تھا کہ میرے موبائل پر ایک اجنبی نمبر سے کال آئی میں نے اٹینڈ کی تو ساجدہ بار کر رہی تھی۔

بلوچ آپ کہاں ہو آپ آ رہے ہو یا پھر میں واپس چلی جاؤں۔

میں نے کہا۔ پلیز دوست ایسا مت کہنا میں پانچ منٹ میں پہنچ جاؤں گا۔

کال ڈراپ ہو گئی تھوڑی دیر کے بعد پھر کال آئی بلوچ میں واپس جانے لگی ہوں۔

میں اس کو کہا صرف دو منٹ میرا ویٹ کرو میں پہنچ گیا ہوں تم کہاں ہو۔

ساجدہ نے مجھے کہا میں پل کے درمیان میں کھڑی ہوں لیکن اس پاگل کو اتنا نہیں پتہ چل رہا تھا کہ وہ پل کے شروع میں کھڑی تھی اور بار بار پل کے درمیان میں بتا رہی تھی۔

میں نے پوچھا آپ نے کس کلر کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔

اس نے کہا۔ میں نے بلیک کلر کا پرس اپنے کندھے پر لٹکایا ہوا ہے۔ میں نے اس کو تلاش کیا تو لیکن کافی دیر کے بعد ساجدہ وہاں کھڑی رو رہی تھی۔

میں نے پوچھا آپ رو کیوں رہی ہو

میرے اس سوال کرنے پر اس نے مجھے کہا دیکھو بلوچ میں یہاں پر کھڑے آٹھ بجے کی کھڑی ہوں اور اب ٹائم کیا ہوا ہے۔

میں نے کہا سوری دوست بس میں کچھ لیٹ ہو گیا تھا۔

خیر وہ خاموش ہو گئی اس کے بعد ہم وہاں سے پیدل چل پڑے تھے تھوڑا سا آگے گئے تو وہاں ایک رکشے میں سوار ہو گئے دس منٹ کے بعد آگے ایک پارک تھا وہاں پر اتر گئے پارک

میں گھاس پر وہ میرے ساتھ بیٹھ گئی ساجدہ نے نقاب کیا ہوا تھا کچھ دیر تو وہ مجھ سے شرماتی رہی لیکن اس کے بعد مجھ سے باتیں کرنے لگی میں نے پھر اس کو وہ موبائل دیا جو اس کے لیے لے کر آیا تھا اس کے بعد میں نے اسے کہا۔

دوست کیا آپ نقاب نہیں اتارو گی۔

اس نے کہا۔نہیں۔

میں نے کہا پلیز یار اپنا چہرہ تو دکھادو۔

خیر اس نے میری بات مان لی اور پھر شرماتے ہوئے نقاب کھولا۔ساجدہ بہت ہی خوبصورت تھی لیکن اسکی بیماری کی وجہ سے پریشانی کے تاثرات اس کے چہرے سے نمایا نظر آرہے تھے وہاں پارک میں ہم دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد ساجدہ سے پوچھا۔

دوست کیا آپ کو بھوک لگی ہے۔

اس نے کہا نہیں۔

لیکن اس کے باوجود بھی ہم دونوں ایک ہوٹل میں چلے گئے اور وہاں سے بریانی وغیرہ کھائی اس کے بعد ساجدہ کو میں اس کے سٹاپ پر مطلب جہاں سے اس کے شہر کی طرف گاڑیاں جاتی تھیں وہاں سے اسے گاڑی میں بٹھا کر اس ٹائم تک وہاں کھڑا رہا جب تک گاڑی چلی نہیں جب گاڑی وہاں سے روانہ ہوئی تو اس وقت ساجدہ مجھے ہاتھ کے اشارے سے بائے بائے کررہی تھی وہ تو چلی گئی لیکن میں اس کے بعد بوجھل قدموں سے ایک زندہ لاش بن کر واپس آگیا اس دن میری حالت دیوانوں جیسی تھی کچھ ٹائم گھر پر گزارنے کے بعد میں نے ساجدہ کو کال کی اور پوچھا دوست کہاں ہو تو ساجدہ نے کہا۔

میں خیریت سے گھر پہنچ گئی ہوں۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ساتھ ہی کال ڈراپ کردی وقت گزرتا رہا اور اب ساجدہ کے بارے میں سوچنا میرا معمول بن گیا تھا میں ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ میں کسی نہ کسی طرح اس کی مدد کروں اس کا دکھ کم کرسکوں اس کی بیماری کا علاج کرواسکوں بس اس طرح کی سوچوں میں گم سم رہتا معمول کے مطابق ایک دن اس کی کال آئی ہم نے ایک دوسرے کی خیریت پوچھی اور اس کے بعد میں نے اس کہا۔

دوست میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔

اس نے کہا ہاں بلوچ جی کرو۔

میں نے کہا ساجدہ بات بہت بڑی ہے اور اگر آپ مان جاؤ تو۔

میری یہ بات سن کر وہ ایک لمحہ کے لیے تو خاموش ہوگئی لیکن اس کے بعد اس نے کہا۔

بلوچ جی آپ بات کرو۔

میں نے ساجدہ سے کہا۔دوست بات یہ ہے کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

میری یہ بات سن کر وہ مجھ سے کہنے لگی۔

بلوچ جی آپ مذاق بہت اچھا کرلیتے ہیں۔

میں نے کہا دوست پلیز میں مذاق نہیں کر رہا ہوں اس وقت بالکل سیریس ہوں میری۔

اس نے کہا بلوچ جی کیا ہوگیا ہے آپ کو مجھ بیمار سے آپ شادی کر کے کیا کرو گے اور ویسے بھی آپ تو پہلے سے ہی شادی شدہ ہو اور آپ کی بیوی میری دوست ہے میری بڑی آپی ہے وہ کیا سوچے گی میرے بارے میں ہاں اگر

میں مان بھی جاؤں تو کیا میرے گھر والے مان جائیں گے۔
میں نے کہا۔ دیکھو ساجدہ مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے بس مجھے آپ کی ہاں کی ضرورت ہے باقی سب کچھ سنبھال لوں گا۔
ساجدہ نے کہا۔ ٹھیک ہے مجھے کچھ ٹائم دو مطلب سوچنے کا ٹائم دو پھر میں آپ کو تمام صورت حال سے آگاہ کروں گی۔
میں نے کہا ٹھیک ہے دوست آپ سوچ لو پھر مجھے بتا دینا اس کے بعد ہماری کال ڈراپ ہوگئی میں یہاں اپنے قارئین کو ایک ضروری بات بتا دوں ساجدہ سے میرا شادی کرنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ مقصد صرف اور صرف اس کا علاج کروانا تھا اسے ہر پل خوش رکھنا تھا اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں مجھے عزیز تھیں میرے دل میں اس کے لیے ایک لگن اور ہمدردی تھی اور اس کو جو بیماری تھی میں وہ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں لیکن انسان جو سوچتا ہے ویسے ہوتا نہیں ہے اور شاید میرے ساتھ بھی کچھ اس طرح ہونے والا تھا میں نے اپنے بیوی کو بھی صاف صاف بتا دیا تھا کہ میں ساجدہ سے اس مقصد کے لیے شادی کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ خوش رکھے میری بیوی کو اس نے کہا۔
ٹھیک ہے آپ کر سکتے ہیں میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔
لیکن جو بھی سوچ رہا تھا جو میرے دل میں تھا شاید وہ میری بھول تھی ساجدہ سے بات کیے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور میں نے بھی اس لیے کال نہیں کی تھی تا کہ اس کو اپنے گھر والوں سے بات چیت کرنے کا موقع دیا جائے اسے کچھ ٹائم دیا جائے ایک ہفتہ کے بعد جب میں نے اسے کال کی تو اسکا نمبر بند ملا بڑا پریشان ہو گیا کہ اس کا نمبر کیوں آف ہے خیر اس دن میں سارا دن کال کرتا رہا شام کے پانچ بجے اس کا نمبر اوپن ہوا جب میں نے کال کی تو آگے سے ساجدہ کے بجائے اس کی بہن نے کال اوکے کی میں نے اسے کہا۔
پلیز سسٹر مجھے ساجدہ سے بات کرنی ہے
میری زبان سے ساجدہ کا نام سنتے ہی وہ رونے لگی میں نے کہا۔
خیر تو ہے کیا بات ہے آپ رو کیوں رہی ہو وہ مجھے کچھ بھی نہ بتا رہی تھی میں بھی پریشان ہو گیا کہ آخر مسئلہ کیا ہے پھر اسے دوبارہ کہا کہ پلیز سسٹر کیا بات ہے ساجدہ کہاں ہے میری بات کروا دو اس سے تو اس نے کہا۔
بھائی جان ساجدہ کو فوت ہوئے آج چار دن ہو گئے ہیں اب کس ساجدہ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔
میں نے کہا پلیز سسٹر مذاق مت کرو میرے ساتھ پلیز جھوٹ مت بولو۔
اس نے پھر روتے ہوئے کہا۔ مجھ سے یہ جھوٹ نہیں ہے یہ سچ ہے۔
جب میں نے اس کی بات سنی تو میری آنکھیں نم ہوگئی اور موبائل بھی ہاتھ سے گر گیا اور میری زبان سے یہ لفظ نکلا اف خدا یہ کیا ہو گیا میری بیوی مجھ سے پوچھنے لگی۔
کیا ہو گیا ہے آپ کو۔
میں نے اسے کہا ساجدہ فوت ہوگئی ہے
میری بیوی نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے اور آپ کو کس نے بتایا۔

میں نے کہا مجھے اس کی سسٹر نے بتایا
میری بیوی نے کہا ہوسکتا ہے جھوٹ ہو۔
میں نے بیوی سے کہا مرنے والوں کا بھی کبھی جھوٹ ہوتا ہے ساجدہ نے مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بتایا تھا اسی وقت میں اور میری بیوی ہم دونوں تیار ہو گئے اور اس کے بتائے ہوئے ایڈریس پر ہم دونوں میاں بیوی اس کے گھر پہنچ گئے دوستو میں آپ لوگوں کو کیا بتاؤں جب میں اس کے گھر اور بعد میں اس کے روم میں گیا تو اپنے آپ پر کنٹرول نہ کر سکا اور اتنا رویا کہ سب لوگ اکٹھے ہو گئے اور اب حیران کن بات یہ تھی کہ کسی بھی یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ دونوں میاں بیوی کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں خیر میری بیوی نے سب کو اپنا تعارف کروایا کہا۔
ساجدہ میری دوست تھی۔
میری بیوی کی بات سننے کے بعد ہی اس کی ایک سسٹر بولی آپی آپ کا نام شگفتہ ہے۔
میری بیوی نے ہاں میرا نام شگفتہ ہے۔
اسکی سسٹر دوبارہ بڑے دکھ بھرے لہجے میں رونے لگی اور ساتھ ہی بتانے لگی کہ ساجدہ اکثر اوقات گھر میں آپ کا اور بلوچ کا ذکر کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ بلوچ اور اس کی بیوی دونوں میرے بہت اچھے دوست ہیں۔
اس کی بہن کی باتیں سن کر میری بیوی نے اس کو بتایا کہ جس بلوچ کی ساجدہ باتیں کرتی تھی جس کی سٹوریاں پڑھتی تھی وہ یہی ہیں جو آپ کے سامنے ہیں اور یہ میرا شوہر ہے پھر اس کے بعد میں نے اس کی بہن کو پوچھا۔
اس کو کیا ہوا تھا آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔
وہ بولی۔ وہ بہت عرصے سے بیمار تھی ایک دن رات کو معمول کے مطابق اپنے روم میں چلی گئی جہاں پر وہ پہلے سوتی تھی جب صبح ہوئی تو میں اسے نماز کے لیے جگانے گئی جب اس کو ہاتھ لگایا تو اٹھنے کے لیے تو اس کا پورا جسم اکڑا ہوا تھا میری تو چیخ نکل گئی دوڑ کر سب لوگ میرے پاس آ گئے لیکن ساجدہ تو اپنے رب کے پاس جا چکی تھی گھر میں کہرام مچ گیا ساجدہ کی اچانک موت پر ہر آنکھ نم ہو گئی ڈاکٹر کو بلایا گیا کہ پتہ چلے کہ کیا ہوا تھا جب ڈاکٹر نے تمام تر معائنہ کیا تو ڈاکٹر نے ہمیں بتایا۔
اس کی جو بیماری تھی وہ اس کو لے ڈوبی بس کوئی وجہ نہیں تھی۔ ساجدہ کی سسٹر مجھے یہ باتیں بتا رہی تھی میری آنکھوں میں آنسو تھے مجھے دکھ صرف اس بات کا تھا کہ میں جو چاہتا تھا وہ اسے نہ دے سکا میں تو اس کے دکھ دور کرنا چاہتا تھا اسے ہر پل خوش رکھنا چاہتا تھا لیکن افسوس کہ میں کچھ بھی نہ کر سکا اس کے بعد میں نے ساجدہ کی سسٹر کو کہا۔
بہن جی میں اس کی قبر پر جانا چاہتا ہوں۔
اس کی سسٹر نے ساجدہ کی قبر پر لے گئی میں نے ساجدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھی وہ تو بیچاری ابدی نیند سوئی ہوئی تھی بس اس کی قبر کو دیکھ کر ایک بار پھر آنسو نکل آئی اور اس دن میں جی بھر کے رویا تھا واپسی پر اس کی بہن نے مجھے ایک لیٹر دیا اور اس نے کہا۔
بھائی یہ لیٹر جب میں صبح اس کو جگانے کے لیے گئی تھی اس کے روم میں تو ساجدہ کے روم سے ملا تھا وہ لیٹر قارئین کی نظر کرتا ہوں اس لیٹر کی تحریر کچھ یوں تھی۔
جان سے پیارے دوست بلوچ جی میری

زندگی کا کوئی پتہ نہیں ہے کہ کب ساتھ چھوڑ جائے میرے چلے جانے کے بعد بھی پریشان نہ ہونا مجھے فخر ہے آپ کی دوستی پر آپ کی ہمدردی پر اللہ پاک آپ دونوں میاں بیوی کو سلامت رکھے اور آخر پر اس نے میرے نام ایک غزل لکھی ہوئی تھی

دور جا کر بھی ان سے دور جا نہ سکے
کتنا روئے کسی کو بتا نہ سکے۔۔۔۔
دود یہ نہیں کہ وہ ہمیں مل نہیں سکے
درد یہ ہے کہ ہم انہیں پا نہ سکے

اس کا یہ خط پڑھ کر بہت دلی صدمہ ہوا۔

قارئین کرام یقین کریں بڑی ہی مشکل سے یہ سٹوری لکھنے میں کامیاب ہوا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب بھی ساجدہ کی سٹوری لکھنے کے لیے قلم اٹھاتا تو میرے ہاتھ کانپتے تھے اور آنکھیں نم ہو جاتی تھیں میں یہ سٹوری لکھ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا کہتے ہیں نا رونے یا پھر لکھنے سے انسان کے دکھ کم تو نہیں ہوتے لیکن دل کا بوجھ ہلکا ضرور ہو جاتا ہے۔

میں تمام قارئین سے ریکویسٹ کرتا ہوں کہ ہمیشہ دکھی انسان کے ساتھ ہمدردی کرو کسی کے ساتھ ہمدردی کرنے سے انسان خود بھی سکون محسوس کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس انسان سے راضی ہو جاتا ہے۔

آخر پر قارئین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ساجدہ کی مغفرت کے لیے دعا کریں اور اپنی قیمتی رائے دینے کے لیے ایس ایم ایس یا کال کر سکتے ہیں کہ میں ساجدہ کی سٹوری لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں ابھی اجازت چاہتا ہوں اللہ نگہبان ۔ یہ میری سٹوری اگر میرے دوست تنویر احمد کی نظر سے گزرے تو پلیز تنویر جی مجھ سے رابطہ ضرور کرنا آپ کی مہربانی ہوگی۔

مقصود احمد بلوچ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

میری تقدیر سے پوچھ میری قسمت کا فیصلہ
میری مسکراہٹ پہ نہ جا میرے درد کو تلاش کر
.......رانا بابر علی لاہور

محبت روح کی غذا

---تحریر: کشاف اقبال۔ کراچی۔۔۔

شہزادہ بھائی۔
آج پھر میں ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہو رہی ہوں امید ہے کہ آپ میری حوصلہ افزائی کریں گے اگر آپ نے ایسا کیا تو میں مزید لکھنے کی کوشش کروں گی اور میں تمام قارئین کی شکرگزار ہوں کہ وہ میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں اور مجھے لکھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ میں نے اپنی اس کہانی کا عنوان ۔میرا نصیب رکھا ہے اگر آپ چاہیں تو اس کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بدنصیب کی کہانی ہے جو اپنے نصیب کو سات سے کوس رہی ہے جس نے بے پناہ محبت کی لیکن ان کا ملاپ نہ ہو سکا میں اس کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہوں یہ آپ پر چھوڑتی ہوں۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔

آج کچھ آئینے کی طرح صاف اور عیاں ہو چکا تھا تمام شہبات تمام احتمال سب دور ہو چکے تھے آج ذرا بھی بدحواس اور کنفیوز نظر نہیں آ رہی تھی جو گمان میرے دل و دماغ میں پچھلے ڈیڑھ سال سے مدفون تھا وہ گرمی کی اس تیز بارش کے ساتھ ساتھ یقین میں بدل کر میرے روبرو برس رہا تھا میں بھیگ رہی تھی ہر گزرتا ہوا لمحہ بارش کے شفاف پانی کی طرح میرے دل کو بھی تمام تر شہبات سے پاک کر رہا تھا۔

آج مجھے یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ بھی اس ڈیڑھ سال میں ہوا وہ میرا وہم نہیں تھا وہ محبت تھی جو یک طرفہ ہر گز نہ تھی اللہ کی دی ہوئی لاتعداد نعمتوں میں سے ایک نعمت تھی جو درخت کی ٹہنیوں سے ٹکرا کر میرے جسم کو بھیگا رہی تھی وہ یہ احساس بھی میرے اندر اجاگر کر رہی تھی کہ آج صحیح معنوں میں محبت ہو گئی ہے۔
ڈیڑھ سال کا عرصہ کافی تھا مجھے اس حقیقت سے شناسائی ہوئی تو میری دونوں آنکھیں پھٹی کی پھٹی سلے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ



گئے میں اپنے آپ میں حیران رہ گئی۔

آخر ایک قابل اور سلجھی ہوئی لڑکی ایک ایسے لڑکے سے محبت کیسے کرسکتی ہے، جس کا تعلق یونیورسٹی کے ایک گروپ سے تھا محبت اگر سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے وہ محبت ہی نہ کہلاتی محبت ایسے وجود کی پیدائش کے لیے عقل کا سہارا ہرگز نہیں لیتی یہ تو وہ جس کی ابتدا کی کسی کو خبر نہیں ہوتی بے خبر محبت اور وہی بھی۔

بارش اتنی موسلا دھار اور چنگاڑ کے ساتھ ہو رہی تھی کہ اس کی ایک ایک فربہ بوند اور خوفناک گرج چمک اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ یہ بارش تھمنے والی نہیں ہے یہ جسم کیا ہے یہ تو رتوں کو بھی پوری طرح بھیگا کر کے ہی چھوڑے گی۔

میرے دل میں اس من موہن برکھا کے مناظر کو دیکھ کر وہ پل وہ لمحات یاد آنے لگے جو میں نے بلال کے ساتھ گزارے تھے برسات کی ایک ایک بوند کو محسوس کرتے کرتے مجھے بلال کے ساتھ گزاری ایک ایک یاد آنے لگی اور یوں میں یادوں کے گہرے سمندر میں بغیر سفینے کے ڈوبی جانے لگی تھی۔

یونیورسٹی کا پہلا دن تھا اپنا نام یونیورسٹی کے سب سے اچھے ڈیپارٹمنٹ پر لکھا دیکھ کر میرے اندر ایک جائز فخر سا آگیا تھا ہر طرف افراتفری کا عالم تھا میرے سامنے کھڑا دوسرا شخص انجان تھا اور جان پہچان ہوتی بھی کیسے یونیورسٹی کا پہلا دن جو تھا ادھر ادھر کی بھاگ دوڑ کے بعد میں نے اپنا ڈیپارٹمنٹ آخر ڈھونڈ ہی لیا میں دیکھنے میں جتنی دلکش اور نازک تھی اتنی ہی زیادہ بہادر تھی اپنے اندر مردوں والی ہمت رکھتی پر اوپر سے بالکل نازک اور شرمیلی تھی ڈیپارٹمنٹ کے ہال میں سارے طالب علم آکر منجمد ہو گئے تھے جیسے ہی ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین نے اپنا قدم ہال میں رکھا سب کے ہونٹ سل گئے اور ایک سناٹا سا چھا گیا چیئرمین نے وہاں کے تدریسی عمل سے سب کو آراستہ کرایا اور ڈسپلن وغیرہ کی باتیں کرنے اور قوائد وضوابط سے آشنا کرنے کے بعد انہوں نے سب کو کلاس کی طرف جانے کا اشارہ کیا ساری لڑکیاں ایک ساتھ ہو گئیں اور لڑکے ایک جانب سب کلاس روم میں آتو گئے تھے مگر سب جانتے تھے کہ وہ یونیورسٹی لائف ہے پہلے دن پڑھائی تو ہوئی نہ تھی تھوڑی دیر لیکچر کا انتظار کرنے کے بعد سب کلاس روم سے باہر جانے لگے سب۔

جیسے ہی باہر نکلنے لگے ویسے ہی کلاس میں دس بارہ اور سٹوڈنٹ آگئے اور کلاس کا دروازہ بند کر دیا انہوں نے تمام سٹوڈنٹ کو اپنی اپنی جگہ پر واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا یہ سنتے ہی سب اپنی اپنی جگہ پر واپس بیٹھ گئے پوری کلاس میں کوئی سمجھتا یا نہ سمجھتا پر میں پوری طرح واقف ہو گئی تھی کہ وہ سٹوڈنٹ اس ڈیپارٹمنٹ کے سینئر ہیں اور ان کی رگنگ کرنے یہاں آئے ہیں ان سٹوڈنٹس میں سے ایک نوجوان ایسا تھا جو پورے گروپ کی سربراہی کر رہا تھا وہ ایک ہینڈ سم لڑکا تھا جو ظاہری حسن میں بقیہ اور سٹوڈنٹس سے کافی الگ تھا اس کی جسامت صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ تندرست اور جسم جان والے لڑکوں میں سے ہے وہ گڈ لڑا تمام سٹوڈنٹس کے سامنے آکھڑا ہوا اور سب سے مخاطب ہوا۔

اسلام علیکم۔ میرا نام بلال یوسف ہے میرا تعلق یہاں کی اس امن پارٹی سے ہے میں آپ سب کو بہت مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کا ایڈمیشن اس ڈیپارٹمنٹ میں ہوا ہے خوبصورت لڑکا امن پارٹ سے تعلق رکھتا تھا سب کے سب ڈر گئے کلاس کا دروازہ بھی ان لوگوں نے بند کر دیا تھا تا کہ کوئی باہر جانے نہ پائے بلال کا انداز بہت نارمل اور دوستانہ تھا مگر اس کے انداز گفتگو دیکھ کر کوئی بھی بتا سکتا تھا کہ اس کا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے۔

میں بھی اسی ڈیپارٹمنٹ کا اسٹوڈنٹ ہوں میرے ساتھ جتنے بھی لوگ یہاں کھڑے ہیں سب اسی ڈیپارٹمنٹ کے سیکنڈ ائیر سے تعلق رکھتے ہیں میرا مقصد آپ سب کو پریشان کرنا بالکل نہیں ہے بس یونیورسٹی کی روایت کر برقرار رکھتے ہوئے ہم یہاں آپ کی ریگنگ کرنے آئے ہیں وہ مزید بولا۔

ریگنگ کے الفاظ سنتے ہی سب کے حواس باختہ ہوگئے یہ میں دیکھتی ہی رہی میں سب سے آگے والی سیٹ پر بیٹھی تھی جہاں پر کسی نے ڈر کے مارے بیٹھنا گوارہ نہ کیا بلال اور اس کے ساتھیوں نے ایک ایک کر کے کافی سارے لڑکوں کو بلا لیا اور ڈانس بھی کر دایا تو کسی نے ایکٹنگ کروائی۔

لڑکوں کی بے عزتی ہونے کے بعد اب باری تھی لڑکیوں کی بلال نے بغیر کچھ سوچے سمجھے مجھے اپنے پاس بلایا کیونکہ میں اس کے بالکل مقابل کانفیڈنٹ ہو کر بیٹھی تھی بغیر گھبرائے میں بالکل پر سکون سے انداز میں سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔

آپ کا نام بلال مخاطب ہوا۔

براؤن بیلٹ۔۔۔ میرے اندر چھپی ہوئی بہادری جاگ اٹھی تھی۔

اف آپ تو مجھے ڈرا ہی دیا۔۔۔ وہ قہقہے مارتا ہوا بولا۔

آپ تو ابھی سے ڈر گئے۔۔۔ میرا انداز اب بھی ویسے ہی تھا۔

آپ کو سب کے سامنے کوئی بھی گانا گا کے سنانا پڑے گا۔۔۔ بلال سینہ چوڑا کر کے مخاطب ہوا۔

نہیں سناؤں گی۔ میں بغیر ہچکچائے بولی۔

آپ کو یہ کرنا پڑے گا یہ آپ کی ریگنگ کا حصہ ہے وہ میری آنکھوں میں شرارتی انداز کے ساتھ دیکھتے ہوئے بولا۔

کوئی زبردستی ہے کیا۔لڑنا ہے مجھ سے مار لو پیٹ لو برا بھلا کہہ دو پر یہ یاد رکھو تمہارا تعلق چاہئے کسی بھی گھرانے سے ہو یہ میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی سمجھے۔

میں نے شاید وہ کام کر دکھایا تھا جو کرنے کے لیے کسی لڑکے میں بھی ہمت نہ تھی میرے جملوں نے بلال اور اس کے ساتھیوں کا منہ بند کر دیا میں اس کی نظروں کے سامنے کلاس روم کا دروازہ کھول کر باہر چلی گئی اور وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا بلال میری طرف حیران کن انداز میں دیکھتا رہ گیا بلال اس بات پر حیران نہیں تھا کہ ایک لڑکی نے اس کو سب کے سامنے ذلیل کیا نہ ہی اسے اس بات کا ذرا بھی برا لگا تھا وہ حیران تو اس بات پر تھا کہ ایک لڑکی اس قدر جوانمردی کے ساتھ کیسے بات کر سکتی ہے۔

وہ دن بلال کی زندگی میں پہلی بار آیا تھا

جب کسی لڑکی نے اسے متاثر کیا تھا یونیورسٹی کی تمام کلاسز کا وقت ختم ہو چکا تھا اور سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے سب کی زبان پر صرف میرے چرچے تھے میری دلیری کے چرچے تھے میں بس سٹاپ پر کھڑی بس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی کہ اتنے میں اپنے آس پاس کے لوگوں کو کہتے سنا کہ حالات بہت خراب ہو گئے ہیں کسی بڑی بڑی شخصیت کا قتل ہو گیا ہے میں دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگی کہ جلد از جلد بس آجائے یا کوئی ٹیکسی پر تا کہ میں چلی جاؤں۔

بیس منٹ گزر چکے تھے کوئی نہ آیا سب اپنے اپنے گھر کو جا چکے تھے پر میری بس اب تک نہ آئی آج ہی پہلا دن تھا اور آج ہی حالات خراب ہونے تھے آئندہ سے اپنے ہمرا موبائل ضرور لاؤنگی میں موبائل گھر پر بھول گئی تھی تقریبا آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا میرے سامنے کوئی بس یا ٹیکسی تو نہیں مگر ایک بائیک آکھڑی ہوئی میں سمجھی کہ ہیلمٹ میں ملبوس وہی شخص کوئی چور ہے جو گن پوائنٹ پر میرا پرس چھین بھاگنے والا ہے میں نے چلانا شروع کر دیا۔

چور چور۔

بائیک والے نے اپنا ہیلمٹ اتارا تو میں دیکھ کر حیران ہو گئی کہ وہ کوئی چور نہیں تھا بلال تھا میں تمہیں پچھلے آدھے گھنٹے سے بس کا انتظار کرتے دیکھ رہا ہوں تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ دیتا ہوں بلال مجھ سے مخاطب ہوا۔

میں اندر ہی اندر ڈر سی گئی تھی مجھے لگ رہا تھا کہ بلال کہیں مجھ کو اغوا نہ کر لے ویسے بھی اس کا تعلق کسی اونچے گھرانے سے تھا۔

نہیں نہیں بہت شکریہ تھوڑی دیر ہی میں بس آجائے گی میں خود ہی چلی جاؤں گی۔۔

میں بوکھلا سی گئی۔

تمہیں پتہ ہے حالات کیسے ہیں شہر کا ہر فرد اپنے گھر کو چلا گیا ہے اور تم یہاں پر اب تک اکیلی کھڑی ہو بیٹھو بائیک پر بلال نے مجھ پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

پتہ ہے حالات کا اچھی طرح جبھی تو نہیں بیٹھ رہی آپ کی بائیک پر اور ویسے بھی جب سب ہی چلے گئے ہیں تو آپ کیوں کھڑے ہیں یہاں آپ بھی چلے جائیں میں نے دوٹوک الفاظ میں بولا۔

بلال میری باتوں پر قہقہے مارتا ہوا بولا۔تم مجھ سے ڈر رہی ہو اس لیے کہ میرا تعلق اونچے گھرانے سے ہے میرا یقین کرو میں اس قسم کا لڑکا نہیں ہوں مجھے لڑکیوں کی عزت کرنا اچھی طرح آتا ہے اور تم میرے ساتھ چل رہی ہو کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اس وقت اس قسم کے لڑکے تمہارے پاس آجائیں جس قسم کا لڑکا تم مجھے سمجھ رہی ہو۔

میں اس کے جملے کے بعد گہری سوچ میں مصروف ہوگئی میری خاموشی کے درمیان بلال نے میری آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی اور اشارے سے پوچھا۔

کیا ہوا۔

بائیک آہستہ چلائیں گے ناں۔۔ میں نے خاموشی کے عالم میں باہر نکلنے کے بعد اس سے کہا

ہاں ہاں تم بیٹھو تو سہی۔۔ بلال میرے

معصومانہ سے جملے سن کر ہنستے ہوئے بولا۔
ایک طویل گفتگو کے بعد میں آخر کار اس کی بائیک پر بیٹھ ہی بلال نے جیسے ہی بائیک چلانا شروع کی تو میرے منہ سے ایک چیخ نکلی۔
کیا ہوا۔ اب بلال سے میری باریک نور دار چیخ برداشت نہ ہو سکی۔
آہستہ چلائیں پلیز میں گر جاؤں گی۔ میں افسردگی کے ساتھ التجانہ انداز میں بولی۔
اس سے زیادہ آہستہ اور کیا ہو گا تم ہی بتا دو مجھے ویسے اگر تمہیں لگ رہا ہے کہ میں تیز چلا رہا ہوں تو تم مجھے پکڑ کر بیٹھ سکتی ہو وہ مجھے چھیڑتے ہوئے بولا۔
شٹ اپ۔ میں آگ بگولا ہوئی بائیک کے پیچھے ایک ہینڈل لگا ہوا تھا میں نے اللہ اللہ کر کے اس ہینڈل کا سہارا لیا۔
تم واقعی بہت بہادر ہو آج جو کچھ تم نے کیا وہ کوئی عام لڑکی نہیں کر سکتی سفر کے درمیان وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔
اس کی باتوں پر جواباً خاموش رہی مجھے ایسا لگا جیسے وہ مجھ سے گھل ملنا ہونا چاہتا ہے لحاظہ بلال کے دل میں کسی قسم کی کوئی امید جگائے بغیر ہی میں جواباً خاموش ہی رہی۔
کچھ بول بھی دو ایک تو تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ رہا ہوں اور تم ہو کہ۔ وہ مزید مجھے چھیڑنا شروع ہو گیا۔
میں نے کہا تھا آپ کو کہ مجھے گھر چھوڑ دیں اتار دیں یہی پہ چلی جاؤں گی۔ میں خود ہی عورت ہوں پر مردوں والے ساتھ کام کرنے آتے ہیں اپنے دل میں یہ گمان نہ پیدا کریں کہ میں اکیلی ہوں ویسے کوئی ہمیں ٹیکسی نہیں ملی تو موقع کا فائدہ ہی اٹھالیا جائے میں بدحواس ہو کر بولتی گئی۔
بات سنوں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں ان لڑکوں میں سے نہیں ہوں پرانے خیالات کا ہوں تم سب لڑکوں کو ایک جیسا کیوں سمجھتی ہو کچھ دن اور لگیں گے پر تم سمجھ جاؤ گی کہ میں کس طرح کا لڑکا ہوں میرا تعلق اچھے گھرانے سے ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوا کہ میں لڑکیوں کے ساتھ کچھ غلط کروں تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو وہ غصے میں بائیک روکتے ہوئے بولا۔
آ۔۔آئم سوری۔ مجھے اچھی خاصی شرمندگی محسوس ہوئی میرے سوری بولنے پر وہ جواباً خاموش ہی رہا ارو دوبارہ بائیک چلانا شروع کر دی۔
اٹس اوکے۔ گھر کے دروازے پر اتارتے ہوئے کہا۔
مجھے میرے گھر تک چھوڑنے کا بہت شکریہ میں بائیک سے اترتے ہوئے بولی۔
بائے دا وے تمہارا نام کیا ہے براؤن بیلٹ مت کہنا اس بار پلیز بلال سوالیہ انداز اختیار کیے ہوئے بولا۔
روبینہ۔ میں سنجیدگی کے ساتھ اس کی باتوں کا جواب دیتی ہوئی اپنے گھر کی طرف چل دی۔

دن گزرتے رہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ میں تھوڑا بہت فرق آیا اور وہ یہ کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کبھی کبھی باتیں کرنے لگے تھے اس سے

دہ کچھ نہیں ان چھ ماہ میں قدرت نے ہر قع پر ہر راستے پر دونوں کا آمنا سامنا کرایا پر رت کا اثر نے اثر رہا۔

ایگزامز کے اختتام پذیر ہو گئے تھے او بں بہت اچھے نمبروں سے فتح یاب ہو گئی تھی ری کلاس میں نمایاں کارکردگی دکھانے کے د میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی میرا بس نہیں ل رہا تھا خود پر میری خوشی کے ساتھ یکسانمنٹ قدرت نے بارش برسا کر پوری رح بیدار کر دیا تھا ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر یٹھی اپنی دوستوں کے ساتھ اپنے رزلٹ کی نوشی بانٹتے ہوئے میں نے جیسے ہی بارش کی بوند اور مہک محسوس کی تو دیوانی سی ہو کر سیڑھی پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دوڑتی ہوئی ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ والی لین میں آ گئی تھی ہلکی ہلکی بوندا باندی نے رفتہ رفتہ لباس موسلا دھار برسات کی شکل میں تبدیل کر لیا تھا میں آسماں کی طرف سر اٹھائے اپنی باہیں پھیلائے گھوم رہی تھی اور ایک بوند کو انجوائے کر رہی تھی۔

بلال درخت کے پاس اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا پر اس کی نظریں مجھ پر برف کی طرح جمی ہوئی تھی بلال وہ تمام مناظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا پورے ڈیپارٹمنٹ یا شاید پوری یونیورسٹی میں کوئی ہی ایسی لڑکی تھی جو دنیا سے بے خبر بارش کو اس طرح انجوائے کر رہی ہو۔ میں نے کھینچ کر اپنی دوستوں کو اپنے ساتھ بارش میں بلانا چاہا پر سب کی سب بارش میں بھیج جانے کے ڈر سے ادھر ادھر ہو گئیں مجھے ان کے رویے پر رتی برابر بھی فرق نہ پڑا میں دنیا جہاں کی خبروں سے بے خبر بارش میں تر ہونے لگی اپنی گیلی زلفوں کو جو میری آنکھوں کے آگے حائل ہو گئی تھیں ہٹاتے ہوئے بلال کو اپنے سامنے دیکھتے ہی میں اس سے مخاطب ہوئی۔

کتنی اچھی ہوتی ہے ناں یہ بارش بھی پوری طرح بھیگا دیتی ہے۔

بیمار پڑ جاؤ گی تم گرمی کی پہلی بارش بیمار کرتی ہے ویسے بھی آج بڑی خوش نظر آ رہی ہو بات کیا ہے۔۔ وہ مسکراتے ہوئے میری گیلی زلفوں کو گھورتا ہوا بولا۔

بارش تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اب چاہے پہلی ہو یا آخری نقصان کبھی نہیں پہنچا سکتی میں ہتھیلی سے بوند کو چھوتے ہوئے بولی ۔میں نے پوری کلاس میں ٹاپ کیا ہے خوش تو ہو گی ناں اس کے دوسرے سوال کا جواب دیتی میں بولی۔

ارے واہ۔ مبارک ہو بہت۔۔۔ بلال نے مجھے مبارکباد دی میں اس کی مبارکباد قبول کرتے ہی واپس پلٹ گئی اور بارش موسم سے محظوظ ہونے لگی۔

گرمی کی پہلی بارش وہ بارش تھی جب یکطرفہ محبت کا جنم ہوا تھا پیار ہو گیا تھا بلال کو روبینہ سے۔ زیادہ اس کی اداسی کی چال ڈھال سے بلال نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ روبینہ کو اپنے دل کا حال سنا دے گا وہ اس کی جانب قدم بڑھانے لگا روبینہ کی پشت بلال کی طرف تھی دو قدم اور چلتے چلتے بلال رک گیا اس کے دل میں یہ ڈر تھا کہ اگر کہیں روبینہ نے انکار کر دیا تو شاید وہ یہ درد برداشت نہ کر پائے گا

کیونکہ وہ ایک شریف لڑکی تھی اور تو اور وہ ایسے لڑکے کو ہاں کبھی نہیں کرے لحاظہ وہ اپنے قدم آہستہ آہستہ پیچھے ہٹانے لگا بلال کو اس کی سنگت قبول تھی پر اس کا انکار وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

گیارہ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا وقت نے اب بھی اپنا اثر میرے دل پر ذرہ برابر نہیں کیا تھا مگر ایک مہربانی تو وقت نے ضرور کر دی تھی بلال جس طرح میرے ساتھ گفتگو کرتا تھا مجھ سے مذاق کرتا تھا ان سب حرکات سے میں یہ ضرور جان گئی تھی کہ وہ مجھ میں دلچسپی لے رہا تھا بغیر کسی غرض کے اگر میں اپنے دل میں جھانک کر دیکھتی تو شاید فوراً ہی بلال کے گلے لگ جاتی پر میں معاملے کو بھی ہی سنجیدگی کے ساتھ لیا ہی نہیں ہاں البتہ جو شہاب میرے دل میں بلال کی خلاف تھے وہ ضرور ختم ہو چکے تھے۔

مجھے اپنی محبت کا احساس اس وقت ہوا جب ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد ایک بار پھر موسلا دھار بارش ہوئی ایک زوردار بادل کی گرج سے میں اس سمندر کے ساحل پر آ گئی جس کی گہرائیوں میں میں بغیر سفینے کے جا ڈوبی کہتے ہیں کہ ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہی کافی ہوتا ہے اور اس تنکے کا کام بادل کی پر جوش گرج نے کیا جس کے تحت میں یادوں کی دلدل سے نکل کر حال میں آ گئی تھی میں اب کی بار اس خوفناک آواز سے سہم سی گئی تھی خوفزدہ سی ہو گئی۔ اتنے میں میری سہیلی مریم نے میرے پاس آ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

رومی۔ رومی۔ وہ۔ وہ۔ بلال کی جماعت کا یونیورسٹی میں جھگڑا ہو گیا ہے وہ بھی بہت بڑا والا بلال وغیرہ بھی وہی ہیں میں نے ان میں سے ایک انجان لڑکے کے ہاتھ میں تو بندوق تک دیکھی ہے جلدی گھر چلو۔

میں اسکی بات سنے بغیر ہی کچھ سوچے سمجھے بغیر ہی بلال کے پاس بھاگی مریم نے مجھے روکنے کی کوشش کی پر محبت میں ٹھہراؤں کہاں ہے ہوتا ہے وہ تو جذبات کی گہرائیوں میں بہتے چلی جاتی ہیں دوڑی چلی جاتی ہیں پر رکتی ہرگز نہیں۔ حال بھی کچھ ایسا ہی تھا مکمل طور پر بارش میں بھیگ جانے کے بعد میں اس جگہ پہنچ گئی جہاں پر بلال اپنے ساتھیوں بیٹھا کرتا تھا جب میں وہاں پہنچ گئی تو دیکھا کہ بلال جس کے ساتھ جھگڑا کر رہا تھا اس آدمی کے ہاتھ میں بندوق تھی میں دوڑتی ہوئی بلال کے پاس آئی اور ان لوگوں کو لڑنے جھگڑنے سے روکنے لگی۔

تم یہاں کیوں آئی ہو تمہارا دماغ صحیح ہے یہ جگہ تمہارے لیے نہیں تم جاؤ یہاں سے رومینہ پلیز جاؤ۔ بلال طیش میں آ کر بولا۔

نہیں جاؤں گی میں اپنی حالت دیکھیں آپ کو لوگ کس طرح مار رہے ہیں۔ آپ چلیں یہاں سے ابھی۔۔ میں نے بلال کے بازو سے کھینچتے ہوئے بولا۔

ہم ایک دوسرے سے مخاطب ہی تھے کہ سامنے سے لڑکے نے بلال کے سینے پر گولی مار دی اور وہاں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا بلال زمین پر لڑکھڑا کر گرنے والا تھا کہ میں نے اسے تھام لیا اس کی آنکھوں میں آنسو لیے میں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے بلایا آدھے سے زیادہ لوگ ویسے ہی یونیورسٹی سے جا چکے تھے باقی کے گنے چنے لوگ گولی چلنے کی آواز سن کر

بھاگ گئے تھے۔۔
آپ سانسیں لیتے رہیے گا بلال آنکھیں بندمت کیجیے گا پلیز آنکھیں کھولے رکھیے گا کچھ نہیں ہوگا آپ کو۔
ایمبولینس کو کال کرو۔
میں نے ایمبولنس کال کی وہ آئے تو میں بلال کو ایمبولینس میں لٹا کر میں لے گئی راستے میں بلال مجھ سے مخاطب ہونا چاہتا تھا پر میں نے غصے بھری آنکھ دکھا کر اسے کچھ بھی بولنے کا موقع نہ دیا بولنے پر اس کو اور زیادہ تکلیف ہوتی۔
اسکا بچنا مشکل تھا ڈاکٹرز نے کہا کچھ بھی ہوسکتا ہے گولی دل کے کافی قریب لگی تھی۔
میرے اندر بلال کے لیے جو محبت تھی وہ آج پوری طرح عیاں ہو چکی تھی میں اسے اب کھونا نہیں چاہتی تھی روح بن گیا تھا وہ میری۔
میں آپریشن تھیٹر کے اندر داخل ہوئی وہ بے ہوش پڑا تھا اس کا آپریشن ہو چکا تھا پر وہ رسپونس نہیں لے رہا تھا میں اس کے قریب آئی اور اس کے دل پر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ کر بولی۔
میں آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہوں میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی پلیز میرے لیے اٹھ جائیں میری محبت کی خاطر میں جانتی ہوں کہ آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں پھر آپ اس طرح مجھے اکیلا چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں۔
میرا لباس اب بھی پوری طرح بھیگا ہوا تھا جس پر بلال کے جسم کے خون کے نشان چھپے ہوئے تھے میرا ہاتھ اب بھی بلال کے دل پر تھا میرے لمس نے بلال کے لیے شاید وہ کام کیا جو دھڑکنوں کے لیے سانسیں کرتی ہیں تھوڑی ہی دیر ہوئی میرا ہاتھ اس کے دل پر رکھے ہوئے اور میرے آنسو اس کے سینے پر گرتے ہوئے کہ۔ای سی جی۔ پارٹ بیٹ عیاں کرنے لگا اور بلال آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے لگا میں اس کے دل پر ہاتھ ہٹانے ہی لگی تھی کہ بلال نے اپنے ہاتھ سے میرے ہاتھ ویسے ہی رکھے رہنے دیئے۔
محبت روح کی غذا ہے روبینہ اور تمہارے لمس نے تمہاری محبت کے احساس نے مجھے سانسیں دیں ہیں بلال آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگا میں نے تمہاری ساری باتیں دن لیں روبینہ اور میں بہت خوش ہوں یہ جان کر کہ یہ محبت یکطرفہ ہرگز نہیں تھی میری زندگی کی ساتھی بنو گی تم۔ وہ مزید بولا۔
ایک شرط ہے۔ میں آنکھیں پھاڑ کر بولی
جی کیسی شرط۔
بلال کو اس وقت میری یہ شرط منظور تھی یہی کہ آپ ایسے لوگوں سے دوستی چھوڑ رہے ہیں اور کبھی دوبارہ ان میں شمولیت اختیار نہیں کریں گے میں التجانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بلال کے قریب جھک کر بولی۔
تم نے مجھے موت کے منہ سے نکالا ہے مجھے سانسیں دی ہیں تمہارے لیے اتنا تو کر ہی سکتا ہوں ویسے بھی ان لوگوں میں رہ کر مجھے صرف بے سکونی اور زخم ہی ملا ہے سکون تو اب آیا ہے میری زندگی جب سے تم نے مجھے اپنایا ہے تو مان جاؤ پلیز۔ بلال دل کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے بولا
اچھا نہ مان گئی میں اب آپ آرام کریں میں ڈاکٹر کو آپ کی حالت سے آگاہ کر کے آئی

ہوں۔ میں بہت خوش تھی کہ میرا بلال زندگی بچ گیا تھا اور وہ بھی صرف میرے لیے۔اس سے بڑھ کر میرے لیے اور خوشی کی بات کیا ہوسکتی تھی۔میری خوشی کا کوئی بھی ٹھکانہ نہ تھا ڈاکٹر آگئے انہوں نے بلال کا چیک اپ کیا اور کچھ دن مزید ہسپتال میں ہی رہنے کو کہا۔لہذا جب تک وہ ہسپتال میں رہا میں اس کے پاس ہی رہی اس کو اپنی نظروں کے سامنے ہی رکھا شاید وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ میں بھی اس کی نظروں کے سامنے ہی رہوں ہم دونوں کی خواہشات ایک ہی جیسی تھیں جو وہ چاہتا تھا وہی کچھ میں چاہتی تھی

کئی دنوں کے بعد وہ تندرست ہوگیا اوراس نے وہی کچھ کیا جو کچھ میں نے اس سے کہا تھا۔اس نے میرے پیار کی خاطر برے دوستوں کی سوسائٹی کو چھوڑ دیا تھا اور ایسا بن گیا تھا جیسے کسی فلمی ہیرو کو بنتا ہوا ہم دیکھتے ہیں۔وہ شروع ہی سے اچھا تھا لیکن دوستوں میں رہ کر وہ کچھ کچھ بگڑ گیا تھا لیکن اب وہ بالکل سدھر گیا تھا۔

میں نے گھر والوں سے کچھ بھی نہ چھپایا اوران کو اپنے اور بلال کے بارے میں سب کچھ کہہ دیا کہ میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے وہ بھی بلال سے میرے گھر والوں کو میری پسند پر کوئی بھیا اعتراض نہ تھا کیونکہ انہوں نے بھی کچھ ہی دنوں میں اس کو نہ صرف دیکھ لیا تھا بلکہ پوری طرح پرکھ لیا تھا۔ بھلا پھر وہ انکار کیسے کرسکتے تھے ان کی خوشیاں میرے لیے اور میری خوشیاں ان کے لیے تھیں۔ وہ اولاد کی خوشیوں کو پورا کرنا جانتے تھے اور یہی ان کا بڑا اپن تھا۔

آج میں دلہن کے روپ میں بلال کی مسہری میں تھی آج میں بہت خوش تھی جسے چاہا تھا اس کو بغیر کسی مشقت سے اپنا لیا تھا۔وہ بھی مجھے حاصل کر کے بہت ہی خوش تھا۔وہ خوش ہوتا بھی کیوں نہ اس کو میں جو مل گئی تھی اس کی زندگی کا بہترین ساتھی جو مل گیا تھا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

غزل

وہ اجنبی ہی سہی پر میری چاہت کا طلبگار بھی تھا
وہ اپنے واعدوں کا کچھ پاسدار بھی تھا
اسے جب بھی بلایا وہ چلا آیا کرتا تھا
وہ اپنی باتوں میں کچھ وفادار بھی تھا
محبت اس کی چھلکتی تھی اس کی باتوں سے
وہ غموں کا بیوپاری محبت کا خریدار بھی تھا
عجب کشمش کا عالم ہوتا تھا اس کی باتوں میں
وہ ہنستا تو تھا پر آنکھوں سے اشکبار بھی تھا
میں کبھی اس کی محبت کو سمجھ ہی نہ پایا عثمان
وہ مجھے چاہتا تو تھا میری محبت کا خریدار بھی تھا
.....غزلوں والے نے نام نہیں لکھا۔نامعلوم

شعر

اس کی یادیں اس کے قصے کب تک یوں دہراؤ گے
یادوں کے اس زہر سے آخر اک دن تم مرجاؤ گے
.........شہباز حسین ،فقیر والی

ماواں ٹھنڈیاں چھاواں

۔۔تحریر۔عارف شہزاد۔صادق آباد۔۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
آج پھر ایک کہانی ماواں ٹھنڈیاں چھاواں لے کر حاضر ہوا ہوں۔امید ہے کہ میری یہ کاوش آپ کو بہت دل کو بھائے گی کیونکہ یہ ماں کے اوپر لکھی ہوئی سٹوری ہے اور ماں کے دم سے ہی دنیا قائم ہے۔ماں کے دم سے ہی ہر طرف بہاریں ہی بہاریں ہیں۔ماں لفظ ہی ایسا ہے جس کو زبان ادا کرے تو دل کو گہرا سکون مل جاتا ہے میں اس کہانی کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ آپ لوگوں کو کرنا ہے۔مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کردیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

کچھ لوگ پھولوں کی طرح ہوتے ہیں خوشبو کی طرح ہوتے ہیں ہماری سانسوں میں مہکتے ہیں باد صبا کی طرح ارد گرد رہتے ہیں ستاروں کی طرح راستہ دکھاتے ہیں ان سے ہمارا تعلق شبنم کی طرح ہوتا ہے وہ سرگوشیوں کی زندگی گزر کر آنسوؤں کی طرح ہم سے جدا ہو جاتے ہیں ان لوگوں کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے لیکن وہ ایک ہی بار دنیا میں آتے ہیں ٹھہرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ان کے جانے کے بعد زمانہ مسائل کی طرح ہجر کے موڑ پر مدتوں صدا لگاتا ہے۔لیکن وہ لوٹ کر نہیں آتے۔

میری ماں اور نیلم ایسی ہی دو ہستیاں تھیں دونوں کی زندگی کی قوس قزاح میں محبت کے سب ہی دلکش موجود تھے دونوں ایک ہی دن ا[illegible] ہی وقت اچانک سفر آخرت کے لیے روانہ ہوئیں دونوں جاتے ہوئے محبت [illegible] دن کی دولت اپنے ساتھ لے گئیں اور فقط یادیں چھوڑ گئیں دونوں کی بہت سی مشترکہ باتوں میں مجھ سے بے پناہ کے علاوہ یہ بھی مشترکہ تھا کہ کو میری اس بات کا بھی علم ہو جاتا تھا کہ جس کو اپنے آپ سے بھی چھپا کر رکھتا تھا مجھے یاد ہے۔ایک رات میں گھر پر اکیلا تھا مجھے بہت شدت کا بخار تھا میں ہسپتال جانے کے لیے اٹھ ہی رہا تھا کہ نیلم کا فون آگیا کہنے لگی نیاز احمد کیسے ہو تمہارے بخار کا کیا حال ہے۔بہتر ہے ہسپتال چلے جاؤ میں نے حیرانی سے پوچھا نیلم تجھے کیسے پتہ چلا میں بیمار ہوں میں نے تو کسی کو بتایا بھی نہیں وہ ہنستے ہوئے بولی ۔بدھو جس دن محبت کرنا سیکھ لو گے سب باتیں جان جاؤ گے میں نے کہا نہیں نیلم میں ہسپتال نہیں جاؤں گا تم مجھ سے باتیں کرتی رہو میں خود بخود ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔وہ مسکرائی اور بولی میں نے ابھی ایک غزل لکھی ہے۔



وہ تمہیں سناؤں جب غزل ختم ہو گی تو تمہارا بخار بھی ختم ہو جائے گا۔

میں نے کہا ہاں یار نیلم پلیز مجھے وہ غزل سناؤ وہ یوں سنانے لگی۔

یہ تو نہیں کہ ہم کو محبت نہیں ملی

یہ اور بات ہے حسب ضرورت نہیں ملی

پائی ہے اس گناہ کی سزا جو نہیں کیا

اور اس سزا میں کوئی رعایت نہیں ملی

کچھ دشمنوں کو ہم نے تھا دل میں بسا لیا

کچھ دوستوں سے اپنی طبیعت نہیں ملی

وہ خوش نصیب تھے جو تیرے ساتھ تھے

ہم کو تو ایک لمحہ کی قربت نہیں ملی

ملتے ہیں خود کو آپ نے نیلام کر دیا

افسوس پھر بھی آپ کی قیمت نہیں ملی

جب غزل ختم ہوئی تو پھر ایسا ہی ہوا تھا لمحوں میں بخار کا نام و نشان ہی نہ تھا فقط ماتھے پر پسینے کے چند قطرے تھے۔

میں جانتا تھا یاں میرے بعد سب سے زیادہ پیار نیلم سے کرتی تھیں جس جمعے کو وہ ہم سے جدا ہوئی اس سے پہلے رات کو وہ مجھے دیکھ کر روتی رہیں وہ یقیناً جان؟ چکی ہو گی کہ کل کے اکلوتے بیٹے کے سر سے ممتا کی چھت چھن جائے گی اور اس کے لیے دعا کرنے والے کانپتے ہاتھ مٹی میں مل جائیں گے اس رات انہوں نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں اور بہت روئیں۔ جب میں بھی انکو چپ کرواتا رہا وہ کہتی بیٹا مجھے رونے سے مت روکو حقیقت اور آنسوؤں کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے رونے سے حقیقت کھلتی ہے اور حقیقت کھلنے کے بعد انسان پھر روتا ہے۔

میں نے پوچھا ماں جی آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ مجھے اسکول میں چوٹ لگی تھی یا میرا آج فلاح چیز کھانے کو دل چاہ رہا ہے وہ مسکرائی اور بولی بیٹا محبت سے اور محبت تو نام ہے جان لینے کا اور بیٹا ماں کا دل تو ولی ہوتا ہے اور پھر اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی بیٹا جس نے محبت نہیں کی وہ زندہ ہی نہیں رہا کہنے لگیں میرے جیون کی روح تو اسی روز ہی رخصت ہو گئی تھی جس روز تم نے نیلم سے شادی سے انکار کر دیا تھا اب تو صرف میری سانسوں کی ڈور باقی ہے تیری شادی اگر نیلم سے ہو جاتی تو مجھے کوئی فکر نہ ہوتی میں سکون سے مر سکتی تھی۔

پتر وہ تم سے بہت محبت کرتی تھی مگر تمہیں وہ دولت چاہئے تھے اسٹینس چاہئے تھا ناں۔ پتر تم نے بہت بڑی غلطی کر دی اب وہ محبت دو ایسی چیزیں ہیں جن کو چھوڑ کر کسی نے کچھ نہیں پایا اور ان کو پا کر کسی نے کچھ نہیں کھویا میں نے کہا ماں تو تو اس لیے کہتی تھی کہ نیلم تیری سگی بھتیجی ہے ہاں میں مانتا ہوں وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔

مگر ماں جی خالی محبت پیٹ تو نہیں بھر سکتی اسٹینس تو اونچا نہیں کر سکتی معاشرے میں باوقار زندگی گزارنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے محبت کی نہیں نیلم اور اس کے گھر والوں کے پاس کیا تھا۔ مجھے دینے کے لیے صرف خالی خولی محبت۔ ناں آپ نے [illegible] بیں نورین کا باپ ایک بیوروکریٹ ہے اس کا معاشرے میں رعب اور دبدبہ ہے دولت مند ہے نورین جہیز میں۔ کار بنگلہ اور ایک مربعہ زمین لائی ہے جس سے ہماری عزت اور اسٹینس میں اضافہ ہوا ہے۔

ماں نے منہ دوسری طرف موڑ لیا وہ منہ ہی منہ میں بول رہی تھی اللہ نیلم کی خیر کرے اسے

زندگی دے صحت وتندرستی دے اسے کوئی دکھ نہ آئے وہ بولتے ہوئے مسلسل اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔ مجھے اپنے سکول کا زمانہ یاد آ گیا جب میں نویں کلاس میں تھا فٹ بال کھیلتے ہوئے گرنے سے میری ٹانگ ٹوٹ گئی تھی میرے استاد مجھے لے کر ہسپتال جانے ہی لگے تھے کہ سب حیران ہو گئے کہ میری ماں روتی ہوئی اسکول میں داخل ہوئی اس کے ساتھ نیلم بھی تھی حالانکہ کسی نے بھی گھر میں اطلاع نہیں کی تھی۔ پھر نیلم اور میری ماں کو کیسے علم ہو جاتا ہے یہ بات میرے لیے معما تھی کبھی کبھی مجھے لگتا نیلم میرے بغیر مر جائے گی اور ایسا ہی ہوا وہ مر گئی مجھے دل ہی دل میں چاہتے ہوئے۔

جب بھی اٹھا کے ہاتھ مجھے منگتی تھی وہ
کہتی تھیں زور زور سے آمین چوڑیاں

نیلم اور میری ماں کو مجھ سے جدا ہوئے آج چودہ سال ہو چکے تھے آج دونوں کی برسی تھی وہ سردیوں کی ایک اداس شام تھی میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا ماں کو یاد کر رہا تھا کہ نہ جانے آج مجھ پر کیوں ایک عجیب سی اداس کیفیت طاری تھی دل میں ایک ہی ایسی ویرانی تھی جیسی بادشاہوں کے فقیروں پر ہوتی ہے۔

کبھی کبھی مجھے لگتا تھا کہ میں بہتا ہوا پانی ہوں اور میری ندی کا ایک کنارہ نیلم اور دوسرا کنارہ میری ماں ہے اور کیا سب محبت کرنے والے ایک ہی روح میں اپنے علیحدہ علیحدہ اجسام رکھتے ہیں نیلم اور ماں دونوں ایک جیسے کیوں تھے دونوں کو میرے حالات کا کیسے پتہ چل جاتا تھا کہ محبت کرنے والے جادو بھی جانتے ہیں محبت کا رزق کن خوش نصیبوں کو عطا ہوتا ہے محبت کرنے والے ہار کیوں جاتے ہیں میں سوچ کے صحرا میں بھٹک رہا تھا دل میں ایک دکھ اور پچھتاوہ تھا کہ کاش میں اپنی ماں کا حکم مان جاتا اور نیلم سے شادی کر لیتا مگر اس وقت اپنی ہی ہواؤں میں تھا آج میرے پاس دولت ہے بنگلے ہیں کاریں ہیں گاڑیاں ہیں اگر کچھ نہیں ہے تو وہ سکون میری ماں اور نیلم نہیں ہیں۔

کاش ماں تو لوٹ آئے میں تیری ہر بات مانوں گا کیونکہ ماں ہی کے قدموں تلے جنت ہے کاش نیلم تم لوٹ آؤ میں تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں نہیں چاہئے مجھے دولت او نچ اور اسٹیٹس مجھے صرف میری ماں اور نیلم چاہئے ہے کوئی جو ساری دولت مجھ سے لے کر میری ماں اور نیلم مجھے لوٹا دو ہے کوئی۔

قارئین یہ تھی میرے دوست نیاز احمد کی دکھ بھری آپ بیتی امید کرتا ہوں کہ آپ کو پسند آئی ہو گی اس سے ایک سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ اپنے ماں باپ کا کبھی دل نہیں توڑنا چاہتے ان کا حکم ماننا چاہئے کیونکہ ماں باپ ہمیشہ اپنی اولاد کے بارے میں ٹھیک ہی سوچتے ہیں۔

ایک تو اتنا حبس ہے میں سانسیں روکے بیٹھا ہوں
ویرانی کے جھاڑ و دے کر میں نے دھول اڑائی ہے

محبت چاند ہے اور چاندنی پھیلا بھی جاتا ہے
مسائل درمیاں آئیں تو یہ گہنا بھی جاتا ہے
موبائل پہ یہ روزانہ ہی شب بھر ایک سی باتیں
کسی سے رابطہ میں روشن خیالی شرط اول ہے
اندھیرے میں کبھی انسان کا سایہ بھی جاتا ہے

برباد زندگی

تحریر:۔ ذیشان حیدر ضلع رحیم یار خان۔۔

سب کو میرا سلام قبول ہو۔
آج میں ایک کہانی کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں یہ کہانی کافی طویل ہے اس لیے اس کو میں نے دو حصوں میں کر دیا ہے اس کا عنوان میں نے برباد زندگی رکھا ہے۔امید ہے کہ یہ کہانی آپ کو بہت اچھی لگے گی اور پسند آئے مجھے اپنی رائے سے ضرور نوازیئے گا اس نمبر پر۔
آپ نے کبھی سوچا ہے کہ جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو کتنے چھوٹے ہوتے ہیں بول اور چل بھی نہیں سکتے پھر بھی والدین ہمیں کتنی مشکل سے پالتے ہیں ہمیں بولنا اور چلنا سکھاتے ہیں سردیوں میں رات کو جب ہم پیشاب کر دیتے ہیں تو رات کو ماں خود گیلی جگہ پہ سوتی ہے اور ہمیں سوکھی جگہ پہ سولاتی ہے۔جب ہم کچھ بڑے ہو جاتے ہیں تو والدین ہمیں سکول میں داخل کروا دیتے ہیں تاکہ ہماری اولاد پڑھ لکھ کر کچھ بن جائے اور کسی کی محتاج نہ ہوں پھر آپ سکول پڑھنے لگ جاتے ہیں والدین ہماری ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں اور ہماری ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔
اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام بدل دیئے ہیں سب کے سب ہی نام فرضی ہے کسی سے مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ذمہ دار ادارہ یا رائٹر نہیں ہوں۔اس کہانی کے بعبارے میں مجھے اپنی رائے سے نوازیئے گا۔مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔

ذیشان حیدر ضلع رحیم یار خان۔۔فون نمبر 0332-2008634

میں نے قارئین بہت سی کہانیاں پڑھی تو مجھے بھی کہانی لکھنے کا شوق ہوا۔یہ کہانی سچ پر مبنی ہے یا جھوٹی ہے پڑھ کر ہی پتہ لگے گا۔مجھے امید ہے کے میری یہ کہانی آپ بہت پسند آئے گی۔میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو کتنے چھوٹے ہوتے ہیں بول اور چل بھی نہیں سکتے پھر بھی والدین ہمیں کتنی مشکل سے پالتے ہیں ہمیں بولنا اور چلنا سکھاتے ہیں سردیوں میں رات کو جب ہم پیشاب کر دیتے ہیں تو رات کو ماں خود گیلی جگہ پہ سوتی ہے اور ہمیں سوکھی جگہ پہ سولاتی ہے۔جب ہم کچھ بڑے ہو جاتے ہیں تو والدین ہمیں سکول میں داخل کروا دیتے ہیں تاکہ ہماری اولاد پڑھ لکھ کر کچھ بن جائے اور کسی کی محتاج نہ ہوں پھر آپ سکول پڑھنے لگ جاتے ہیں والدین ہماری ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں اور ہماری ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔
جب ہم آہستہ آہستہ پڑھ لکھ کر بڑے ہو جاتے ہیں تو والدین ہمیں اچھی نوکری لگوا دیتے ہیں پھر ہماری مرضی سے والدین پسند کی شادی



کرتے ہیں جب ہماری شادی ہو جاتی ہے تو ہم اپنے والدین کو بھول جاتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی بیوی کے کہنے پر اپنے والدین کو برا بھلا کہتے ہیں یا ان کے ساتھ لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں اور ان سے سارے گھر کا کام کروا تے ہیں یعنی ان کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو والدین کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیتے ہیں اس وقت والدین کو بہت دکھ ہوتا ہے کہ جس اولاد کو ہم نے کتنے لاڈ پیار سے پالا اس نے ہی ہمیں گھر سے نکال دیا اس دکھ کی وجہ سے کچھ والدین خودکشی کر لیتے ہیں یا بھیک مانگ کر گزارہ کرتے ہیں پھر بھی والدین اپنی اولاد کو دعا دیتے ہیں کہ ہماری اولاد جہاں بھی رہے خوش رہے۔

ہمیں اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر ہم اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے تو ہماری اولاد بڑی ہو کر ہمارے ساتھ بھی ایسا سلوک کرے گی۔ اولاد اچھی ہو یا بری والدین ہمیشہ اپنی اولاد کو دعا دیتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور باپ جنت کا سب سے افضل دروازہ ہے اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے والدین کی خدمت کریں تا کہ ہم جنت حاصل کر سکھیں۔

اگر ماں نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
، ہم بھی نہ ہوتے تو تم بھی نہ ہوتے
یہ زمین بھی نہ ہوتی یہ آسمان بھی نہ ہوتے
یہ سورج بھی نہ ہوتا یہ چاند تارے بھی نہ ہوتے

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ صرف لڑکوں کے لئے نہیں بلکہ لڑکیوں کے لئے بھی ہے جو اپنے والدین کو چھوڑ کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ کر اپنے خاندان کو بدنام کر کے چلی جاتی ہیں اس وجہ سے بھی والدین کو بہت دکھ ہوتا ہے کہ جس بیٹی کو ہم نے پال کر بڑا کیا وہ کسی اور کی خاطر ہمیں چھوڑ کر چلی گئی اس دکھ کی وجہ سے بھی کچھ والدین خودکشی کر لیتے ہیں جو لوگ خودکشی نہیں کرتے لوگ ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور مزاق اڑاتے ہیں۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کچھ لڑکے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سوچتے ہیں آج یہ لڑکی میری خاطر اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر میرے ساتھ بھاگ آئی ہے جنہوں نے بچپن سے لے کر اب تک اس کو پالا پڑھایا لکھایا اور ہر خواہش پوری کی۔ کل کسی اور کی خاطر مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی کچھ لڑکے ایسی لڑکیوں کو بیچ دیتے ہیں یا راستے میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اس وجہ سے لڑکیوں کو بھی بہت دکھ ہوتا ہے جس کی خاطر میں نے اپنے گھر والوں کو چھوڑا اور بدنام کیا اس نے ہی مجھے دھوکہ دیا اب میں گھر واپس جاؤں گی تو میرے گھر والوں کی عزت زیادہ بدنام ہو گی اس دکھ کی وجہ سے بھی کچھ لڑکیاں خودکشی کر لیتی ہیں یا غلط پیشہ کرنا شروع کر دیتی ہیں بعد میں ان کو احساس ہوتا ہے کہ ہم نے یہ غلطی کیوں کی۔

کچھ لڑکے لڑکیوں کو اپنے پیار کے جال میں پھنسا کر ان عزت سے کھلتے ہیں پھر ان کی سیکس ویڈیو یا فوٹو بنا کر ان کو بلیک میل کرتے ہیں جب لڑکیاں ان کی بات نہیں مانتی تو لڑکے ان کو بدنام کرنے کے لئے ان کی ویڈیو یا فوٹو نیٹ پر اپ لوڈ کر دیتے ہیں اس وجہ سے بھی لڑکیوں کو بہت دکھ ہوتا ہے کہ جس سے میں نے اتنی محبت کی اور

اعتبار کیا کہ اپنا جسم تک اس کو دے دیا اس نے ہی میری زندگی برباد کر دی۔

کچھ لڑکیاں یہ دکھ برداشت نہیں کر سکتی خودکشی کر لیتی ہیں جو لڑکیاں خودکشی نہیں کرتی اس کو اور اس کے گھر والوں کو ہر کوئی بری نظر سے دیکھتا ہے اس لڑکی سے شادی بھی کوئی نہیں کرتا اگر جس لڑکی کی شادی ہو بھی جائے تو سسرال والے اس لڑکی کی عزت نہیں کرتے اور طرح طرح کے تانے بھی دیتے ہیں۔

سمجھا لو اپنے دل کو ہم سے پیار نہ کرے
میری فطرت ہے بے وفائی کوئی اظہار نہ کرے
ہم سے کھاؤں گے تم دھوکہ تم یہ یاد رکھنا ذیشان
اس لئے پہلے ہی کہتے ہیں کوئی ہمارا اعتبار نہ کرے

قارئین لوگ پتہ نہیں دوسروں کا دل کیوں دکھاتے ہیں اور ان کی زندگیاں کیوں برباد کرتے ہیں کیا ان کے سینے میں دل نہیں ہوتا پھر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں اگر کوئی ہمارے ساتھ یا ہمارے گھر کی عورتوں کے ساتھ ایسا کرے تو کیا ہم برداشت کر سکیں گے۔ جو کسی کے ساتھ سچی محبت کرتا ہے اس کے ساتھ برا کرنا تو دور کی بات ہے اس کے بارے میں برا سوچنے کو بھی دل نہیں کرتا کچھ لڑکیاں لڑکے سیکس کو محبت کا نام دیتے ہیں یعنی آپس میں سیکس کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں وہ محبت نہیں جسموں کی ہوس ہوتی ہے جو ایک دوسرے کو اپنی جانب کھینچتی ہے جہاں محبت ہوتی ہے وہاں ہوس نہیں ہوتی اور جہاں ہوس ہوتی ہے وہاں محبت نہیں ہوتی کیونکہ محبت ایک پاک جذبہ ہے اگر ہم کسی عورت کو بری نظر سے دیکھیں گے تو لوگ بھی ہمارے گھر کی عورتوں کو بری نظر سے دیکھیں گے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہر کسی کی عزت کا خاص خیال رکھیں۔ کیونکہ عزت بہت بڑی نعمت ہے اگر عزت ایک بار چلی جاتی ہے تو واپس نہیں آتی۔

کچھ لڑکیاں لڑکے شکل وصورت دیکھ کر محبت، دوستی یا شادی کرتے ہیں۔ ہمیں انسان کی شکل کو دیکھ کر نہیں بلکہ پیار اخلاق کو دیکھ کر محبت اور دوستی کرنی چاہیے کیوں کے شکل وصورت تو اللہ بناتا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ انسان کو خوبصورت بنایا اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہمیں کوئی اور جانور یا کسی اور جاندار میں ہماری روح ڈال سکتے تھے۔

دوستو اب میں اپنی کہانی شروع کر رہا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں پانچ سال کا تھا اور میرے چھوٹے چچا کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ نئی چچی پہلے تو کچھ دن ٹھیک رہیں بعد میں ان کا رویہ یکسر ہی بدل گیا وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر امی سے لڑتی اور ہم بہن بھائیوں کو بھی مارتی تھیں۔ ایک دن ابو نوکری سے گھر آئے ہوئے تھے میرے ابو پولیس میں ہیں۔ اس وقت ابو کی نوکری کوئٹہ میں تھی جب ابو نے چچی کا رویہ کا دیکھا تو ہم بہن بھائیوں اور امی کو لے کر کوئٹہ چلے گئے وہاں ہم چھ مہینے تک رہے اور پھر واپس آ گئے اور میرے ابو ہمیں چھوڑ کر پھر نوکری پر واپس چلے گئے۔ چچی کا رویہ تو پہلے سے بھی بدل گیا وہ میرے چھوٹے بہن بھائیوں کو اور مجھے بھی مارتی تھی اور امی سے بھی لڑائی کرتی تھی۔

دوستو میں آپکو یہ بتاتا چلوں کہ اس وقت ہم تین بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑا میں مجھ سے چھوٹی بہن اور پھر اس سے چھوٹا بھائی تھا جو اس

وقت ڈیڑھ سال کا تھا چچی اسے بھی بہت مارتی تھی ۔ایک دن شام کو ابو کوئٹہ سے رحیم یار خان آئے ہوئے تھے میرا چھوٹا بھائی عدنان جھولے میں بیٹھا ہوا تھا تو چچی نے اس کو زور سے دھکا دیا تو وہ جھولے سے گر پڑا اور اس کے منہ سے خون نکل پڑا تو امی سے برداشت نہ ہوا امی چچی سے لڑ پڑی میرے ابو یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔پھر میرے ابو کو بھی غصہ آ گیا پھر میرے ابو ہمیں لے کر ہمارے دوسرے مکان جو اسی بستی میں تھا جو خالی پڑا تھا وہاں رہنے کے لیے آ گئے ۔اس وقت ہمارے گھر کے قریب صرف ایک ہی گھر تھا باقی گھر دور دور تھے ۔وہ گھر میرے ابو کے کزن کا تھا وہ بہت اچھے لوگ تھے اس لیے ہم بہت جلد ایک دوسرے کے گھر آنے جانے لگے۔ان کے بچے اور ہم بہن بھائی مل کر ہمارے گھر میں کھیلا کرتے تھے ۔کیونکہ ان کا گھر چھوٹا تھا اور ہمارا گھر بڑا تھا اور ہمارے گھر میں ایک نیم کا درخت بھی تھا جس پر ہم نے جھولا باندھا ہوا تھا۔ہم باری باری اس جھولے پر جھولتے یا مختلف کھیل کھیلا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکی صائمہ تھی وہ بہت پیاری لڑکی تھی وہ مجھ سے تین سال چھوٹی تھی ۔وہ ہمیشہ میرے ساتھ کھیلا کرتی تھی وہ سارا دن ہمارے گھر رہتی تھی۔وہ شام کو بھی اپنے گھر نہیں جاتی تھی اس کے گھر والے اسے زبردستی لے جایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ہمارے گھر بھی سو جایا کرتی تھی۔

ایک دن میں صائمہ کو جھولے دے رہا تھا تو میں نے اس کو ایک زور کا جھولا دیا تو وہ نیچے گر گئی اور اس کے چوٹ لگ گئی اور وہ زور زور سے رو نے لگی۔جب اس کی امی نے اس کی آواز سنی تو وہ ہمارے گھر آ گئی۔اس کی امی کو دیکھ کر میں چھپ گیا کہ کہیں اس کی امی مجھے مارے یا ڈانٹے نہ۔جب اس کی امی نے صائمہ سے پوچھا کہ کس نے مارا ہے تو صائمہ نے کہا۔میں جھولے سے گر گئی تھی۔پھر اس کی امی اسے ساتھ لیکر اپنے گھر چلی گئیں۔کچھ دیر بعد صائمہ پھر ہمارے گھر آ گئی۔وہ مشکل سے چل رہی تھی کیونکہ اس کے پاؤں میں چوٹ لگی تھی۔

میں آپ سب کو بتا تا چلوں کہ ان کے اور ہمارے گھر کے درمیان ایک چوٹی سی دیوار تھی جس سے سب کچھ صاف نظر آتا تھا۔میں بہت حیران تھا کہ میں نے اس کو زور سے جھولا دیا پھر بھی اس نے اپنی امی کو میرا نہیں بتایا۔اس طرح وقت گزرتا گیا وہ روز ہمارے گھر آتی اور ہم روز کھیلا کرتے تھے۔ہماری بستی میں ایک نیا سکول کھلا تو میرے گھر والوں نے مجھے اس سکول میں داخل کروا دیا۔جب میں پہلے دن سکول سے واپس آیا تو امی نے کہا۔صائمہ آج بہت تمہارا پوچھ کر گئی ہے کہ آنٹی ذیشان کہاں ہے۔میں نے امی سے کہا۔آپ چھوڑو ان باتوں کو اور مجھے کھانا دو مجھے بہت بھوک لگی ہے۔امی نے کہا۔ہاتھ دھو لو میں کھانا دیتی ہوں۔جب میں کھانا کھا رہا تھا تو وہ پھر آ گئی اور آ کر بولی تم کہاں گئے تھے۔میں نے اسے کہا۔چپ ہو جاؤ اگر کھانا کھانا ہے تو کھاؤ تو وہ میرے ساتھ کھانا کھانے لگی۔جب دوسرے دن میں سکول سے واپس آیا تو دیکھا کہ باقی سب کھیل رہے تھے جبکہ صائمہ ایک طرف اداس بیٹھی تھی۔مجھے دیکھ کر وہ خوش ہو گئی کل کی طرح ہم نے اکٹھے کھانا کھایا ور پھر کھیلنے لگ گئے۔

اس طرح وقت گزرتا گیا۔جس سکول میں

میں پڑھتا تھا وہاں ایک لڑکی ثنا بھی پڑھتی تھی۔ وہ ٹیچر کی چوٹی بہن تھی وہ میرے ساتھ ہی بیٹھتی تھی وہ ٹیچر کی چھوٹی بہن تھی۔ وہ بہت معصوم لڑکی تھی۔ وہ مجھ سے چوٹی تھی وہ سر پر بالوں کی چٹیا بنا کر آتی تھی۔ سکول کے لڑکے لڑکیاں اس کا مذاق اڑاتے تھے اس کے بال کھینچتے تھے اور اس کو لومڑی بلاتے تھے۔ وہ میری طرف بہت حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی۔ میں بھی اس کو لومڑی بلایا کرتا تھا لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں کہتی تھی نہ ہی کسی کی شکایت لگاتی تھی۔ وہ اپنے ساتھ کھانا لیکر آتی تو کچھ لڑکے اس کا کھانا بھی کھا جایا کرتے تھے۔ اس طرح وقت گزرتا گیا۔ جب میں سکول سے واپس جاتا تو صائمہ مجھ سے روز پوچھتی۔

تم کہاں جاتے ہو مجھے بھی ساتھ لیکر جایا کرو۔ ایک روز وہ صبح صبح میرے گھر آ گئی اس وقت میں سکول کی تیاری کر رہا تھا اس وقت میری عمر آٹھ سال تھی اور اس کی عمر پانچ سال تھی۔ وہ ضد کرنے لگی کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی میں اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سکول ہمارے گھر سے کچھ ہی دور تھا۔ سارا دن سکول میں وہ میرے ساتھ رہی۔ مس نے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ میں نے کہا۔ میری کزن ہے۔

جب سکول سے چھٹی ہوئی تو میں نے صائمہ کو کہا۔ اب تم اپنے گھر جاؤ۔ وہ اپنے گھر چلی گئی۔ میں نے گھر آ کر کپڑے تبدیل کیے اور پھر میں کھانا کھا رہا تھا کہ صائمہ کی امی آ گئی اور اس نے کہا۔ تم صائمہ کو لیکر کہاں گئے تھے۔ میں نے کہا کہ سکول گیا تھا۔ پھر انہوں نے کہا صائمہ کو سکول میں پڑھنے کا بہت شوق ہے ہم بھی صائمہ اور مہناز کو سکول میں داخل کروائیں گے۔

مہناز صائمہ کی بڑی بہن تھی۔ پھر آنٹی واپس چلی گئی کچھ دیر بعد صائمہ ہمارے گھر آئی اور ہم پھر سے کھیلنے لگے۔ میں پڑھائی میں بہت تیز تھا نرسری اور پریپ کلاس میں ماین نے فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی اور ثنا نے دوسری۔ اب میں اور ثنا ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے میں اپنا ہوم ورک بھی ثنا کو دیتا تھا کہ میرا بھی ہوم ورک لکھ کر آنا ورنہ میں تمھیں ماروں گا۔ وہ میرا ہوم ورک لکھ کر آتی تھی میں سکول سے گھر آ کر صائمہ کے ساتھ کھیلتا اور سبق یاد نہیں کرتا تھا۔ پھر صائمہ بھی سکول میں داخل ہو گئی میں صائمہ کو اکٹھے سکول لیکر آتا اور ساتھ ہی واپس لیکر جاتا تھا۔ اس طرح وقت گزرتا گیا میں اور ثنا تیسری کلاس میں ہو گئے اور صائمہ پہلی کلاس میں ہو گئی۔ میں ابھی بھی اپنا ہوم ورک ثنا سے کرواتا تھا اور خود گھر جا کر صائمہ کو ہوم ورک کرواتا اور اس کو سبق یاد کرواتا تھا۔ ایک دن ثنا سکول نہیں آئی میرا ہوم ورک بھی اس کے پاس تھا جب مس نے ہوم ورک چیک کیا تو مجھے مارا اس وقت مجھے ثنا پر بہت غصہ آیا۔ جب سکول سے چھٹی ہوئی تو میں نے گھر جا کر کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے۔ میرے پاس ایک چھوٹی سائیکل تھی میں نے سائیکل لی اور ثنا کے گھر چلا گیا۔ ثنا کی امی مجھے جانتی تھی کیونکہ میں پہلے بھی ان کے گھر گیا ہوا تھا۔ اس وقت ثنا کی امی کھانا بنا رہی تھیں میں نے ان سے پوچھا۔ آنٹی ثنا کہاں ہے اور وہ آج سکول کیوں نہیں آئی تو آنٹی نے کہا۔

وہ اندر کمرے میں ہے اس کی طبیعت خراب ہے۔ میں بھی کمرے کے اندر چلا گیا تو دیکھا کہ ثنا سوئی ہوئی تھی اور بار بار میرا نام لے رہی تھی۔ پھر میں اس کے پاس گیا اور اس کا نام لیکر اسے پکارا تو

اس نے میری آواز سن کر جلدی سے آنکھیں کھول لیں۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تو میں نے اس سے کہا کہ لیٹ جاؤ۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے میں اس کے پاس بیٹھ گیا جب میں نے اس کو چھوا تو اس کے ہاتھ بہت گرم تھے میں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ لگایا تو اسے بہت سخت بخار تھا۔ پھر وہ میرے ہاتھوں کو پکڑ کر چومنے لگی اور کہنے لگی۔

گندی مس نے تمہیں ان ہاتھوں پر مارا ہوگا ۔وہ بہت زیادہ رونے لگی اس وقت میرا دل اتنا موم ہوگیا تھا کہ میری آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔ میں نے ثنا سے کہا۔

مجھے کسی نے نہیں مارا میں بالکل ٹھیک ہوں میں اس کو چپ کروانے کے لیے اس سے باتیں کرنے لگا تو وہ چپ ہوگئی پھر میں اسکو ہنسانے کے لیے طرح طرح کی باتیں کرنے لگا تو وہ ہنسنے لگی۔ کچھ دیر بعد اس کے ابو کمرے میں آئے تو میں ان سے ملا تو انھوں نے کہا۔

اس کو صبح بہت تیز بخار تھا۔ پھر بھی یہ سکول آنے کی ضد کر رہی تھی ہم نے اس کو سکول نہیں آنے دیا ہم نے کہا کہ دوائی لینے چلو تو یہ دوائی بھی نہیں لینے گئی اور اس نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ میں نے ثنا سے پوچھا تم نے دوائی کیوں نہیں لی تو وہ چپ رہی پھر اس کی امی کمرے میں آگئی اور کہا کہ کھانا تیار ہے تو ثنا نے کہا۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گی مجھے بھوک نہیں ہے تو میں نے ثنا سے کہا۔ میں نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا۔

پھر ثنا نے اپنی امی سے کہا۔ امی کھانا لاؤ اور اس کی امی کھانا لینے چلی گئیں۔ اس کے ابو نماز پڑھنے چلے گئے اور آنٹی کھانا دیکر باہر چلی گئیں۔

پھر ہم کھانا کھانے لگے اس نے اپنے ہاتھوں سے مجھے کھانا کھلانا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔

کھانے کے بعد میں نے ثنا کو کہا۔ اب تم جاؤ اور ابو کے ساتھ دوائی لیکر آؤ۔

وہ کہنے لگی۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے کچھ نہیں ہوا اور کہنے لگی۔ آؤ ہم کھیلیں۔

میں نے کہا۔ تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اب تم سو جاؤ تو وہ ضد کرنے لگی کہ میں نے تمارے ساتھ کھیلنا ہے پھر میں کچھ دیر اس کے ساتھ کھیلا اور پھر گھر واپس آ گیا۔

جب گھر آیا تو صائمہ میرا انتظار کر رہی تھی ہم دونوں نے سکول کا کام کیا اور پھر کھیلنے لگ گئے، دوسرے دن میں اور ثنا کلاس میں بیٹھے ہوئے تھے ہماری کلاس میں دو لڑکے پڑھتے تھے وہ ثنا کو بہت تنگ کرتے تھے ایک کا نام حسن اور دوسرے کا فیاض تھا۔ حسن میرا کزن لگتا تھا وہ لڑکے ثنا کا کھانا بھی کھا جاتے تھے۔ وہ دونوں لڑکے ثنا کو تنگ کرنے لگے تو مجھے ان پر غصہ آ گیا اور میں نے حسن کو پکڑ کر زور سے ڈیسک میں دے مارا تو وہ رونے لگا اور جا کر میڈم کو میری شکایت کر دی کہ ذیشان نے مجھے مارا ہے تو میڈم نے آتے ہی مجھے دو ڈنڈے مار دیئے تو ثنا کھڑی ہوگئی اور میڈم سے کہا۔

جب سے میں سکول آئی ہوں حسن اور فیاض مجھے تنگ کرتے ہیں کبھی آپ نے ان کو کچھ نہیں کہا وہ رو بھی رہی تھی اور میڈم کو بتا بھی رہی تھی اس نے میڈم کو سب کچھ بتا دیا تو میڈم نے حسن اور فیاض کو بھی دو ڈنڈے مارے اور کہا۔

اگر کسی نے آج کے بعد کسی کے ساتھ بدتمیزی کی تو مجھے بتانا میں اس کو دیکھ لونگی۔

اس دن کے بعد کوئی بھی ثنا کا مذاق نہیں اڑاتا تھا۔ بریک ٹائم میں ثنا اور صائمہ اکٹھے کھیلتے اور کھانا کھاتے تھے۔ کچھ دن بعد گرمیوں کی چھٹیاں ہو گئیں۔ اب میں اپنا کام خود لکھتا تھا۔ ایک دن میں اور صائمہ بیٹھے اپنا کام لکھ رہے تھے جب بھی میں صائمہ کو دیکھتا تو وہ میرے طرف ہی دیکھ رہی ہوتی تھی۔

میں نے پوچھا کیا بات ہے کیا دیکھ رہی ہو۔

اس نے کہا۔ کچھ نہیں۔

پھر وہ اپنا ہوم ورک کرنے لگی تب مجھے احساس ہوا کہ یہ مجھ سے محبت کرتی ہے کیونکہ پہلے میں اس کو دوست سمجھتا تھا پھر میں نے اس کی سب بچپن کی باتیں نوٹ کیں۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی سچ بتاؤں قارئین تو میں بھی صائمہ سے بہت پیار کرتا تھا لیکن ابھی تک ہم میں سے کسی نے بھی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ اظہار محبت کر دوں اس لیے میں نے رات کو یہ خط لکھا۔

السلام علیکم!

کے بعد عرض کرتا ہوں کہ جان تم خیریت سے ہوگی۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے دل کا سرور اور میرے دل کو بے چین کرنے والی بھولی سی صورت نے میری نیندوں کو کافی دن سے اڑا دیا ہے۔ نہ دن کو چین نہ رات کو سکون۔ بس تمھاری یاد ہی اتنا تڑپاتی ہے کہ دل نے مجبور ہو کر دل کی بات کہنے کے لیے دل کا سہارا لے رہا ہوں۔ سچ پوچھو تو جان بہت عرصے سے تمھیں اپنے دل میں بسا رکھا ہے پر میں نے کبھی اظہار نہیں کیا اس لیے کہ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔ جان میں تم کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھتا ہوں اور تمھارے بنا میری زندگی بالکل ادھوری ہے۔ اور تمھارے بعد میرے دل میں کوئی اور جگہ نہیں لے سکتا اب ایسے لگتا ہے کہ میں صدیوں سے تمھاری محبت کا اور تمھاری چاہت کا پیاسا ہوں جان میرے دل کی دھڑکنیں ہمیشہ تمھارے ساتھ دھڑکتی ہیں اور ہمیشہ تمھارا نام لیکر چلتی ہیں۔ جب تم کو یاد نہ کروں تو میری سانس اٹکنے لگتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری روح پرواز کر گئی ہے۔ جان میں نے اپنے دل میں تمھاری تصویر بنائی ہوئی ہے جو کبھی مٹ نہیں سکتی اور میں تمھاری یاد میں لحہ لحہ جیتا مرتا رہتا ہوں۔ جان پتہ نہیں کیا وجہ ہے کہ میں تم کو بھول نہیں پار ہا اور میں نے اپنی زندگی کا ہر لحہ تمھارے نام کر دیا ہے۔ ہر وقت مجھے تمھاری خوشبو کا احساس ہوتا ہے اور میں دن رات تمھارے خواب دیکھتا رہتا ہوں۔ میرے دن رات تمھارے بارے میں سوچتے گزر جاتے ہیں۔ تمھارے بغیر مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا اور میری آنکھیں ہمیشہ تمھاری راہ تکتی ہیں۔ جان میرا دل کرتا ہے کہ تمھیں سامنے بٹھا کر بہت سارا پیار کروں اور جی بھر کر تمھیں دیکھتا ہی رہوں۔ جان میرا یقین کرو میں صرف تم سے اور صرف تم سے ہی محبت کرتا ہوں۔ جان کاش یہ ممکن ہوتا کہ میں اپنا دل چیر کر تمھیں دکھا پاتا کہ میرے دل میں تمھارے لیے کتنی محبت ہے پھر تم کو یقین آتا جان پلیز مجھے زندگی میں کبھی اکیلا نہ چھوڑنا نہیں تو میں مر جاؤں گا اور تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ جان کبھی کبھی انسان کی زندگی میں ایسے موڑ بھی آجاتے ہیں کہ انسان تڑپ کر رہ جاتا ہے اور جو

خواب دیکھے ہوتے ہیں وہ ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ جان میں ہمیشہ تمھارا ساتھ چاہتا ہوں اور تمھارے بنا خود کو اکیلا محسوس کرتا ہوں جان تمھارا حسین چہرا مجھے چاند کی طرح لگتا ہے دل کرتا ہے ہر وقت دیکھتا ہی رہوں۔ جب تم مسکراتی ہو تو میری جان ہی نکال دیتی ہو۔ جان مجھے معلوم ہے کہ تم بھی مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔ جان جب تم اپنی محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہو تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے۔ دل تیزی سے دھڑکنا شروع ہو جاتا ہے۔ جان تمھاری آنکھوں میں میرے لیے بہت محبت ہے۔ جان تمھاری جتنی بھی تعریف کی جائے بہت کم ہے۔ جان اب مجھے اجازت دو۔ خط کا جواب ضرور دینا

جب میں نے یہ خط لکھ کر پڑھا تو میں خود حیران رہ گیا کہ یہ خط میں نے لکھا ہے۔ صبح کو جب صائمہ ہمارے گھر آئی تو میں موقع دیکھ کر خط اس کے رجسٹر میں رکھ کر باہر چلا گیا۔ جب واپس آیا تو صائمہ اپنے گھر چلی گئی تھی۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیال آرہے تھے کہ کہیں وہ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گی یا وہ اپنے گھر والوں کو نہ بتا دے۔ شاید وہ مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔ کہیں میں نے اس سے محبت کا اظہار کر کے غلطی تو نہیں کر دے یا وہ انکار نہ کر دے وغیرہ وغیرہ۔ اس وجہ سے میں بہت بے چین تھا۔ جب میں نے چھٹیوں کا کام کرنے کے لیے رجسٹر کھولا تو اس میں ایک پرچی تھی جب میں نے اسے پڑھا تو لکھا ہوا تھا جان میں بھی تم سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن اظہار نہیں کر پائی

آج تم نے اظہار کر کے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا جان۔ یہ پڑھ کر میں بہت خوش ہوا شام کو پھر صائمہ میرے گھر آ گئی وہ مجھے دیکھ کر شرما اور مسکرا رہی تھی۔ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی پھر ہم دونوں بیٹھ کر پیار محبت کی باتیں کرنے لگے۔

اس طرح دن گزرتے گئے اور ہماری محبت بھی بڑھتی گئی۔ اس بات کا پتہ میرے گھر والوں کو بھی چل گیا کہ میں اور صائمہ ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہمارے سکول کی چھٹیاں ختم ہو گئیں جب ہم سکول گئے تو ثنا مجھ سے ناراض تھی کہ تم مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے تو میں نے اس سے جھوٹ بول دیا کہ میں پوری چھٹیاں نانا جان کے گھر گیا ہوا تھا کیونکہ ثنا کو میں دوست سمجھتا تھا اور صائمہ میرا پیار میری زندگی میرا سب کچھ تھی۔ ثنا نے کہا۔

آج شام کو تو میرے گھر آؤ گے ناں

میں نے کہا نہیں مجھے گھر میں بہت کام ہیں تو وہ چپ ہو گئی۔ کچھ دن بعد میری اور صائمہ کی محبت کا پتہ پورے سکول کو چل گیا۔ جب ثنا کو اس بات کا بات چلا تو اس نے میرے ساتھ بات کرنا ہی چھوڑ دی جب میں نے ثنا سے وجہ پوچھی تو اس نے کچھ نہیں بتایا۔ مجھے اس وقت احساس ہوا جب وہ مجھے دیکھتی اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ثنا بھی مجھ سے محبت کرتی ہے تو میں نے ثنا کو سمجھایا اور کہا۔

ہم دوست ہیں اور ساری زندگی دوست ہی رہیں گے۔ صائمہ مجھ سے بچپن سے محبت کرتی ہے اور میں بھی صائمہ کو بہت چاہتا ہوں اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا تو ثنا میرے گلے سے لگ کر رونے لگی اور کہا۔

میں اب بھی تم کو چاہتی ہوں ہمیں سکول سے چھٹیاں ہو گئی تھیں لیکن صائمہ سکول جاتی تھی

کیونکہ وہ تیسری کلاس میں پڑھتی تھی۔ایک دن جب میں ثنا کے گھر سے واپس آیا تو میری امی مجھے برا بھلا کہنے لگیں جب میں نے وجہ پوچھی تو میری بہن نے کہا۔

صائمہ کی امی آئی تھیں اور اس نے کہا کہ ذیشان نے صائمہ کے بیگ میں خط ڈالا ہے اور اس نے مجھے وہ خط دیا جب میں نے خط دیکھا تو اس میں لکھائی میری نہیں تھی لیکن خط میں میرا نام لکھا ہوا تھا۔میرے گھر والوں کو پتہ تھا کہ میں اور صائمہ ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اس لیے میں اس کے بیگ میں خط نہیں رکھ سکتا تھا میں نے اپنے گھر والوں کو سمجھایا تو وہ چپ ہو گئے دوسرے دن میں سکول گیا تو صائمہ سکول نہیں آئی تھی کچھ دیر بعد صائمہ اور اس کی امی سکول میں آئیں اور اس کی امی نے میڈم کو بتایا کہ ذیشان نے میری بیٹی کے بیگ میں خط ڈالا ہے اگر ذیشان اس سکول میں پڑھے گا تو میں اپنی بیٹی کو اس سکول میں نہیں بھیجوں گی آج اگر اس نے صائمہ کو خط لکھا ہے کل کچھ اور کرے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ آنٹی نے میڈم کی بھی بہت بے عزتی کی اور میری بھی اور میڈم نے آنٹی کے سامنے مجھے بہت مارا اور سکول سے بھی نکال دیا مجھے تو سکول سے چھٹیاں تھیں میں تو صرف یہ معلوم کرنے گیا تھا کہ صائمہ کی امی نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا کہ جھوٹ اور صائمہ کے بیگ میں خط کس نے ڈالا تھا۔میں گھر آ کر بہت رویا میں نے گھر والوں کو کچھ نہیں بتایا جب میرے بہن بھائی سکول سے واپس آئے تو میری بہن نے بتایا۔

تمھارے جانے کے بعد صائمہ کی امی بھی چلی گئی تھیں۔تو صائمہ نے میڈم سے کہا کہ میں اور ذیشان ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں اگر ذیشان نے خط دینا ہوتا تو وہ مجھے دیتا میرے بیگ میں نہیں ڈالتا یہ کسی اور کی حرکت ہے۔میرا ذیشان ایسا نہیں کر سکتا وہ رو کر میڈم کو سب کے سامنے یہ سب کچھ بتا رہی تھی۔ بھائی میڈم نے آپکو سکول بلایا ہے اگلے دن میں سکول چلا گیا۔میڈم نے مجھے آفس میں بلایا اور کہا کے صائمہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے تمھارے پیپر نزدیک ہیں تم پیپرز کی تیاری کرو مجھے امید ہے تم پاس ہو جاؤ گے یہ حرکت کسی اور کی ہے جس نے بھی یہ حرکت کی ہے میں اسے نہیں چھوڑوں گی کیونکہ تمھیں تو سکول سے چھٹیاں تھیں اور تم تو اس دن سکول ہی نہیں آئے تھے۔

میں نے میڈم سے کہا میں صائمہ سے بات کرنا چاہتا ہوں ہو سکے تو میری صائمہ سے بات کروا دیں۔

میڈم نے صائمہ کو آفس میں بلایا وہ مجھے دیکھ کر رونے لگی میرے بھی اس کو دیکھ کر آنسو نکل آئے۔پھر صائمہ نے کہا۔

جان مجھے معاف کر دو مجھے پتہ بھی نہیں ہے کہ میرے بیگ میں خط کس نے ڈالا ہے میری وجہ سے تمھاری اتنی بے عزتی ہوئی۔

میں نے صائمہ سے کہا۔محبت میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں تم پریشان نہ ہو جان مجھے کچھ نہیں ہوا۔

میڈم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ پھر میں سکول سے آ کر بہت رویا میں نے تین دن کھانا بھی نہیں کھایا۔میرے پیپر ہوئے میں پانچویں میں اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا پھر میرے ابو بھی جاب سے واپس آ گئے تو ابو نے کہا۔

ہم ذیشان کو کسی اور سکول میں داخل کروا ئیں گے تو میری امی نے کہا۔
ذیشان کے ماموں کہہ رہے تھے کہ ذیشان کو ہم پڑھائیں گے اور یہ ہمارے پاس رہے گا۔ پھر میرے ابو بھی مان گئے کیونکہ خط کا میرے نانا جان اور میرے ابو کو بھی پتہ تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اور مسئلہ بنے۔ دوسرے دن میرے نانا جان والے مجھے لینے آ گئے میں اپنے نانا جان کے گھر نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ صائمہ کے بنا میں نہیں رہ سکتا تھا لیکن پھر بھی مجھے نانا کے گھر جانا پڑا۔ اور وہاں رہ کر پڑھنے لگا۔
ایک رات مجھے صائمہ کی بہت یاد آئی اور صبح میں سکول جا رہا تھا کہ پتہ نہیں مجھے کیا ہوا کہ میں سکول جانے کی بجائے صائمہ کے سکول کی طرف چل پڑا کیونکہ وہ ابھی تک اسی سکول میں پڑھتی تھی ۔میں اس کے سکول کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا جب اس کو چھٹی ہوئی اور اس نے مجھے دیکھا تو وہ میرے پاس آ گئی اور رونے لگی اور کہنے لگی کہ میرے گھر والوں کی وجہ سے تم اتنی دور چلے گئے ۔میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتی پلیز تم واپس آ جاؤ مجھے بھی رونا آ گیا۔
میں نے صائمہ سے کہا۔ میں روز تمھارے پاس آیا کروں گا پھر میں اپنے نانا کے گھر آ گیا۔ میرے نانا جان والوں کو بھی پتہ نہیں چلا کہ آج میں سکول نہیں گیا تھا۔
یہاں میں آپکو بتاتا چلوں کہ میرے نانا جان گاؤں میں ہی رہتے تھے جو شہر سے 12 کلومیٹر دور ہے۔ جب بھی مجھے صائمہ کی یاد آتی تھی تو میں سکول نہیں جاتا تھا بلکہ صائمہ کو دیکھنے چلا جاتا تھا۔ ایک دن میں نے نانا جان کو کہا۔
میں ہفتے کے دن سکول سے پڑھ کر اپنے گھر چلا جایا کروں گا کیونکہ اتوار کی چھٹی ہوتی ہے تو میرے نانا جان والے مان گئے۔
ایک دن میں گھر آیا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا صائمہ چھت سے مجھے دیکھ رہی ہے میں بھی اپنی چھت پر چلا گیا اور میں بھی صائمہ کو دیکھنے لگا پھر میں نے صائمہ کو اشارہ کیا کہا۔
میں تمھاری چھت پر آ جاؤں تو
اس نے کہا کہ آ جاؤ۔
پھر میں اپنی چھت سے ان کی چھت پر چلا گیا کیونکہ ہماری چھت ساتھ ساتھ تھی پھر ہم دونوں باتیں کرنے لگے۔
میں نے صائمہ سے کہا۔ آج رات چھت پے آ جانا میں تم سے ملنے آؤں گا۔
اس نے کہا ٹھیک ہے۔
پھر میں وہاں سے اپنی چھت پر چلا گیا میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی آ جائے اور ہماری بدنامی ہو جائے۔ رات کو گیارہ بجے میں نے اپنی چھت سے دیکھا تو صائمہ چھت پر تھی میں ان کی چھت پر چلا گیا اور ہم ساری رات پیار محبت کی باتیں کرتے رہے پھر جب صبح کی اذان ہوئی تو میں واپس اپنے گھر اور وہ نیچے چلی گئی۔
پھر جب بھی میں ہفتے کو گھر جاتا تو رات کو ہماری ملاقات ہوتی ایسے ہی کرتے کراتے گرمیوں کی چھٹیاں ہو گئیں اور میں چھٹیاں گزارنے گھر آ گیا اب تو ہر رات ہماری ملاقات ہوتی تھی پھر چھٹیاں ختم ہوئیں تو میں واپس نانا کے گھر چلا گیا میں ہفتے میں دو دن سکول جاتا تھا کیونکہ باقی دن صائمہ کو دیکھنے میں اس کے سکول چلا جایا کرتا تھا۔

میرے پیپر ہوئے اور میں 6th کلاس سے پاس ہو کر 7th کلاس میں ہو گیا پر سکول جانے کی روٹین وہی رہی پھر جب 7th کے امتحان ہوئے تو میں فیل ہو گیا 7th مجھے دوبارہ پڑھنا پڑھی پھر بھی میں سکول سے بھاگ جایا کرتا تھا پھر جب پیپر ہوئے تو میں پاس ہو گیا اور آٹھویں کلاس میں ہو گیا اور صائمہ ساتویں کلاس میں شہر میں پڑھنے لگی اب بھی رات کو صائمہ سے ملاقات ضرور ہوتی تھی جب میں ساتویں میں تھا تو میرے گھر والوں نے مجھے موبائل لے کر دیا تھا اور میں نے صائمہ کو بھی موبائل لے دیا اور موبائل پر بھی ہماری بات ہونے لگی اور میں نے اسے میسج کرنا بھی سکھا دیا ایک دن اس کا میسج آیا کال کرو جب میں نے کال کی تو وہ رونے لگی جب میں نے وجہ پوچھی تو وہ روتے ہوئے بولی۔

آج میرے ماموں والے آئے تھے میرا رشتہ مانگنے تو میرے گھر والوں نے کہا کہ سوچ کر بتائیں گے۔

میں نے کہا۔ کچھ نہیں ہوتا میں ہوں ناں۔ پھر ہم پیار محبت کی باتیں کرنے لگے جب ہفتے کی رات ہماری ملاقات ہوئی تو وہ بہت رو رہی تھی کہ جان میں صرف تم سے شادی کرونگی کسی اور سے نہیں پلیز اپنے گھر والوں کو بھیجو میرے گھر رشتے کے لیے۔

میں نے کہا۔ میں صبح اپنے گھر والوں کو ضرور بھیجونگا تو وہ بہت خوش ہوگئی۔ دوسرے دن میں نے اپنے گھر والوں کو صائمہ کے گھر رشتہ لینے کے لیے بھیجا تو انھوں نے کہا۔

ہم نے صائمہ کا رشتہ اس کے ماموں کے گھر کر دیا ہے وہ لڑکا ڈاکٹر ہے جب میرے گھر والوں نے مجھے بتایا تو میں پریشان ہو گیا پھر میں نے اس لڑکے کا پتہ کیا تو اس لڑکے کا نام زاہد تھا وہ بہت ہی اچھا لڑکا تھا۔ اس کے ابو کا چائنہ اور دوبئی میں بزنس تھا یعنی وہ بہت امیر لوگ تھے۔ میری صائمہ وہاں بہت خوش رہتی اس لیے میں نے صائمہ سے کہا۔

تم اپنے ماموں کے بیٹے کے ساتھ شادی کر لو تو وہ رونے لگی میں نے اس کو بہت سمجھایا لیکن وہ میری بات نہیں مان رہی تھی تو جب میں نے صائمہ کو اپنی قسم دی تو وہ مان گئی اور میں نے پھر صائمہ سے رابطہ بھی ختم کر دیا وہ نمبر بھی بند کر دیا جو صائمہ کے پاس تھا۔

سچ بتاؤں تو قارئین میں صائمہ سے بہت محبت کرتا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے صائمہ کا رشتہ ٹوٹ جائے اس لیے مجھے یہ سب کرنا پڑا۔ میں اس کی یاد میں دن رات تڑپتا تھا۔ پھر میرے آٹھویں کے پیپر ہوئے اور میں پاس ہو گیا اور میرے نانا جان نے مجھے اور سکول میں داخل کروا دیا کیونکہ جس سکول میں پڑھ رہا تھا وہ آٹھو یں تک ہی تھا وہ سکول میرے نانا کے گھر سے دو کلومیٹر دور تھا اور درمیان میں ایک نہر بھی تھی جسے کشتی سے عبور کرنا پڑتا تھا۔ میں نہر پار کر کے سکول جاتا تھا۔

اس طرح دو مہینے گزر گئے میں لگاتار سکول جانے لگا۔ ایک دن ہفتے کو میں سکول سے پڑھ کر گھر گیا تو میری بہن نے مجھے ایک خط دیا جو صا ئمہ نے اپنے خون سے لکھا تھا میں خط پڑھ کر بہت رویا پھر میں چھت پر چلا گیا تو دیکھا صائمہ چھت پر بیٹھی ہوئی تھی میں اس کی چھت پر چلا گیا مجھے دیکھ کر وہ میرے گلے لگ کر رونے لگی اور شکوے

کرنے لگی پھر میں نے اس کو چپ کروایا تو اس نے کہا۔
مجھ سے کیا غلطی ہوئی تھی جو مجھے چھوڑ دیا۔ مجھ سے ملنے بھی نہیں آئے اور نمبر بھی بند کر دیا۔
میں نے اس سے کہا۔ جان تمھارا رشتہ ایک اچھے گھر میں ہوا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمھارا رشتہ ٹوٹ جائے۔
اس نے کہا ابھی شادی تو نہیں ہوئی نہ ہی نکاح ہوا ہے اس لیے ابھی تو مجھ سے ملا کرو اور فون پر بات کر لیا کرو تم کو میری قسم۔
جب اس نے اپنی قسم دی تو میں مجبور ہو گیا اور ہمارا پھر سے رابطہ چل پڑا پھر سے میں سکول سے بھاگ کر اس کے سکول چلا جاتا۔
اس طرح وقت گزرتا رہا ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں اور فون پر بھی رابطہ ہوتا رہا ایک دن جب میں سکول سے گھر آیا تو میری خالہ نے بتایا کہ ہم تمھارا رشتہ کر رہے ہیں میں نے کہا کس کے ساتھ تو بولیں کہ ہماری دوست ہے ہمارے ساتھ پڑھتی رہی اور اب وہ سکول میں ٹیچر ہے۔
پھر میرا رشتہ اس کے ساتھ ہو گیا۔ رشتہ ہونے سے پہلے اس کے ابو نے میرے بارے میں کافی پوچھ گچھ کی کہ میں کیسا ہوں کوئی برا کام تو نہیں کرتا۔ میرے سب سکول والوں کو بھی پتہ چل گیا کہ میرا رشتہ ہو گیا ہے۔ میں جس بستی سے گزر کر پڑھنے جاتا تھا وہ لڑکی اسی بستی میں رہتی تھی کچھ لڑکے بھی اس بستی سے میرے ساتھ سکول جاتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جس لڑکی کے ساتھ تمھارا رشتہ ہوا ہے وہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے انہوں نے مجھے اور بھی بہت کچھ کہا لیکن میں نے کسی کی بھی بات کا یقین نہیں کیا۔
جس لڑکی کے ساتھ میرا رشتہ ہوا تھا اس کا نام نصرت پروین تھا۔ اور اس لڑکی نے بی۔ اے کیا ہوا تھا۔ میں نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا ایک دن میں سکول سے گھر جا رہا تھا کہ راستے میں نصرت، اس کی بہن ناصرہ، دو اور ٹیچرز اور کچھ اور بچے آ رہے تھے کیونکہ نصرت اور اس کی بہن ٹیچر تھی اور ان کو بھی اسی ٹائم چھٹی ہوئی تھی راستے میں بچوں نے میرا سائیکل روک لیا اور پوچھنے لگے کہ تم ہی ہماری مس کے منگیتر ہو اور تمھارا نام ہی ذیشان ہے۔ میں چپ کیے نظریں جھکائے کھڑا رہا۔ پھر ان میں سے ایک لڑکی بولی چھوڑ دو اس کو لیکن انھوں نے نہ چھوڑا جب اس لڑکی نے غصے سے کہا تو بچوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں گھر چلا آیا۔ پھر میں نے 9th کے پیپر دیئے۔
5 june-2011 آج میرے گھر والے بہت خوش تھے لیکن میں کچھ اداس تھا کیونکہ آج میری منگنی ہونے والی تھی۔ میری منگنی پر چار کاریں اور کچھ موٹر سائیکلز گئی تھیں۔ ہم نے ان کو بھی منگنی پر بلایا تھا جو لوگ مجھ سے نفرت کرتے تھے وہ لوگ میرے نکاح پر آئے تھے جب ہم لڑکی والوں کے گھر گئے تو میرے نانا جان والے وہاں پہلے سے ہی موجود تھے کیونکہ یہ رشتہ میرے نانا جان والوں نے ہی کروایا تھا اور وہاں سے میرے نانا کا گھر ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ پھر کچھ دیر بیٹھنے کے بعد ہم جمعہ نماز پڑھنے چلے گئے۔ جمعہ پڑھنے والوں کے بعد مولوی صاحب نے نکاح پڑھایا پھر میرے نانا جان مجھے لڑکی والوں کے گھر لے گئے اور جا کر مجھے لڑکی کا ساتھ بٹھا دیا پھر سب نے مجھے اور نصرت کو مٹھائی کھلائی۔ میرے پاس فلم بنانے والا کیمرہ تھا جو میں نے فلم بنانے

کے لیے کزن کو دیا ہوا تھا وہ فلم بنا رہا تھا۔ رسمیں مکمل ہونے کے بعد ہم واپس آ گئے۔ اس شام صائمہ کے بھائی کی بھی منگنی تھی جب میں ان کی بارات دیکھنے باہر گیا جب میں نے صائمہ کو دیکھا تو اس نے منہ دوسری طرف کر لیا کیونکہ جس دن سے میرا رشتہ نصرت کے ساتھ ہوا تھا میں نے صائمہ سے رابطہ ختم کر دیا تھا۔ کیونکہ اب میں کسی اور کا ہونے والا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ سب جاننے کے لیے جواب عرض کے شمارے میں اس کہانی کا دوسرا اور آخری حصہ ضرور پڑھنا۔

غزل S کے نام

کیسے کہوں کہ اپنا بنا لو مجھے
باہوں میں اپنی سما لو مجھے
بن تمہارے ایک پل بھی کٹتا نہیں
تم آ کر مجھ سے چرا لو مجھے
میری سب سے گہری خواہش ہو پوری
تم اگر پاس اپنے بلا لو مجھے
یہ کیسا نشہ ہے جو مجھے بہکا رہا ہے
تمہارا ہوں تو پھر سنبھالو مجھے
نہ جانے پھر کیسے گزرے گی یہ زندگی
اگر کبھی اپنے دل سے نکالو مجھے

غزل

بھری محفل میں تنہا رہنا اچھا لگتا ہے
تیرے بارے میں سوچتے رہنا اچھا لگتا ہے
کبھی پھولوں میں کبھی خیالوں میں
تجھ کو ہی ڈھونڈتے رہنا اچھا لگتا ہے
میری زندگی کی خوشیاں ہیں تم سے وابستہ
رب سے صرف تم کو ہی مانگتے رہنا اچھا لگتا ہے
ہمارے ساتھ چل رہی ہیں سالوں کی خاموشیاں
کچھ اس طرح تمہاری گفتگو کرنا اچھا لگتا ہے
تمہارے بنا زندگی کا کوئی تصور نہیں S
کچھ اس طرح تمہاری تمنا کرنا اچھا لگتا ہے
تم کو چاہا تم کو چاہتے ہیں
تم کو چاہتے رہنا اچھا لگتا ہے
میں چھین لوں گا تمہیں دنیا کی رسموں سے
کہ مجھے زمانے سے بغاوت کرنا اچھا لگتا ہے
مرجھا گیا پھول کھلنے سے پہلے
برباد ہوا دل ملنے سے پہلے
عجیب ہے اپنی قسمت ذیشان
جدائی ملی ہے ملن سے پہلے
دو قدم ساتھ چل کر چھوڑ گئی میری جان
وعدہ تھا نہ بچھڑنے کا مرنے سے پہلے
خود تو جا بسی اپنے چاہنے والوں میں
اور مجھے بے موت مار گئی میرے مرنے سے پہلے

غزل

سبھی خیالات بدل جاتے ہیں
یوں محبت میں دن رات بدل جاتے ہیں
پیار تو ان کو بھی ہے ہم سے مگر جانے کیوں
ہم کریں بات تو وہ بات بدل جاتے ہیں
آرزو تو ہے کہ اظہار محبت کر دوں
لفظ سناتا ہوں تو لمحات بدل جاتے ہیں
ایک سا وقت کہاں رہتا ہے محبت میں جان
گردش وفا سے حالات بدل جاتے ہیں

اس لیے تمہارے لیے

سانس لینے سے بھی تیری یاد آتی ہے
ہر سانس میں تیری خوشبو بس جاتی ہے
کیسے کہوں کہ میں سانس سے زندہ ہوں
جب کہ سانس آنے سے پہلے تیری یاد آتی ہے

یادیں مقدر میرا

تحریر۔ سید ہمراز مرز۔ نصیرا آباد۔

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں ایک کہانی یادیں مقدر میرا کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں امید ہے کہ آپ میری اس کہانی کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع دیں گے میں نے یہ کہانی بہت ہی محنت سے لکھی ہے اور قارئین کو ضرور یہ کہانی پسند آئے گی۔ تمام قارئین کی رائے کا میں شدت سے انتظار کروں گا۔ اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو میں مزید کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا اور انشاء اللہ اس سے بھی بہتر لکھ کر بھیجوں گا ایک بار پھر آپ سے گزارش ہے کہ اس کو جلد کسی شمارے میں شامل کرنا
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہو گی۔ جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

رونا مقدر ہمارا یادیں نصیب ہمارا خوش نہیں ہے دل مگر زندہ ہیں سوچ رہا ہوں کہ آخر میرے حصے میں غم ہی کی راتیں آئیں میرے ہی راستے میں کانٹے آئے ہیں جن پر چلنا میری مجبوری بنتی جا رہی ہے سوچنا بھی بے کار ہوتا جا رہا ہے کیونکہ ہمارے شہر میں ظلموں کا رواج ہے عام ہے رسم و رواج بدل کے رہ گئے ہیں ہماری نس نس میں درد ہے چبھن سی لگی ہے ڈر لگتا ہے کہ نئے موسموں سے اپنے شہر سے اپنے لوگوں سے مجھے ڈر لگتا ہے اپنے سے ڈر لگتا ہے نظر کا تقاضا ہوتا جا رہا ہے جگر کو سر عام فروخت کیا جا رہا ہے سر عام قیمت لگائی جاتی ہے انصاف ختم ہوتا جا رہا ہے حرص و لالچ ہر انسان کی عادت بن کے رہ گئی ہے مطلب پرستی عام ہوتی جا رہی ہے زمانہ بدل کے رہ گیا ہے ہمارے حصے میں غم کی بوچھاڑوں نے ڈیرے جما لیے ہیں مجھے رونا اچھا لگتا ہے آنسوؤں سے سمجھوتہ ہی اپنے من مرضی پر روجہ دیتے ہیں سوچ نہیں رکھتے تنہائی سے جیون کی حد تک پیار ہے یہی تو ہے جو میرا ایک بہترین ساتھی ہے جو کہ ہر پل ہر لمحہ میرے ساتھ رہتی ہے جو سمجھ سکیں سمجھ جائیں مگر ہر کوئی نہ سمجھ سکے گا نہ جان سکے گا کہ دل کا درد کتنا جان لیوا ہوتا ہے۔

مجھے یاد ہے وہ زمانہ وہ لمحہ۔ ہاں مجھے یاد ہے ہمراز کو یاد ہے کہ پہلی بار کوئی مجھے ملا کہ یعنی کہ ملی یاد ہے مجھے اچھی طرح نہ بھول پاؤں گا نہ پائیگا ایسا مجھ سے کہ ہر روز ہر لمحہ ایک چہرہ اسٹاپ پہ میرا منتظر ہوتا جا رہا تھا عجیب سی آنکھوں سے معصومیت کا ٹپکنا مجھ سے روز دیکھا جا رہا تھا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ معصوم آنکھیں اتنی ظالم ہو سکتی ہیں مگر نہ سمجھ تھا نہ دان تھا ان ظالم آنکھوں کے پیچھے چھپی حرص لالچ کو پرکھ نہ سکا روز اس آنا میرا آنا نظروں سے ٹکراؤ میرا معمول بن گیا تھا۔

جو کہ میرے وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ نتیجہ کیا ہوگا روز کی طرح ہاں یاد ہے مجھے یاد ہے روز کی طرح آج بھی میں شاپ پر آیا آج تو قیامت برپا کر رہی تھی حسن ہی حسن جو کہ میرے اندر ہل چل مچا رہا تھا دھیرے دھیرے سے ایک بچہ میرے پاس آیا جس کی عمر میرے خیال سے بارہ برس ہو گی یا ہو سکتی ہے یاد ہے مجھے کہ جب بچے نے ایک اخبار کا ٹکڑا میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا کہ انکل یہ آپ کے لیے۔

یاد ہے مجھے کہ ہمراز نے بغیر توجہ دیئے وہ اخبار تھام لیا جو کہ دو ورق پہ مشتمل تھا تو آن پہنچا میری بربادی کا فرسٹ دن تھا سوچ بھی نہ تھی کہ میرے ساتھ کیا ہونے کا طریقہ بھی عجیب سا تھا اتنے میں کمپنی کی بس آ گئی اور روز کی طرح آج بھی میں بس میں بیٹھنے میں کوئی ڈر محسوس نہ کیا۔

میری سوچ میں نہ تھا میرے گمان میں نہ تھا
کہ ہوگا ایسا جو میرا میرے خیالان میں نہ تھا
دل میں بس سچائی میرا گھر ویران کر گئی
ممکن بھی ناممکن بن جائے میرے امتحان میں نہ تھا
دعوے ہے میرا کہ آخر وہ میرا ہی تو ہے ہمراز
وہ چہرہ جو کہ کسی زبان میں نہ تھا

ہوش حواس سلجھانے کے بعد سوچا آخر اخبار کو ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے کتنے پیار سے کسی اجنبی بچے نے حکم کی تعمیر کو کہا کہ سو اخبار کھولا مگر کیا کھولا کہ میرے ہاتھ کانپنے لگے اس کے اندر ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا جو کہ کسی لڑکی کا لیٹر ہو سکتا تھا میں تو جیسے پاگل ہی ہوا جا رہا تھا سو شرط پوری کی پڑھنے پہ توجہ دی تحریر کچھ یوں تھی۔

اسلام علیکم کیسے ہیں آپ کو تو روز دیکھنا میری عادت بن گئی ہے سوچا سمجھا جانا مگر انجان رہ جانا میری قسمت ہے تھکن سے چور ہو کر دل سے مجبور ہو کر سوچا کہ اپنے حالات سے آگاہ کروں کشمکش میں ہے دل بے تاب ہے شاید تمہیں چاہنے میں میں روز بروز اونچائی کی منزلیں طے کرتا جا رہا ہوں جو کہنا تھا سو زبان سے نکال دیا ایک امید کے ساتھ کے شاید میری پزیرائی ہو سکے ورنہ شک نہیں کہ بربادی میرا مقدر بن سکتی ہے اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر رہے صرف آپ کے نام کے ساتھ نام میرا۔ خدا حافظ۔

ہاں یاد ہے مجھے جیسے پاگل ہوتے ہوتے رہ گیا سمجھ گیا سب ان آنکھوں کی مرضی ہے جو ہر روز ہی میرے ساتھ ناسمجھی کی منزلین طے کرتی ہیں لطف سا مگر تھوڑا غم بھی صرف ہے تھکن سی بھی ہو گئی میرے دل میں ایک چبھن سی ہونے لگی کہ آخر ہو سکتا ہے وہ میرا ہے وہ میرا ہی ہو سکتا ہے دعویٰ آج بھی ہے حیرت اس دن تھی کہ کوئی میرا قتل کے بدلے قتل عام ہے سو میں نے ایسا ہی کیا اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے جو لکھا اس کی تحریر یوں تھی کچھ۔

کیسی ہیں آپ سوچ سمجھ کر جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہی فائدہ مند ہوتا ہے سوچ لو تم کہ یہ وہ سفر ہے جو چلتا ہی رہتا ہے منزل کا ملنا ناممکن ہے یہ سچ ہے کہ میرا دل آخر کسی کا تو ہوگا ہی جو میرے بس میں ہی نہیں میرے کچھ خواب تھے جو کہ صرف تجھ سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں سوچ لو تم میں پہلے ہی ویران راستوں کا مسافر ہوں بھٹک رہا ہوں میرے ساتھ چلنا چھوڑ دینا تم میرے ہو دعوے ہے میرا یہ تیری آنکھوں کا سودا اگر ہوں لگتا ہے مجھے رات کے کسی پہر میں میرا انتظار ہو سکتا ہے کہ جو میرا اپنا ہے دعویٰ کے ساتھ وہ مجھے کال کرے گا

مجھ سے بات کرے میرے دل کی بے چینی کم ہو سکتی ہے جیون کی حد تک چاہنا میری مجبوری بن گئی ہے جو کہ ناممکن ہے کہ بن کسی کے یہ دل رہ سکے اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو آمین

صرف منسلک تجھ سے ہمراز مرز۔

یاد ہے مجھے کہ ہمارا رابطہ چل بسا دو دل لڑنے لگے اور خود پہ وفاؤں کے دعوے کرنے لگے وعدے قسمیں یہ تو رواج ہی عام ہے جو کہ میرے ساتھ ہوا دن گزرنا آج کے دور میں کافی آسان ہے تو میرے ساتھ ہی رسم و رواج چلنے لگے ہمارا مشن مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا تھا کہ روز نظروں کا ٹکراؤ روز آنکھوں میں ہزار باتیں جو کہ عاشق کے لیے سمجھنا مشکل نہیں ہے روز ہر رات مسلسل کمبخت موبائل کی بیٹری لو کرنا ہمارا معمول بنتا جا رہا تھا۔

یاد ہے مجھے کہ جب پہلی بار ہمراز نے کسی کو ملاقات کی آفر کی جو کہ مسترد ہونے کے بجائے رد نہ کی گئی وہ دن یاد ہے کہ میں یاد ہے مجھے کہ میرے ہاتھ میں ہاتھ اس کا سوچ رہا تھا کہ قسمت میرے ساتھ ہے مجھ پر مہربان وہ میری زندگی کا بہترین دن تھا جو کہ مر کر بھی نہیں بھول سکتا کسی کے لیے کتنی چاہت ہو سکتی ہے وہ ظالم آنکھیں جو کہ میرے ساتھ دھوکہ کر گئی ممکن کو ناممکن کر گئی دکھ ہے مجھے کہ احساس نہ ہوا کہ دل میں آخر کتنی سچائی ہے نام پیارا ہے جوشہ کافی بہترین نام ہے جوشہ جو بھی ہے مگر میرے لیے میری سوچ سے بھی بڑھ کر میری زندگی کا مقصد تھا مگر آج یہ حال ہے کہ ممکن نہ ممکن بن گیا مٹ گیا سب میری سوچ میں صرف یادیں رہ گئیں جو کہ وابستہ اس سے ہیں۔

اب تو روز کا ملنا ہمارے لیے آسان ہی بن گیا میں کہاں گیا کہ بنتا ہی چلا گیا آئے دن نئے احساسات نئی قسمیں نئے وعدے میری زندگانی میں آتے رہے کچھ آج ہوتا ہے اس دن میری آنکھیں بند تھیں۔ مجھ سے نہ پوچھ میری داستاں

مرنے والے سے مرنے کی وجہ پوچھی نہیں جاتی

اثر انہی کو ہوتا ہے جس نے کبھی محبت کی ہو درد عشق چکھا ہو شاید وہی جاتے ہیں کہ عشق نام کیا ہے کس کو یہ کہا جاتا ہے اکثر سوچنا میرا معمول بن گیا کہ فرق پڑتا ہے کہ کوئی کسی کا دل رکھنے کے لیے ہی ساتھ دے دے مگر کسی کے دل کو سرعام بدنام نہ رے یہ ہمارے قانون میں ہے ہمارے شہر میں ہے ہمارے رسم و رواج میں ہے یہ ہی کچھ میرے ساتھ ہوا سو چھوڑ و جانے دو۔

ہوا یوں کہ ایک بات کہ یاد ہے مجھے سب کچھ یاد ہے بھول کیسے سکتا ہوں وہ لمحے جو میری زندگی میں خوشی بن کر آئے اور زخم کی بوچھاڑیں چھوڑ کر آنکھوں سے بوجھل ہو کر میرے جیون میں ارمان چھوڑ کر میرے خواب ریزہ ریزہ کر کے نہ جانے ہمیشہ کے لیے آخر جانا تھا سو چلے گئے۔

ہمارے دن گزر رہے تھے روز پوری پوری رات ہماری باتیں لمبی ہوتی جا رہی تھیں وہ دوشیزہ ملتان شہر میں رہنے والی تھی کراچی شہر ملیر میں رہائش پذیر تھی ہماری میں اسٹاپ ایک ہی تھا وہ لانڈی روز ایک ملٹی کار منٹس سیون سٹار میں ڈیپارٹ میں سپر وائزر تھی کہ ماہانہ اسی ہزار کمائی تھی مگر ایک عام سا مشین اپریٹر جو کہ گارمنٹس میں کام کرتا تھا نہ جانے ایسا میرے ساتھ کیوں ہوا کہ لگتا بھی تو خوشی خوشی ممکن ہو کہ نہ ممکن بن جانا سوچ سے زیادہ اذیت زدہ ہوتا ہے میں جوشہ

جو کہ میری جان سے بڑھ کر تھی جوشہ کے چار بھائی تھے وہ سب سے چھوٹی تھی مگر میری قسمت میں نہ تھا سو ساتھ نہ ملا۔

مجھے یاد ہے ہاں ہمراز کو یاد ہے کہ جب جوشہ نے میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ایک دن قسم کھائی تھی کہ ہمراز جوشہ تیری ہے آج سے اور مرتے دم تک تیری ہی رہے گی چھوڑ گئی نہ جوشہ مجھے یہ نہ سوچا کہ ہمراز نہ جی سکے گا نہ کہ رہ سکے گا بے وفا ہے نہ وہ دھوکہ باز ہے نہ میرے ساتھ لٹ گئی نہ میری دنیا اجڑ گئے نہ آشیانے بک گئے نہ گھر ذرا بھی نہ سوچا کہ کسی کے دل میں کتنی چاہت ہے کس کا نام لیکر بھی جینا میری دیوانگی ہے وہ سوچ نہیں رکھتی تھی نادان ہے نا سمجھ ہے یاد ہے مجھے جب میری جان جوشہ ہاتھ پکڑ کے ایک مرتبہ میرے گلے لگ کے رو پڑی ساتھ کہنے لگی۔

ہمراز میری جان جوشہ تیری ہے صرف تیری کتنی بار آیا ہوا کہ اس نے دعویٰ کیا کہ جوشہ تیری ہے مگر ہمراز نادان تھا نہ سمجھ تھا ایک بار بھی نہ پوچھا کہ جوشہ کیا ہمراز بھی جوشہ تیرا ہے اس نے کہا کہ تم بھی میرے ہو کاش کہ ایک ہی آگ میں جلنا میرا مقدر بن گیا وہ نہ سمجھ سکا ہم روز ہر نئے دن اپنے پیار میں مضبوطی کے باعث بنتے روز بروز ہمارا ملنا باتیں کرنا بڑھتا جا رہا تھا

توجہ سے کر سوچ کے سمجھ کے کر
سمندر ہی سمندر ہے کنارہ نہیں ہے۔

مجھے علم نہ تھا کہ خوشی کے ساتھ غم کی لہریں حصہ ڈالتی ہیں سو انجان نہ سمجھ اپنی مستی میں دھن میں اٹھتے بیٹھتے صرف جوشہ ہی کہنے لگا یہاں تک کہ کافی دور چلا گیا جہاں سے آنا ناممکن تو ہے مگر مشکل بھی ہے بڑھتے ہوئے لمحوں کے ساتھ میری زندگی میں ایک طوفان آیا کہ اپنے گاؤں میں ایک رشتہ دار کی فوتگی ہوئی جو کہ مجھے ہر حال میں جانا تھا سو میں جوشہ سے رابطہ کیا کہا۔

مجھے کشمیر کسی کام سے جانا ہے جلدی واپس آ جاؤں گا۔ پہلے کترانے لگی ناراض ہونے لگی کہ ایسا نہ کرو مجھے چھوڑ کر نہ جانا مگر میری مجبوری کے ساتھ تعاون کر کے آخر کار مان گئی کہ شرط یہ ہے کہ میرا خیال رکھنا بھول نہ جانا جوشہ کافی حد تک دور جا چکی تھی جہاں سے واپسی نہ ممکن ہے میرے یاد دلانے پر کہ بہت جلدی واپس آؤں گا آخر مان گئی یاد ہے مجھے یاد ہے وہ آخری ملاقات جو ہماری ہوئی تھی سیون سٹار پر عارضی سی تھی مختصر سی تھی مگر کافی باتیں ہوئی وعدے ہوئے قسمیں کھائیں گئی تھیں ہم دونوں نے کافی پی مگر وہ کاری آخری ثابت ہوئی۔

مجھے یاد ہے کہ اس ملاقات میں جوشہ نے میرا ہاتھ پکڑ کے ایک وعدہ کیا تھا کہ ہمراز جوشہ صرف تیری ہے صرف تیری سوچ لو ہمراز مجھے بھول نہ جانا مر جاؤں گی بکھر جاؤں گی سوچ لو تم ہمراز میرے گلے لگ کر جی بھر کے روئی یہ لکھتے ہوئے میری جو حالت ہے شاید قارئین اندازہ نہ کر سکیں مگر جن نے یہ زہر پیار ہو وہ جان جائیں گے یہ درد کتنا جان لیوا ہوتا ہے میں یہ عارضی ملاقات عارضی و آخری ثابت ہوئی اور مجھے آزاد کشمیر جانا تھا سو آخری بار ایک دم دوسرے کو دوبارہ ملنے کی تمنا لیے ہوئے ہم الگ ہوئے سو میں آزاد کشمیر چلا گیا راستے میں بھی میرا رابطہ رہا گھر جا کر بھی میری باتیں ہوئی مجھے گاؤں جا کر اچھا نہ لگا کیونکہ وہاں میرا کچھ نہ تھا سب کچھ جوشہ تھی جو کہ کراچی میں ہی میرا انتظار کر رہی تھی میں

نے اپنے گھر والوں کو اپنی زندگی جوشہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا امی جی سے بات کروائی مجھے گاؤں میں سات وہ دن تھا کہ حسب معمول صبح اٹھا اور منہ ہاتھ دھو کر نماز پڑھی اور روز کی طرح موبائل سے میسج سے اپنی جان کو گڈ مورننگ کہا پہلی بار ریپلائے نہیں آیا تھا کیونکہ جسے میسج کرتا تھا تو ایک سیکنڈ میں ریپلائے مل جاتا مگر آج پندرہ منٹ ہو گئے تھے مگر جان کا میسج نہ آیا سوچا کہ آخر وجہ کیا ہے ایسا تو کبھی نہیں ہوا سو میں نے اپنی جان جوشہ کو کال کی مگر زندگی میں پہلی بار جھٹکا سا لگا کہ وہ جان جوشہ کا نمبر بند جا رہا تھا۔

اف میرے اللہ یہ سب کیا ہے میرے دل میں ہزاروں سوال آ رہے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ٹھیک نہ ہو یہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ بھول جائے یہ بھی نہیں کہ گھر والوں نے موبائل پر پابندی لگا دی ہو طرح طرح کے سوال مجھے پاگل کر رہے تھے۔

نگاہوں کے تصادم سے یہ کیسا انقلاب آیا
ادھر آنکھوں پہ جرات آئی ادھر رخ پہ نقاب آیا

مجھے یاد ہے اس دن میری جو حالت تھی خدا جانتا ہے سوچ رہا تھا کہ اگر وہ مجھے بھول گئی تو یہ جھوٹ ہے وہ ایسا سوچ کر بھی نہیں کر سکتی وہ صرف میری ہے اور میری ہے ایک دن دو دن لگا تار دس دن ہو گئے مگر نمبر مسلسل بند جا رہا تھا جو کہ میرے لیے مرنے کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ نہ نیند آتی نہ روٹی کھانے کو دل کرتا ہوتی بس موبائل ہاتھ میں لیے ہوئے نمبر آن کا انتظار جدائی کی منزلیں طے کر رہا تھا آہ ایک دل کہتا کہ جان تم میری ہو سوچ لو نہ سمجھ لو نہ۔

دل بھی آباد ہے ایک شہر خاموشاں کی طرح
ہر طرف لوگ مگر عالم تنہائی ہے

میں ہر وقت اس کا انتظار کرتا تھا سو بڑھتا جا رہا تھا نہ سونے کا ڈر نہ کھانے کا غم میرے خیال میں مجھے یاد ہے بیس دن ہو گئے ایک رات میں بستر پر لیٹا ہوا تھا تقریباً رات کے دو بج کر پچاس منٹ ہوں گے کہ میرے موبائل کی سکرین پر میری جان کا نمبر جگمگایا میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی جلدی جلدی او کے کیا اپنی جان کی آواز سنی۔

کیسے ہیں آپ۔

جواب دینے کی کوشش کی مگر نہ ممکن مجھ سے رہا نہ گیا حدیں ٹوٹ گئیں دھڑکنیں جیسے رک سی گئی کافی دیر جب میں نے رو کر اپنا درد کم کیا ایک بات میرے منہ سے نکلی۔

اتنے دن میری یاد نہیں آئی۔

کہنے لگی ہمراز سمجھو اور سنو مجھے کچھ کہنا ہے

میں نے کہاں ہاں بولو جلدی بولو۔

کہنے لگی ہمراز مجھے معاف کر دینا اس کے بعد شاید مجھ سے کبھی بھی بات نہ ہو سکے میری منگنی ہو چکی ہے بہت جلدی شادی ہونے والی ہے میں مجبور ہوں اپنا خیال رکھنا او کے اللہ حافظ۔

دس منٹ ہو گئے کال کٹ گئی مگر میرے کانوں میں یہی الفاظ گونج رہے تھے ہوش تب آیا جب موبائل بجنے لگا شاید کسی دوست کی کال تھی میں نے موبائل اٹھا کر دیوار کے ساتھ مارا جو کہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا میری حسرتیں مٹ گئی خواب ریزہ ریزہ ہو گئے میری دنیا ویران ہو گئی مگر گیا ہمراز جی کر کیا کرے یہ میری بربادی کے آخری دن تھے جو کہ مجھ پہ آن پڑے۔

داغ دل کے دکھاؤں تو کیسے

تجھے حال دل سناؤں تو کیسے
رنگ ہجر و زیست کا ہے یارو
کس کس کو دکھاؤں تو کیسے
پھول چمن سے آخر خفا ہو ہی گئے
اب انہیں میں مناؤں تو کیسے
رسم و رواج بدل کے رہ گئے
لوگوں کو اب سمجھاؤں تو کیسے
غم کی راہ پہ چلنا مقدر ہے میرا
گرد سفر ہو جاؤں گا کیسے
کسی اپنے کا مت پوچھو یارو
وہ بے وفا ہے زبان سے کہوں بھی تو کیسے

رونا میرا مقدر بن گیا ہر پل ہر لمحہ ایک احساس ہی میرے دل پہ حادی ہو گیا وہ یہ کہ آخر یہ سچ ہے کہ میرا ہے بھلا وہ ملا نہ یہ ہے میری قسمت غم یہ نہیں کہ وہ بھول گئے غم یہ ہے کہ دکھ یہ ہے کہ احساس نہ ہوا میرا ہر وقت یہی سوچ کہ جوشہ میری زندگی میں نہیں ہے کچھ بھی نہیں ہے نہ مجھے چاہئے ایک صبح تھی ایک دن تھا سوچ سمجھ کہ تمام امیدیں توڑ کر آخر خود کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی سوچی سو اپنے ہی گاؤں کے ایک سٹور سے زہر کی جو کہ ایک پیک میں تھی زہر لی گھر آ گیا گھر آ کے یاد ہے مجھے سب یاد ہے مجھے گھر آ کے غسل کیسے اور ایسے تیار ہوا کہ جیسے میری شادی ہو رہی ہو پر فیوم اٹک لگائی اور اپنے کمرے میں جا کر پانی کے ساتھ زہر کھائی اور چار پائی پر لیٹ کر موت کے فرشتے کا انتظار کرنے لگا مگر نہ فرشتے کا آنا ہوا نہ کمبخت موت آئی سوچا کہ یہ زہر نقلی ہے جو کہ عوام اور مجھ جیسے عاشق کو سر عام گمراہ کیا جا رہا ہے مگر یہ سوچ غلط ثابت ہوئی میرے پیٹ کے اندر درد شروع ہو گیا جو کہ آہستہ آہستہ شدید ہوتا جا رہا تھا

اور مجھے زیادہ سے زیادہ تر تکلیف ہو رہی تھی جب میرے اندر کافی زیادہ درد ہوا تو سب گھر والے پریشان ہو گئے اکھٹے ہو گئے سوچنے لگے کہ اسے انجانے میں کیا ہوا ہے پورے کمرے میں جیسے مگر مچھ کی طرح ناچنے لگا آخر کار میرے ہاتھ پاؤں سند پڑنے لگے اور مجھے الٹیاں شروع ہو گئیں آخر کار ماں میرے پاس آ کر پوچھنے لگی۔

ہمراز کیا ہوا ہے تجھے بول دے کیا ہوا ہے مجھ سے رہا نہیں جا رہا۔

ماں پریشان مت ہو میں نے زہر کھا لیا ہے جو کہ میرا بچنا ناممکن ہے یہ سننا تھا کہ میری ماں رونے لگی آوازیں سن کر پورا محلہ جمع ہو گیا قیامت برپا ہو گئی میرے ارد گرد ہر کوئی تھا مگر میری جان جوشہ کو خبر نہ تھی کہ آخر مجھ پہ کیا بیت رہی ہے میری ماں بین کرنے لگی نام لے کر جوشہ کو برا بھلا کہنے لگی مگر اچھی طرح یاد ہے مجھے ہاں یاد ہے میں نے ماں کو روکا کہ مت کر ایسا جوشہ میری جان ہے مرتے وقت تو میری تکلیف میں اضافہ نہ کرو۔

اس کے بعد میری آنکھیں بند ہونے لگیں مجھے ہوش نہ رہا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے ہوش تب آیا کہ جب میں اپنے شہر کے ہسپتال میں سی ایم ایچ کے اندر بیڈ پر نیم دراز تھا میری ماں میری جنت میرا سب کچھ میرے سرہانے بیٹھی آنسوؤں سے ڈوبی ہوئی مجھے تک رہی تھی مجھے ہوش میں دیکھ کر جیسے ماں کی جان میں جان آ گئی ماں کے گلے لگ کر رونے لگا۔

ماں مجھے موت بھی نصیب نہ ہوئی بد قسمت ہوا میں ہاں ہمراز بد قسمت ہے یہ جو کہ موت بھی راضی نہ کر سکا ماں نے میرے گال پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور پھر رونے لگی کہنے لگی۔

بیٹا کیوں کیا ایسا آخر کیوں کیا آج چوتھے دن ہوش آیا ہے بیٹا تجھے خون کی الٹی ہوئی ہیں جو کہ نہ ممکن تھا مگر اللہ تعالیٰ نے تجھے زندگی دی ہے میرا بیٹا لوٹا دیا۔

میری ماں مسلسل روئے جا رہی تھیں مگر میں امی کے چہرے کو تک رہا تھا کہنے لگی بیٹا میرے بارے میں نہیں سوچا کہ کتنی تکلیف ہوئی ہے یا ہوتی ہے ایک لڑکی کے پیچھے تو نے جان دے دی میرے بارے میں اپنی ماں کے بارے میں اپنے گھر کے بارے میں نہ سوچا آخر کیوں کیا ایسا بول نہ ہمراز بول دے نہ کیوں کیا ایسا۔

ایک بار پھر مجھ سے رہا نہ گیا میں دیوانوں کی طرح رونے لگا اتنے میں میرا بھائی آگیا اور ایک دوست جو کہ جگری یار بھی تھا جاوید یہ دونوں اندر آئے جو مجھے ہوش میں دیکھ کر خوش ہو گئے اور میرے گلے لگ کر رونے لگے میں نے کہا یار جاوید آخر تو کیوں روتا ہے ابھی ہمراز زندہ ہے مرا نہیں یہ سوچ کر رو رہا ہے کہ ہمراز مرا کیوں نہیں بچ گیا تو یک دم چپ ہو گیا مجھے ڈسچارج کیا گیا گھر آگیا ہر کوئی میرے پاس آیا یہی الفاظ سننے کے ملے کہ ہمراز غلط کی تو نے ایک عورت کے لیے جان دے دی ہر کوئی یہی کہتا ہے۔

دے دی جان ایک اجنبی کے لیے تو نے
سوچا یہ بھی نہیں کہ طلبگار اس کے اور بھی ہیں
مگر کسے کیا علم کے جوشہ میری جان نہیں

ہے وہ تو ہے اجنبی ہیں میری روح ہے میری زندگی ہے میرا سب کچھ ہے ٹھیک ہے کہ ہمراز نے غلطی کی زہر کھا لیا مگر جب ہمراز زندہ ہے تو جوشہ کو چاہنے میں کمی نہ آئے گی میرا دعویٰ ہے۔

نہ سمجھی کہ یہ شب و ہجر رومرز ہمراز
انجان ہی رہے اور زندگی مٹ چکی

دن گزرتے رہے ہر دن ہر لمحہ جوشہ کو یاد کر کے رونا میرا مقدر بن گیا آج دو سال ہو گئے ہیں وہ آخری ملاقات وہ رات کے ڈھائی بجے مجھ سے بات آج تک نمبر آن نہیں ہوا کوئی دن ایسا نہیں کہ جس دن جان جوشہ کا نمبر ٹرائی نہ کیا ہو مگر مسلسل بند ہے وہ کس حال میں ہے نہیں جانتا کیسی ہے نہیں جانتا جانتا ہوں تو صرف اتنا کہ جوشہ میری ہے میرا پیار ہے میرا سب کچھ ہے میری دنیا ہے وہ جی رہے ہیں جی لیں گے میری دعا ہے جوشہ جہاں بھی رہے خوش رہے کبھی بھی کوئی غم اس کے پاس نہ آئے آمین۔

مجھ کو نہ معلوم تھی یہ رسم و رواج سوا جڑ گئے غم نہیں ہے اس وقت کراچی شہر میں ہفتے میں ایک بار یادیں تازہ کرنے اسی راستوں سے گزرتا ہوں جن سے ہماری رونق تھی صرف یادیں تھیں مٹ جائیگا سب کچھ بدل جائے گا سب کچھ مگر میرے دل سے پیار کم نہ ہوگا ذرا سوچو کہ جس کیفے میں میں ہماری اکثر ملاقات ہوا کرتی تھی آج اس جگہ پر ایک بڑا اسنیما ہے بدل گیا نہ جس جگہ پر میری جان کا گھر ہوا کرتا تھا وہاں پر آج ایک پرانا کھنڈر ہے بدل گیا ناں مگر میں نہ بدل سکا آج بھی میرے دل میں اس کے لیے وہی قدر و قیمت ہے جو کسی زمانے میں ہوا کرتی تھی ہر کوئی نظر آتا ہے وہی جگہیں ہیں سب کچھ ہے مگر میری جان جو شہر کا نام و نشان نہیں ہے وہ بھول گئی ہے مگر کیسے بھول سکتی ہے وہ میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قسمیں کھائی تھیں کہ جوشہ صرف تیری ہے وہ وعدے کیسے جب کچھ کیا ہے نہیں ایسا نہیں ممکن ہے کہ جوشہ مجھے بھول جائے وہ مجھے نہیں بھول سکتی وہ

میری ہے نہ صرف میری آج بھی ایک انتظار ہے جو کہ مجھے ہے کہ جوشہ میری ہے نہ مجھ سے آخر ایک نہ ایک دن رابطہ کرے گی مجھے ملے گی پکارے گی مجھے آواز دے گی وہ معصوم دلہے کسی کا دل توڑنا اس کے بس میں نہیں ہے وہ معصوم ہے وہ بے وفا نہیں ہے نہیں ہے وہ بے وفا۔ وہ ضرور مجھ سے اس کے بس میں نہیں ہے وہ معصوم ہے وہ بے وفا نہیں ہے نہیں ہے وہ بے وفا وہ ضرور مجھ سے رابطہ کرے گی کب میرے موبائل کی سکرین پر ایک انجانا نمبر جگمگائے گا جو کہ پک رکنے پر آخر پتہ چلے گا یہ میری جان جوشہ ہے کب ایسا ہوگا اسی اسٹاپ پر جہاں سے اس برباد داستان نے شروعات کیا ہزاروں چہرے ہیں مگر میری جان کا چہرہ نظر نہیں آتا ہزاروں آنکھیں مگر میری جان کی آنکھیں نظر نہیں آتی۔

ایک میسج میری جان جوشہ کے نام

جان کہاں ہو تم کیسی ہو آجاؤ میری طرف لوٹ کے میں انتظار کر رہا ہوں تم میری ہو دعویٰ کے ساتھ تم نے کہا تھا ناں کہ تم میری ہو آجاؤ ناں نہ جی سکوں گا تم بن نہ رکہ رہ سکوں گا جان آجاؤ تم میری ہو بہت ہو گیا ضد اب چھوڑ دو ناں آجاؤ نہ جان تم میری ہو میری کوئی غلطی ہے تو معاف کر دو ناں میں تیرا اپنا ہوں ناں آجاؤ ناں جوشہ ہمراز دل سے کہہ رہا ہے یہ تجھے بہت چاہتا ہے آجاؤ ناں جان آجاؤ۔

فیصلہ قارئین کریں کہ آخر میری کیا غلطی ہے جو مجھے یہ سزا ملی یا مل رہی ہے جینا تو ہے آخر جی لیں گے مگر جو درد سینے میں بیٹھ گیا ہے وہ کم ہو جائے گا نہ ممکن ہے قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا۔

ایک غزل مس جوشہ جان کے نام

کیسے بتاؤں کہ میرے لیے کیا میری جان ہو تم
جو مرتے دم تک نہ پورا ہو وہ ارمان ہو تم
تم سے ہی وابستہ رہی ہے اب تک دنیا میری
تم شناخت ہو میری پہچان ہو تم
مجھ تک نہ جان سکے بے درد بے رحم
نہ سمجھ ہو انجان ہو کہ نادان ہو تم
خوشیاں میری تجھ سے ہیں یہ الگ بات ہے
قدم قدم پر جو پایا وہ نقصان ہو تم
رگ رگ پر چڑھی ہے سچائی جان لو ہمراز
میری زندگی میں آنے والے پہلے انسان ہو تم

ذات بنکر میری ذات میں رہا کرو
اک شخص ہے جو مجھ میں بسا کرتا تھا
میرے چہرے میں نظر آتا ہے چہرہ اس کا
اس کا تبسم میرے ہونٹوں میں کھلا کرتا تھا
میرے لفظوں سے ادا ہوتی ہیں باتیں اس کی
میرے لہجے سے غرور اس کا چھلکا کرتا تھا
میری نیندوں پر ہے برسوں سے حکومت اس کی
خواب بن کر میری پلکوں پر سجا کرتا تھا
اس حد تک میری ہستی میں موجود ہے وہ شخص
میرے ہر نقش میں عکس اس کا ملا کرتا تھا

سچی باتیں

۱۔ محبت کی آزمائش محبت کی توہین ہے
۲۔ کسی کو پانے کی تمنا مت کرو بلکہ اس قابل ہو جاؤ کہ لوگ آپ کو پانے کی تمنا کریں
۳۔ روٹھنے والے کو اتنا بھی نہیں روٹھنا چاہیے کہ منانے والا خود ہی روٹھ جائے
۴۔ پھول اچھے لگتے ہیں جن میں خوشبو ہو

اظہر سیف دکھی، سلکھیکی، منڈی

غربت جرم تھا میرا

--تحریر۔ رمضان تبسم پریمی۔ ساہیوال--

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

میں ایک کہانی غربت جرم تھا میرا کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں امید ہے کہ آپ میری اس کہانی کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع دیں گے میں نے یہ کہانی بہت ہی محنت سے لکھی ہے اور قارئین کو ضرور یہ کہانی پسند آئے گی۔ تمام قارئین کی رائے کا میں شدت سے انتظار کروں گا۔ اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو میں مزید کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا اور انشاء اللہ اس سے بھی بہتر لکھ کر بھیجوں گا ایک بار پھر آپ سے گزارش ہے کہ اس کو جلد کسی شمارے میں شامل کرنا

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

میرا نام علی ہے اور میں مانگا منڈی کا رہنے والا ہوں ہمارے محلے میں ایک گھر تھا جمیل کا جس کو سب بابا جمیل کہتے تھے اور بابا جمیل کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی تینوں ہی بہن بھائی شریف اور لائق تھے نہ کسی سے لڑائی کرتے اور اپنی مستی میں مست رہنے والے سکول سے گھر اور گھر سے سکول ہی ان کی زندگی تھی۔

بابا جمیل سب سے چھوٹے بیٹے سمیر کو ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے اور سمیر بھی دل لگا کر پڑھ رہا تھا وہ ہر کلاس میں فرسٹ آتا میٹرک کے پیپر دے کر سمیر فارغ تھا کہ اس کی خالہ جو کہ ملتان رہتی تھیں وہ آئی اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی جس کا نام حنا تھا اس کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ابھری جوانی درمیانہ قد بڑی بڑی آنکھیں بھرے بھرے گال باریک باریک ہونٹ پتلی کمر میں خدا کا انمول شاہکار تھی جب سے وہ آئی سمیر نے باہر آنا ہی چھوڑ دیا۔ ایک دن وہ بہت خوش خوش باہر آیا جہاں ہم سب دوستوں نے بیٹھ کر باتیں کی میں نے سمیر سے پوچھا۔

سمیر بھائی جب سے خالہ آئی ہیں آپ کی آپ تو باہر ہی نہیں آتے ہو کیا بات ہے۔

وہ ہنس کر کہنے لگا بعد میں بتاؤں گا۔

اسی طرح ہوتے ہوتے ایک ماہ گزر گیا تھا اور حنا کے جانے کا وقت آ گیا تھا جس دن حنا نے جانا تھا اس دن صبح سمیر نے گانا لگایا تھا۔

تم تو ٹھہرے پردیسی ساتھ کیا نبھاؤ گے
صبح پہلی گاڑی سے تم تو لوٹ جاؤ گے

جب میں نے سمیر کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات تھی میں نے جب پوچھا تو کہنے لگا۔

علی بھائی میں حنا سے بہت محبت کرتا ہوں اس کے بنا جی نہیں سکتا۔



میں نے اس کو خاموش کروایا اور اس سے پوچھا کہ حنا بھی آپ سے محبت کرتی ہے۔

کہنے لگا ہاں بھائی وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے وہ بھی رو رہی ہے اس کے آنسو مجھ سے دیکھے نہیں جا رہے کاش میں اس کو روک لیتا۔

میں نے اس کو حوصلہ دیا کہ تمہاری خالہ زاد کزن ہے مل جائے گی تمہیں پہلے اپنے پاؤں پر کھڑے تو ہو جاؤ اپنے ماں باپ کا سہارا بنو ان کا سپنا پورا کرو اور اٹھو اس کو خوشی خوشی الوادع کرو۔

اس کو خاموش کروا کے گھر بھیج دیا اس کے بعد وہ کالج جانے لگا اور میں خود اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا اور یہ شہر پاک وطن چھوڑ کر سعودی عرب چلا گیا جب میں دو سال بعد واپس آیا تو پتہ چلا کہ سمیر کو فوت ہوئے چھ ماہ ہو گئے ہیں ان کے گھر گیا تو سب سے افسوس کیا اور فاتحہ پڑھی اور واپس آنے لگا تو اس کی بہن نے مجھ کو روک کر کہا علی بھائی سمیر بھائی نے ایک ڈائری دی تھی کہ جب علی آئے تو اس کو دینا کیونکہ ساری نہیں تو کچھ میں وہ میرا ہمراز ہے اس لیے یہ علی کو دینا میں وہ ڈائری لے کر آتی ہوں۔

میں وہ ڈائری لے کر گھر آ گیا رات کو کمرے میں بیٹھ کر پڑھی تو بہت دکھ ہوا کہ آج کے لوگ دولت کے لیے ایسا ہی کرتے ہیں ہمیشہ ساتھ نبھانے کا وعدہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں صرف دولت کے لیے کرنا یہی دولت جو کسی سچے پیار کرنے والے سے جدا کرے تو دوستو اس ڈائری میں لکھا تھا کہ جو میرے نام تھا علی بھائی جب آپ آئیں گے تو اس وقت میں یہ دنیا چھوڑ چکا ہوں گا جیسے کہ آپ کو پتہ ہے کہ میں حنا سے بہت پیار کرتا تھا پر اس کے بنا جی نہیں سکتا تھا اس کو اس دن آپ کے کہنے پر اس کو ہنسی خوشی دل سے لاکھوں درد چھپا کر لبوں پر ہنسی سجا کر الوداع کیا اس وعدے کے ساتھ کہ یاد رکھیں گے ہر حال میں ایک دوسرے کا ساتھ نبھائیں گے اس طرح وہ واپس ملتان چلی گئی اور میں نے کالج جانا شروع کر دیا روز فون پر بات ہوتی تھی ایس ایم ایس پر بھی بات ہوتی تھی ساری ساری رات بات کرتے کرتے گزر جاتی تھی ہمارا پیار اس سٹیج پر تھا کہ واپسی ناممکن تھی اچانک کسی ظالم کی نظر لگ گئی اور میرے پیار کو اس کا فون آنا بند ہو گیا جب بھی میں کال کرتا خالہ فون اٹھاتی اس سے پوچھتا تو کہتی کہ وہ پڑھ رہی ہے کبھی گھر کا کام کر رہی ہے بس اس طرح ہی تین ماہ گزر گئے اس کی آواز سنے ہوئے میں تڑپتا رہتا تھا روتا تھا کوئی غم سار نہ تھا جس کو دل کا حال بتاتا دل کے ہاتھوں مجبور تھا میں خود ملتان چلا گیا خالہ کے گھر پہنچا تو بل دی دروازہ خالہ نے کھولا خالہ برے موڈ سے ملی میں خاموشی سے اندر گیا سب سے ملا حنا کا پوچھا تو خالہ کہنے لگی وہ باہر کسی سہیلی کے ساتھ گئی ہے میں بیٹھا رہا خالہ نے بوتل پلائی کہ ایک گھنٹے بعد وہ بے وفا آئی مجھے دیکھ کر اندر کمرے میں چلی گئی میں نے ایس ایم ایس کیا کہ جان حنا کوئی غلطی ہوئی ہے کہ جس کی سزا مجھے دے رہی ہو اس نے کمرے میں بلایا اور بولی دیکھو سمیر میں تم سے مذاق کر رہی تھی میں تم سے پیار نہیں کرتی میں اپنی پھوپھو کے بیٹے سے پیار کرتی ہوں جو یہی ملتان رہتا ہے اس کا اپنا کاروبار ہے گاڑی ہے کوٹھی ہے نوکر چاکر ہیں اس کے پاس سب کچھ ہے تمہارے پاس کیا ہے تمہارے پاس تو رہنے کو اپنا مکان بھی نہیں ہے تم مجھے کیا دو گے تم کیسے مجھے خوش رکھ سکتے ہو اس

لیے اپنی طرح کی کوئی غریب لڑکی دیکھ لو اور شادی کرلو میں روتا رہا تڑپتا رہا مگر اس سنگدل کو رحم نہ آیا اس کو وعدے قسمیں یاد دلائیں تو خالہ آگئی خالہ نے آتے ہی برسنا شروع کر دیا کہ میں کب سے تمہاری تمہاری بکواس سن رہی ہوں اس نے چار دن ہنس کر بات کیا کر لی تم اس کو پیار سمجھنے لگے چلے جاؤ یہاں سے گھر سے خبردار اگر آئندہ یہاں کا رخ کیا تو میں ٹوٹے دل سے واپس آگیا سارا دن روتا رہتا تھا کھانے کا ہوش نہ پینے کا کیا کرتا اس زندگی کا جس میں حنا کا پیار نہیں گھر والے علاج کروانے لگے اور اس بے وفا کی یاد زخم دیتی بس یہ زخم لے کر میں درد لے کر اور نہیں جی سکتا اس لیے خدا سے دن رات موت کی دعا مانگتا ہوں شاید خدا نے سن لی ہے آج ڈاکٹر نے کہا کہ اس کو بلڈ کینسر ہے اب یہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا گھر والے رونے لگے تڑپنے لگے۔ مجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں میں سچ میں خوش ہوں کہ میں ایسی لالچی دنیا کو چھوڑنے والا ہوں جہاں پیار نہیں دولت دیکھی جاتی ہے اس لیے پتہ نہیں کل کا سورج دیکھنا نصیب ہو یا نہیں ہو اس لیے اللہ حافظ۔

اس امید کے ساتھ جہاں چھوڑ چلے کہ
وہ میری یاد سے غافل نہیں ہوگا

یہ تھی میرے دوست علی کی کہانی جو میں لے کر آپ دوستوں کی عدالت میں حاضر ہوا ہوں فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ پیار دولت سے ہوتا ہے یا دل سے یارو کیسی لگی میری کہانی آپ سب دوستوں کی تعریف و تنقید کا شدت سے منتظر رہوں گا کہ اپنی رائے سے آگاہ کرنا۔

آپ کا اپنا رمضان تبسم پریمی۔۔

غزل

تجھے دیکھوں تو محبت نہیں ہوتی مجھ کو
زخم کھلتے ہیں تو عزت نہیں ہوتی مجھ کو
اتنا بدلہ ہوں تیرے شہر کا پانی پی کر
جھوٹ بولوں تو ندامت نہیں ہوتی مجھ کو
اب کوئی آئے چلا جائے میں خوش رہتا ہوں
اب کسی شخص کی عادت نہیں ہوتی مجھ کو
اتنا مصروف ہوں جینے کی ہوس میں شاید
سانس لینے کی فرصت نہیں ہوتی مجھ کو

.........نامعلوم نام نہیں لکھا

غزل

بھول کر مجھ کو جینے کی وجہ پوچھتا ہے
کیسے زندہ ہوں میں اب تک یہ ادا پوچھتا
روز میری روح کو دے جاتا ہے زخم نیا
شوق اس کو ہے مگر مجھ سے سزا پوچھتا ہے
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں جب بسا ہے وہ
پھر وہ کیوں اپنی قسم دے کر میری رضا پوچھتا ہے
اسے یہ خوف کہ میں اسکو. پا نہ لوں
میں جب بھی اٹھاؤں ہاتھ تو دعا پوچھتا ہے

.........نیلم چوہدری۔ چوکی

میں تیرے شہر سے گزرا ہے بادل کی طرح
دست گل پھیلا ہوا ہے میرے آنچل کی طرح
کہہ رہا ہے کسی موسم کی کہانی اب تک
جسم برسات میں بھیگے ہوئے جنگل کی طرح
اونچی آواز میں کبھی اس نے تو بات نہ کی
خفگیوں میں بھی وہ لہجہ رہا کومل کی طرح
دل کے اس شخص میں سے لاکھوں خاموشی سے جلوہ
بول اٹھتی ہے نظر، پاؤں کی چھاگل کی طرح
پاس جب تک وہ رہے، درد تھما رہتا ہے
پھیلتا جاتا ہے پھر آنکھ کے کاجل کی طرح
اب کسی طور سے گھر جانے کی صورت ہی نہیں
راستے میرے لیے ہو گئے دلدل کی طرح

رانا نبیل ارشاد۔ لاہور

بیوی کا بہکاوہ

۔۔تحریر۔عامر جاوید ہاشمی۔چوک اعظم۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

میں ایک کہانی بیوی کا بہکاوہ کے ساتھ حاضر ہورہاہوں امید ہے کہ آپ میری اس کہانی کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع دیں گے میں نے یہ کہانی بہت ہی محنت سے لکھی ہےاور قارئین کو ضرور یہ کہانی پسند آئے گی۔تمام قارئین کی رائے کا میں شدت سے انتظار کروں گا۔اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو میں مزید کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا اور انشاء اللہ اس سے بھی بہتر لکھ کر بھیجوں گا ایک بار پھر آپ سے گزارش ہے کہ اس کو جلد کسی شمارے میں شامل کرنا

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

خالہ سعدیہ اور امی جان کا برسوں پرانا ساتھ تھا وہ ہمارے پڑوس میں رہتی تھیں جب ان کے شوہر کی آمدنی کم تھی تو اپنا پیٹ کاٹ کر یہ پلاٹ خریدا تھا وقت کے ساتھ ساتھ خالو عمران کی آمدنی میں اضافہ ہوتا گیا تب انہوں نے ہاؤس بلڈنگ سے قرضہ لے کر خالہ اور خالو دونوں بہت محنت اور کفالت سے کام لے کرادا کیا اس دوران ان کے بچے بھی بڑے ہو گئے تھے خالہ سعدیہ کی تین بیٹیاں تھیں مگر بیٹا اکلوتا تھا جو بڑی منتوں مرادوں سے پیدا ہوا تھا اس کا نام فہد تھا اور یہ بڑا دونوں میاں بیوی کا کل امیدوں کا مرکز تھا۔

خالہ سعدیہ بہترین اخلاق کی مالک تھیں انہوں نے اولاد کی بہت اچھی تربیت کی تھی بیٹیوں کے ساتھ ساتھ بیٹے کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی جس کے لیے ان کو بہت زیادہ محنت کرنی پڑی بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں ایک نہ ایک دن ہر بیٹی کو والدین کی دہلیز چھوڑنی ہوتی ہے اور سسرال سدھارنا پڑتا ہے لیکن بیٹا والدین کا اثاثہ ہوتا ہے جوان کے بڑھاپے کا سہارا بنتا ہے لیکن اگر کسی کا ایک ہی بیٹا ہو وہ بھی ماں سے غافل ہو جائے تو اس ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے یہ وہی جان سکتی ہے۔

عمر بھر کی سخت محنت کرنے کے بعد خالہ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئی تھیں بیٹیوں کی شادیاں کر دیں اور اب بہت ارمانوں کے ساتھ بیٹے کی شادی کے خواب دیکھ رہی تھیں بالآخر ان کو دور کے رشتے داروں کی ایک لڑکی پسند آئی جو پڑھی لکھی ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھی خالہ جان فہد کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں انہوں نے رشتے داروں محلے والوں اور پڑسیوں کو مدعو کا کی اور بڑی خوش فروشی سے مہمان نوازی کا اہتمام کیا تھا



کیونکہ آخران کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی۔ بہوں کا نام نازیہ تھا اس کے آتے ہی ہر سو بہار آ گئی خالہ خوش خوش پھرتی رہتی اور سارا سارا دن بہو کو دیکھ کر مسرور ہوتی رہتی پل پل نازیہ کی نظر اتارتی تھی کیا بتاؤں ان دونوں کی کیا دلی کیفیت تھی جیسے نازیہ نہیں ان کو کوئی خزانہ مل گیا ہو بیٹے کی شادی کے تھوڑے دن بعد ہی خالہ کے شوہر بیمار پڑ گئے ڈاکٹروں نے چیک اپ کیا تو پتہ چلا کہ ان کو کینسر ہے، بہت علاج معالجہ کے باوجود جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے شوہر کی وفات کے بعد سعدیہ خالہ بہت اداس اور پریشان رہنے لگیں لیکن وہ گھر کے ماحول کو زیادہ عرصہ تک ناخوشگوار نہیں رکھنا چاہتی تھی اس لیے انہوں نے اپنے دل کا اطمینان بیٹے اور بچوں کی خوشی میں تلاش کرلیا۔

ابھی خالو جان کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ نازیہ نے خالہ جان کو گھر میں ایک فالتو شے سمجھنا شروع کر دیا وہ ان پر ہونے والے اخراجات کا حساب کتاب رکھنے لگی مثلاً خالہ جان ایک پاؤ دودھ بھی لیتی تھیں کبھی ایک انڈا اور سا دودھ اور کبھی دوا کے لیے بیٹے کو کہہ دیتی تھیں کہ فہد بیٹا یہ دوا لیتے آنا یہ باتیں بھی نازیہ کو کھلنے لگیں وہ چھوٹے دل کی تھی اس کے خیال میں ساس ایک بوجھ تھیں اور بیٹے کے گھر میں دو وقت کی روٹی کھانے کی بھی حقدار نہ تھی۔ بہو ساس کو کھانا دے کر احسان جتلانے لگی

نازیہ چاہتی تھی کہ جتنا خرچہ ساس پر ہوتا ہے وہ اتنا گھر کا کام کر دیا کرے جب تک سعدیہ خالہ میں جان رہی وہ کچن کا کام کافی کر دیا کرتی تھیں جب بہو کمرے سے نہ نکلتی تو کھانا بنا کر رکھ دیتی تھی،

کبھی برتن دھو دیتی تو کبھی کچن کی بہترین صفائی کر دیتی غرض کے وہ اپنی ذات سے اتنا فائدہ پہنچا دیتی کہ جس قدر دو تین ہزار روپے تنخواہ لینے والی نوکرانی کام کرتی ہے تو دو وقت کی روٹی کھا لیتی ہے۔

خالہ سعدیہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھتی تھی اور یہ تھا یہ ان کا بنایا ہوا گھر پھر بیٹے کا گھر بھی تو ماں کا گھر ہوتا ہے لیکن نازیہ کے خیال میں یہ بڑھیا ایک بوجھ تھی وہ اکثر کہتی رہتی تھی اپنے شوہر کی پنشن میں گزارہ ہو سکتا ہے اگر الگ کھانا پکا لیا کریں تو آپ کو زیادہ آسانی ہو جائے گی۔

ایسی باتیں سن کر خالی سعدیہ خاموش ہو جاتی کیونکہ خالو کی پنشن زیادہ نہ تھی وہ یہ پنشن خود پر خرچ کرنے کے بجائے گھر پر خرچ کر دیتی تھیں کبھی کارڈن کے لیے پودے لے آتی کبھی مالی کو تنخواہ دے دی تو کبھی بستروں کی چادریں اور گھر کی دوسری اشیاء خرید لیتی۔

جب کبھی پاس پڑوس یا رشتے داروں میں شادیوں میں بلاوا آتا وہ سلامی وغیرہ خود دیتی بیٹیوں کے آنے جانے پر بھی اخراجات اٹھتے اور وہ خود بہو سے نہ لیتی تھی بلکہ خاموشی سے ہر شے خود منگوا لیتی تھی عزت رہ جائے ان کی بیٹیاں بھی کم ہی آتی تھیں کیوں کہ خالہ نے کہہ رکھا تھا کہ اپنے گھر میں رہا کرو تمہارے میکے آنے سے بہو کو اعتراض نہ ہو میں اپنی بہو کا سکون کسی صورت بھی نہیں خراب کرنا چاہتی عمر کے ساتھ ساتھ بزرگوں کے اعصاب بھی جواب دے جاتے ہیں۔

اب خالہ کی عمر ستر برس ہونے کو تھی وہ کچن کے کام کاج گھر کی دیکھ بھال کے قابل ہی نہ رہی تھی وہ شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھی لیکن نازیہ

اب بھی یہی چاہتی تھی کہ سعدیہ خالہ ان کے بچوں کو سنبھال لیں اور گھر کے کام کر دیا کریں خالہ سعدیہ بہت ہمت والی خاتون تھیں جو کام بہو کہتی تھی انکار نہیں کرتی تھی لیکن بڑھاپے کی وجہ سے اب یہ کام ان سے صحیح طرح سے نہ ہوتے تھے نظر کمزور ہو گئی تھی۔

یہ ایسی عمر تھی جب بزرگ بستر پر آرام کرتے ہیں اور گھر والے ان کا خیال رکھتے ہیں ان کی خدمت گزاری کرتے ہیں لیکن خالہ سعدیہ کی قسمت خراب نکلی یہ بیٹے اور بہو کو ان کی ضعیفی کا خیال بھی نہ تھا اب بھی نازیہ کی خواہش تھی کہ خالہ سعدیہ کو الگ کر دیں تا کہ وہ خود اپنی روٹی لگائے اپنی چائے خود بنائے اور اپنی پیاری دھو کر رکھے۔

نازیہ نے آتے ہی رنگ دکھانا شروع کر دیا خالہ جی کا حوصلہ تھا کہ ہر بدسلوکی برداشت کی اور اف تک نہ کی تا کہ گھر میں کسی قسم کی ناچاقی اور تناؤ قائم نہ ہو، نازیہ شوہر کو ماں کے خلاف اکساتی رہتی کبھی فہد سنی ان سنی کر دیتا اور کبھی خالہ پر غصہ کرنے لگتا تب نازیہ بہت خوش ہوتی ساس کی بے عزتی بیٹے سے کروا کے۔

خدا جانے کیوں اسے سکون ملتا تھا یہ بد سلوکی دیکھ کر کڑھتے امی کبھی خالہ کے پاس جاتی وہ رو رہی ہوتی تو فوراً آنسو پونچھ لیتی مگر بہو بیٹے کا کوئی شکوہ نہ کرتی۔

فہد پہلے بہت نیک اور تابعدار تھا کچھ عرصہ وہ حالات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا رہا آخر کار اس نے بیوی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ بچے اب بڑے ہو رہے تھے وہ گھر میں فساد کر بڑھانا نہیں چاہتا تھا ماحول کشیدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ بدلنے لگا جو بیٹا رات دن ماں کے قصیدے پڑھتا تھا ماں کے بغیر جس کی زندگی میں اندھیرا تھا وہ اب ماں سے دور ہونے لگا اور بدخلت بیوی کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا کسی نے سچ ہی کہا کہ عورت عورت کی دشمن ہوتی ہے وہ چاہے تو کسی کی زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے بچاری خالہ جان جو پہلے ہی شوہر کی کمی کو بہت زیادہ محسوس کرتی تھی بیٹے کی بیگانگی نے ان کو کمرے میں قید کر دیا اب وہ روز صبح اپنے کمرے کی کھڑکی سے بیٹے کو باہر جاتے دیکھ کر ان کی بلائیں لیتی رہتی اور لمبی عمر کی دعا کرتی رہتی تھیں ستر سال کی عمر میں بھی خالہ جان اپنے سارے کام خود ہی کرتی تھیں اپنے کپڑے خود ہی دھوتی تھیں اور استری بھی کرتی اور اپنا کمرا بھی صاف کرتی کچن میں جانے کا راستہ بہو جب چاہے بند کر دیتی تب وہ بھوکی رہتی تھیں بہو ہر ایک سے کہتی بچوں کے لیے کیک پیسٹری اور دوسری چیزیں لاتی ہوں ساس کھا جاتی ہے حالانکہ وہ شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں ایسی چیزیں تو وہ جوانی میں بھی نہیں کھاتی تھیں اب وہ بغیر نمک بغیر گھی کے ابلی ہوئی سبزی کھاتی گوشت تک کی بنی ہوئی اشیاء پرہیز کرتی تھی نازیہ کا مقصد تھا کہ ساس کچن میں نہ آئے تا کہ جو کچھ وہ لاتے ہیں پھل دیگر سامان وہ اسے نہ دیکھے اور ساس کو نہ دینا پڑے۔

اب خالہ مکمل طور پر نازیہ کے رحم کرم پر تھیں خود وہ اپنے بچے طرح طرح کی چیزیں پیزے تکے کباب وغیرہ منگوا کر کھا لیتے تھے لیکن خالہ جان سارا دن ایک روٹی اور تھوڑے سے سالن کا انتظار کرتی رہتی یہاں تک کہ ان کو دو دن بھوکے رہنا پڑتا تھا جبکہ شوگر اور بلڈ پریشر ہونے کی وجہ

سے ان کو وقت بے وقت بھول ستانے لگتی تھی جب بہو کا دل کرتا کھانا بند کمرے میں پہنچا دیتی تھی۔

ایک بار میں خالہ سے ملنے ان کے گھر گئی تو وہ بہت خوش ہوئی کہہ رہی تھی کہ میری بڑی پوتی کی شادی طے پائی ہے اور میں ان کے لیے اپنی جمع پونجی اور ایک عدد جھمکوں کی جوڑی اور دو عدد سیٹ خرید کر رکھے ہیں وہ یہ سب کچھ اس قدر گرم جوشی سے دکھا رہی تھی کہ ان میں ان کے اسی عالم سرخوشی پر حیران رہ گئی وہ ساتھ ہی اس کے اچھے نصیب کی دعا کر رہی تھی۔

میں نے اس روز ان کی آنکھوں میں خوشی کی وہ چمک دیکھی جو کبھی خالو کی زندگی میں ہوا کرتی تھی ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد خالہ تو جینا ہی بھول گئی تھیں ان کی پوتی فریحہ کی شادی کا دن آگیا سبھی محلے والوں کو مدعو کیا گیا میں بھی شادی میں شریک ہوئی تھی بارات والے دن سب مہمان اور خالہ جان کے گھر والے شادی ہال کے لیے نکلنے لگے تھے تو بیٹے نے خالہ جان کو آواز دی اور کہا اماں سب لوگ شادی ہال میں جا رہے ہیں کیونکہ بارات کا انتظام وہی ہے۔

خالہ بہت حیران ہو کر بیٹے کو دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ شادی گھر میں ہی کرنی ہے خالہ جان ابھی سوچوں کے سمندر سے نہیں نکلی تھیں کہ بیٹے نے کہا اماں ویسے آپ ہال میں نہیں جائیں گی بلکہ گھر پر رک کر گھر کا خیال رکھیں گی۔

خالہ جان کو بڑے زور کا دھچکا لگا ان کے ارمانوں بھری آنکھوں میں اچانک کہ سارا محلّہ رشتے دار عزیز و اقارب شادی میں شرکت کر رہے تھے اور میں اس کی دادی اپنی پوتی کو دلہن کے روپ میں نہیں دیکھ سکوں گی

یارب یہ میرا کیا امتحان ہے ان کی بے بسی پر میرا دل بھی آنسو رونے لگا وہ خاموش ہو کر گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں ایک ٹھنڈی آہ بھری اور لب سی لیے۔

دوسرے دن ولیمہ کی رسم تھی اور سب لوگ دعوت ولیمہ کی تیاری میں مصروف تھے لیکن خالہ جان کو نہ گھر والوں نے چلنے کو کہا اور نہ لے کر گئے شادی کا فنکشن بہت اچھی طرح ہو گیا مگر خالہ کو جیسے چپ لگ گئی تھی اب وہ تمام دن کمرے میں بند رہتی تھی، روتی تو کبھی ٹھنڈی آہیں بھرتی کافی دن ہماری ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

ایک دن پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں ان کی کام والی ماسی نے ہمارے یہاں برتن دھونے آئی تھی تو اس نے بتایا کہ کافی دن سے بستر پر ہیں۔ میں ان کی عیادت کے لیے گئی مجھے دیکھ کر ان کے بے جان جسم میں جان آئی فوراً سینے سے لگا لیا کہنے لگیں۔

بیٹا میں تو سمجھتی تھی کہ شاید خدا کو مجھ پر رحم آگیا ہے تبھی اپنے پاس بلانے کا انتظام کیا ہے مجھے دل کا دورہ پڑا تھا مگر میں بچ گئی اٹیک ہلکا تھا یہ بھی دو دکھ دیکھنے باقی ہیں۔

آنسو ان کے بوڑھے رخساروں سے اس طرح گر رہے تھے جیسے کسی مالا کے موتی ٹوٹ کر زمین پر بکھر جاتے ہیں ان کی کیفیت دیکھ کر جی بھر آیا تسلی دی کہا۔

آپ پریشان نہ ہوں انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے اگر آج یہ آپ کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں تو یہ بھی صاحب اولاد ہیں کل ان کا بھی

یہی انجام ہوگا آپ ایسا کریں کہ گھر کے پاس ہمارے درس قرآن کی کلاسیں ہوتی ہیں آپ ہر ہفتے ادھر آجایا کریں اس طرح آپ کا دھیان اللہ کے فرمان کی طرف ہو جایا کرے گا وقت اچھا گزرے گا۔

جو بندہ خدا کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرے اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی میں نے ان کو مطمئن کیا لیکن خود میرا دل چھلنی ہو رہا تھا ان کا یہ حال دیکھ کر سوچتی تھی آخر ہمارے گھروں کے نظام اس میں رہنے والے رشتے دار اور ان رشتوں کو باندھ کر رکھنے والے دل کیوں اس قدر ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں اولاد کیوں اتنی نافرمان ہوگئی ہے۔

ماں قدرت کا انمول تحفہ ہے یہ وہ جگمگاتا ہوا ستارہ ہے کہ جس کے غروب ہوتے ہی دنیا میں اندھیرا چھا جاتا ہے اور خدا کی رحمت کے دروازے بھی انسان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں اسی نعمت کی قدر وہی جانتا ہے جو اس نعمت سے محروم ہے اپنے والدین کی خدمت کرو اپنی کھوئی ہوئی جنت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں کہیں ایسا نہ ہو بہت دیر ہو جائے اور ہمارے ہاتھ سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ آسکے تب کیا ہوگا بدنصیب ہیں وہ بیٹے جو بیویوں کے بہکاوے یں آکر ماؤں کی بے قدری کرتے ہیں

عامر جاوید ہاشمی چوک اعظم

شعر

میں زخم زخم ہوں کیسے ملوں گلے جا کر
نمک سے تر کپڑے سبھی نے پہنے ہیں

ریناّ محمود قریشی

غزل

رہنے دے او بے دردی اظہار تیرا جھوٹا
سمجھائے گا کیا مجھ کو اعتبار تیرا جھوٹا
ہیں یاد مجھے اب تک تیرے سارے وہ وعدے
وعدوں پہ زندہ ہوں اقرار تیرا جھوٹا
بیٹھے ہیں اسی در پر تو جہاں سے بچھڑا تھا
تم آنا بھول گئے انتظار تیرا جھوٹا
اس کشمکش میں ہوں بارش ہے سوالوں کی
میرے پاس ہے جو قصہ سرکار
وہ کیسی محبت تھی اور کیسی عبادت تھی
کرن جھوٹے تھے افسانے اور پیار تیرا جھوٹا

غزل

اک دوجے کی جان بن کر جی لینگے
خود اپنے ارمان بن کر جی لینگے
بچھڑ نہ جائیں راہ میں منزل کی خاطر
راہوں کی پہچان بن کر جی لینگے
دل کی حسرت پوری کر کے چاہت میں
ہونٹوں کی مسکان بن کر جی لینگے
دودلوں سے دنیا ہمیشہ جلتی ہے
دنیا میں انجان بن کر جی لینگے
لگا کے تالا چپ کا اپنے ہونٹوں کو
جہاں میں بے زبان بن کر جی لینگے
کوئی حرف نہ اٹھنے دینگے چاہت پہ
پیار کے ہم دربان بن کر جی لینگے
کوئی دے نہ دے وفاؤں کا صلہ ہم کو
ہم اپنے ہی مہربان بن کر جی لینگے
مل جائیں گے ہم کرن جیون بھر کے لیے
پھر اپنا جہان بن کر جی لینگے

.........کشور کرن چتوکی

میں تمہیں بھول نہ پاؤں گا

۔۔تحریر۔نزاکت علی سانول۔فاروق آباد۔۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں ایک کہانی میں تمہیں بھول نہ پاؤں گا کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں امید ہے کہ آپ میری اس کہانی کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع دیں گے میں نے یہ کہانی بہت ہی محنت سے لکھی ہے اور قارئین کو ضرور یہ کہانی پسند آئے گی۔تمام قارئین کی رائے کا میں شدت سے انتظار کروں گا۔اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو میں مزید کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا اور انشاء اللہ اس سے بھی بہتر لکھ کر بھیجوں گا ایک بار پھر آپ سے گزارش ہے کہ اس کو جلد کسی شمارے میں شامل کرنا
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

اسے کہنا بہت اداس ہوں تیرے نزاکت جانے سے
ہو سکے تو لوٹ آنا کسی بہانے سے
تو لاکھ خفا سہی ہم سے مگر
ایک بار دیکھ تو سہی کوئی ٹوٹ گیا ہے تیرے جانے سے

آج کل اس دنیا میں پیار محبت تو ہو رہے ہیں لیکن اس پیار کی قدر کوئی کرتا ہے جب انسان کو پتہ چلتا ہے اس وقت اس کی آنکھوں میں سوائے آنسوؤں اور غموں درد و اور جدائی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا اس کو تڑپاتا ہے جب لڑکیاں کسی سے پیار کرتی ہیں زہریلی ناگن بن کے ڈستی رہتی ہیں۔اس وقت ان کو اپنے والدین کی عزت کا کوئی پتہ نہیں ہوتا جب وہ انسان اپنے پیار فریب میں اندھا ہو جاتا ہے اس وقت یہ لڑکیاں اپنے منہ کے پیار کے ڈائزین بنا کر کہہ دیتی ہیں کہ میں تم سے پیار نہیں کر سکتی میرے باپ اور ماں اور بہن بھائی کی عزت کا سوال ہے جب یہ پیار کرتی ہیں اس وقت یہ نہیں سوچتی ہیں کہ ان کے پیار کی وجہ سے کسی کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ان کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم روز قیامت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں کی امہ دکھائیں گے میری ان باتوں سے کوئی بھی ناراض نہ ہو معذرت خواہ ہوں باتیں لکھنا میری مجبوری تھی ایسی ہی یہ داستان بھی ایک میرے دوست کی ہے جو دکھوں دردوں میں ڈوبا ہوا ہے ایسا دکھ زندگی ایسی اللہ کسی کو نہ دے آیئے کہانی کی طرف چلتے ہیں۔یہ کہانی میرے دوست کی ہی زبانی سنتے ہیں۔

میرا نا اعجاز علی ہے ملتان میں پیدا ہوا میرے دو بھائی ہیں میں نے مڈل تک تعلیم حاصل کی اس کے ساتھ ہی مجھے ایک لڑکی نے لیٹر دیا جس کا نام ایس سے شروع ہوتا تھا جب میں نے پڑھا تو اس نے کہا تھا کہ میں تم سے پیار کرتی ہوں مجھے اس

وقت پیار ومحبت کا کوئی پتہ نہیں تھا میں نے چار پانچ دن کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد پھر لیٹر آیا اس نے لکھا تھا کہ میں تم سے پیار کرتی ہوں آپ نے میرے لیٹر کا جواب نہیں دیا اس کے بعد میں نے جواب دیا کہ میں تم دوستی کرتا ہوں اس کے بعد اچانک ہی ہماری دوستی ایک دوسرے کو لیٹر دے کر جواب دینا شروع ہوگئی پھر ہمیں ایک دوسرے سے پیار ہوگیا دو تین ماہ بعد میری زندگی میں بہت بڑا طوفان آگیا میری امی کو فالج ہوگیا۔ میری زندگی تبدیل ہوکر رہ گئی جان چھوٹی دکھ ہمارے بڑے ہوگئے۔ اس فالج کی میری امی ایک مریضہ بن گئی ہے بہت ڈاکٹروں سے علاج کروایا بہت دور دور تک لے کر گئے لیکن شفا نہ مل پائی ایس کا گھر میرے گھر کے نزدیک ہی تھا لیکن ایس ہر روز میری امی کا پتہ کرنے آتی ہے میری کوئی بہن نہ تھی جس کی وجہ سے گھر کی تمام ذمہ داری جو ایک عورت سرانجام کرتی ہے وہ سب کام میں خود کرتا دوسرا بھائی میرا چھوٹا گیارہ سال کا تھا گھر کا کام جاڑو روٹی پکانا امی جو بھائی کے کپڑے دھونا گھر کے برتن دھونا سب کام میں خود کرتا تھا اس وجہ سے میں کوئی کام ہنر وغیرہ نہ سیکھ سکا۔ چھوٹا بھائی جو گھر کے حالات دیکھ کر وہ سلون کی دکان پر کام کرنے گیا وہ کاریگر بن گیا آج ا سکی ایک دکان ہے جو سلون حمام بھائی کا کام ٹھیک چل رہا ہے ابو بھی اپنی زندگی میں اپنے فرائض اچھی طرح ادا کرتے تھے ابو بہت پیار کرتے تھے۔

ہم دونوں بھائیوں اور امی کو خیر میرے ابو فوت ہوگئے تھوڑے عرصہ بعد میں نے سکول چھوڑ دیا بعد میں وہ لڑکی قسمیں کھا کر مجھے ڈستی رہی آخر کار وہ مجھ سے کہا۔

میں تمہاری ہوں میں بہت دولت تباہ کردی اور وہ مجھے کہتی جان ہم ایک ہوگئے اور ایک ساتھ مریں گے جئیں گے لیکن ان کی منگنی ہوگئی ہے اب وہ کہتی ہے کہ میں تم سے شادی کروں گا لیکن اب انکی شادی ہونے والی ہے

ایک کوثر نام کی لڑکی سے غیر اتعلق بنا تو اس نے میری زندگی تباہ کردی میری شادی ہوگئی ہے میری بیوی اچھی نہیں ہے لڑائی جھگڑے کرتی ہے اور میرا بیٹا ایک ہے جو پانچ ماہ کا ہے وہ ابھی تک اس طرح ہی ہے جیسے پہلی طرح تھی اس کو میں طلاق نہیں دے سکتا ہوں کیونکہ میرے گر کا پانچ مرلے کا پلاٹ اس کے نام ہے جو نکاح میں اس کے نام کردیا تھا

پہلی لڑکی کشور ابھی مجھے کو یاد آتی ہے ان کی شادی ہونے والی ہے میں کیا کروں میں ان کو بہت حوصلہ دیتا ہوں جب وہ روتا ہے تو آنسو میرے بھی نکل آتے ہیں خدارا ایسے لوگ ٹھیک ہوجائیں کیونکہ آخر میں ہم کیا منہ دکھائیں گے اللہ کو آپ سب کی رائے کا انتظار رہے گا۔ اعجاز بھائی کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ اس کو خوشی مل جائے۔ آمین۔

ذبح کے وقت بھی تڑپنے پر صنم روٹھ گیا
اور لہو دوڑا جاتا ہے قدموں میں منانے کیلئے

صنم کے چہرے پہ جو تل ہے چوم لے ساقی
مسلمان بھی تو حجر اسود کو بوسہ دیا کرتے ہیں

پچھتاوا

--تحریر۔ندا علی عباس۔سوہاوہ گجر خان--

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

میں ایک کہانی پچھتاوا کے ساتھ حاضر ہو رہی ہوں امید ہے کہ آپ میری اس کہانی کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع دیں گے میں نے یہ کہانی بہت ہی محنت سے لکھی ہے اور قارئین کو ضرور یہ کہانی پسند آئے گی۔تمام قارئین کی رائے کا میں شدت سے انتظار کروں گی۔اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو میں مزید کچھ لکھنے کی کوشش کروں گی اور انشاءاللہ اس سے بھی بہتر لکھ کر بھیجوں گی ایک بار پھر آپ سے گزارش ہے کہ اس کو جلد کسی شمارے میں شامل کرنا۔اور بھیجتی بھی جا رہی ہوں۔

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

میری پہلی ملاقات اس سے اتفاقاً سڑک پر ہوئی تھی اور میں پہلی ہی نظر میں اسے دل دے بیٹھا تھا اس دن مجھے آفس جلدی پہنچنا تھا رات بارش ہوئی تھی جس کی وجہ سے روڈ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ جب میری کار اس کے پاس سے گزری تو گندے پانی کی چھینٹیں اس کے صاف شفاف کپڑوں پر پڑی تھیں میں کار روک کے اس کے قریب پہنچا ابھی ایکسیوز کرنے والا ہی تھا کہ اس نے غصے سے میری طرف دیکھا مجھے ایک پل لگا اس کی آنکھوں میں ڈوبنے کے لیے وہ شاید کسی جاب کی تلاش میں تھی میں اسے کار میں بیٹھنے کو کہا مگر وہ نہ مانی اور چل دی اس سے دوسری ملاقات ایک مارکیٹ میں ہوئی وہ شاید جلدی میں تھی باقت صرف ہیلو ہائے تک ہی چلی میں کافی مایوس ہوا نہ اس کا نام پتہ تھا نہ گھر کا پتہ مگر کہتے ہیں مایوسی گناہ ہے میری اس سے تیسری ملاقات مارکیٹ میں جانے سے دوسرے دن بعد ہوئی ڈیڈ نے مجھے آفس جلدی پہنچنے کا کہا تھا اس دن نئے امیدواروں کے انٹرویو تھے سو تیسری ملاقات بھی میری آفس جاتے ہوئے سڑک پر ہوئی تھی اس دن بھی شاید وہ جاب کی تلاش میں نکلی تھی میں نے کار اس کے قریب روکی۔

میں نے اس سے پوچھا اسے کہاں جانا ہے

اس نے کہا اس نے کسی جاب کا انٹرویو دینا ہے وہی جائے گی۔

میں نے اسے بیٹھنے کی آفر کی وہ بولی اسے دیر ہو ہی ہے وہ بس سے چلی جائے گی میں نے پوچھا وہ کہاں جائے گی اب اس نے مجھے بتایا اور میں حیران ہو گیا کہ وہ مجھے میرے ہی دفتر کا پتہ بتا رہی تھی میں نے کہا۔

ہم دونوں کی منزل ایک ہی ہے لہذا جلدی بیٹھو مجھے بھی دفتر جلدی پہنچنا ہے



پہلے تو حیران ہوئی پھر بیٹھ گئی میں نے کہا جہاں وہ انٹرویو دینے جا رہی ہے۔ وہ میرے ڈیڈ کا آفس ہے جو آج کل میں ہی سنبھالتا ہوں

جب میں آفس پہنچا انٹرویو شروع ہو چکا تھا میں جلدی سے ڈیڈ کے روم کی طرف بڑھا ڈیڈ کی تھوڑی گھوریاں کھائی اور اپنی سیٹ سنبھال لی تھوڑی دیر بعد میرے سامنے بیٹھی کافی اعتماد سے ڈیڈ کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی مجھے ڈیڈ کی آنکھوں میں ایک چمک نظر آئی تھی مجھے لگ رہا تھا کہ وہ یہ جاب حاصل کر لے گی اور میں چاہتا تھی یہی تھا مگر اس کے جانے کے بعد ڈیڈ نے اس کی سی وی ڈاکومنٹس وغیرہ میرے سامنے کیے تو میں کچھ نہ سمجھ سکا میں نے نا سمجھنے والے انداز میں ڈیڈ کو دیکھا ڈیڈ نے مجھے اسے پڑھنے کو کہا تھا نام عنایہ احمد والد آفتاب احمد آگے ان کے گھر کا پتہ لکھا تھا آفتاب احمد کے نام پر چونک کے میں نے ڈیڈ کو دیکھا۔

ڈیڈ۔ یہ۔ یہ تمہارے چاچو کی بیٹی ہے میر ی بات پوری ہونے سے پہلے ڈیڈ نے مجھے بتایا

ڈیڈ ایسا کیا ہوا کہ آفتاب چاچو کی بیٹی جاب کے لیے نکل پڑی میں حیرانگی سے بولا۔

بیٹا شکر ہے اتنے سالوں بعد آفتاب کا کچھ تو پتا چلا میں آج ہی آفتاب سے ملنے جاؤں گا بلکہ ایسا کرتے ہیں اسے واپس اپنے گھر لے آؤں گا بابا جان بہت خوش ہوں گے ڈیڈ خوشی سے بولے اور میں بہت سال پہلے کی دنیا میں پہنچ گیا۔

آفتاب چاچو نے یونیورسٹی کے زمانے میں ہی کسی اپنی کلاس فیلو سے شادی کر لی تھی جب عنبر چاچی کو گھر لائے تو مانو گھر میں بھونچال آ گیا بابا جان سخت غصے میں تھے انہوں نے غصے میں آفتاب چاچو کو گھر سے نکال دیا۔

آفتاب چاچو شاید پہلے ہی تیار تھے وہ عنبر چاچی کو لے کر کچھ دن اپنے سسرال رہے کچھ دنوں بعد عنبر چاچی کو لے کر کینیڈا شفٹ ہو گئے بعد میں بابا جان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ڈیڈ نے آفتاب چاچو کو بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ ملے ان کے سسرال سے پتہ چلا کہ وہ تو کینیڈا شفٹ ہو گئے ہیں ان دونوں بی بی جان کی حالت بہت خراب تھی وہ ہر وقت آفتاب چاچو کو یاد کرتی رہتی تھی ڈیڈ چاچو کو منانے کینیڈا ابھی گئے مگر چاچو نہ مانے چکے سے چاچو کینیڈا چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے پھر ڈیڈ نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈا وہ نہ ملے اور اب عنایہ کو دیکھ کر ڈیڈ اسے پہچان گئے تھے آفتاب چاچو سے ملنے کے بعد ہمیں اگلی کہانی کا معلوم ہوا

آفتاب چاچو کے کینیڈا جانے اور عنایہ کی پیدائش سے پانچ سال بعد ہی عنبر چاچی کا انتقال ہو گیا تھا چاچو نے عنایہ کے لیے میڈ رکھی اور خود بزنس میں مصروف ہو گئے کئی سالوں بعد وطن واپس لوٹے پھر اپنا بزنس اسٹارٹ کیا چاچو کا ارمان تھا کہ عنایہ میڈکل پڑھے سو عنایہ نے میڈیکل ایڈمیشن لیا۔

شروع میں تو سب ٹھیک رہا آہستہ آہستہ چاچو کو لگا کاروبار ختم ہوتا جا رہا ہے اور ہوا بھی وہی چاچو کے پارٹنر نے دھوکہ دیا اور بھاگ گیا چاچو خالی ہاتھ رہ گئے اور ہاسٹل جا پہنچے باقی جو پیسہ بچا تھا وہ بیماری پہ لگ گیا یہاں تک کے عنایہ کو پڑھائی چھوڑنی پڑی اور جاب تلاش پہ نکل پڑی۔

یوں چاچو کو ڈیڈ اپنے گھر لے آئے یوں عنایہ اور چاچو ہمارے پاس رہنے لگے ڈیڈ نے

عنایہ کو جاب کرنے سے منع کر دیا اور دوبارہ سے پڑھائی شروع کرنے کو کہا یوں عنایہ اور نائلہ اکٹھی کالج جانے لگی اور میں بہانے بہانے سے عنایہ کے آس پاس پھرتا رہتا اسے پڑھانے میں مدد کرتا کالج ڈراپ کرتا مطلب ہر وہ کام کرتا جو عنایہ تک مجھے لے جائے۔

میں نے عنایہ کا اعتماد جیتا پہلے دوستی پھر آہستہ آہستہ محبت ہونے لگی وہ میرے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرتی میرے ساتھ کھانا کھاتی برات کو میں لیٹ جاتا تو وہ مجھ سے خفا ہو جاتی اور میری بھی صبح اسے دیکھے بغیر نہ گزرتی صبح جاگنگ پہ بھی اسے ساتھ گھسیٹتا وہ مجھے نائلہ سے دور رہنے کی تلقین کرتی کہتی۔

نائلہ خوبصورت ہے تم کسی بھی وقت اس پہ فدا ہو سکتے ہو اور میں اسے کہتا۔

اگر ایسی بات ہوتی تو میں تم سے پہلے اس پہ فدا ہو جاتا۔

ہمارا پیار دیکھتے ہوئے گھر والوں نے ہماری منگنی کر دی میں اور عنایہ بہت خوش تھے انہی دنوں میرے بڑے بھائی حسن کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی۔

انہی دنوں کہانی میں ایک اور ٹوسٹ آیا احسن مراد میرا بہت پرانا سکول ٹائم کا دوست مل گیا عنایہ کی بھی اس سے بہت اچھی دوستی ہو گئی اور یہ دوستی مجھے بہت مہنگی پڑی وہ عنایہ احمد جو ہر وقت میرے آگے پیچھے گھومتی رہتی تھی اب ہر وقت احسن مراد کے پاس پائی جاتی میں اس سے بات بھی کرتا تو اس کی باتوں میں احسن مراد کا ہی ذکر ہوتا میں نے اس سے دوٹوک بات کرنے کا سوچا حسن بھائی کی مہندی پہ اس نے میری پسند کا فراک پاجامہ پہنا تھا وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور سب سے بڑی بات وہ میری پرانی عنایہ بن گئی مہندی پہ میرے ساتھ ساتھ رہی اور میں بھی پرانی سب باتیں اپنے دل سے نکال کر خوشی خوشی اس کے ساتھ ٹائم سیلیبریٹ کرنے لگا کھانا کھانے کے بعد لڑکے اور لڑکیاں میدان میں کود پڑے اور مقابلہ شروع ہو گیا ہر مقابلہ لڑکیاں جیت رہی تھیں اور میں دل سے چاہتا تھا کہ ہر مقابلہ عنایہ ہی جیتے اور وہ جیت بھی رہی تھی ساڑھے گیارہ کے قریب عنایہ کا موبائل بجا بات کر کے وہ پلٹی ہی تھی میں نے پوچھا۔

کیا ہوا اسے۔

وہ بولی واپس آ کر بتاؤں گی۔

میں نے بہت روکا مگر وہ چلی گئی میں نے دور سے اسے ماما اور چاچو سے بات کرتے دیکھا پھر وہ کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔

احسن مراد میرا بھی دوست تھا وہ مجھے بھی ساتھ لے کر جا سکتی تھی چلو مجھے نہیں ڈرائیور کو ہی ساتھ لے جاتی مگر وہ اکیلی ہی چلی گئی وہ بھی رات کے بارہ بجے میرا سوچ سوچ کر دماغ شل ہو رہا تھا احسن مراد تھا کیا غریب انسان چھ بہنوں کا اکلوتا بھائی عنایہ نے میرے اوپر یعنی رضا اشفاق احمد کے اوپر ایک میڈل کلاس لڑکے کو ترجیح دی وہ پوری رات عنایہ گھر نہ آئی ساری رات میں ایک پل بھی نہ سو سکا میری نظریں گیٹ پر تھیں کال بھی کی ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ کی مگر اس نے موبائل ہی آف کر دیا تھا۔

صبح ساڑھے چھ بجے وہ گھر داخل ہوئی شکل سے تھکی ہوئی مانند لگ رہی تھی اس نے ایک نظر بھی مجھے نہ دیکھا اور اپنے کمرے میں چلی گئی میرا دل

دکھا

کیا کہ میں اس کے پیچھے جاؤں اور جا کے پتہ کروں وہ ساری رات احسن مراد کے پاس کیا کرتی رہی ہے مگر میری انا آڑے آجاتی میں نے ایک فیصلہ کیا اور چل دیا۔

بارات والے دن وہ ساڑھی میں کافی فریش دکھائی دے رہی تھی رات والی بات کا کوئی شبہ نہیں تھا مگر اس سے دور ہی دور رہا بارات ولیمے کے بعد میں نے اس سے کنارہ کشی کر لی اسے تنگ کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا اور سب سے بڑا بہانہ میرے ہاتھ نائلہ آئی جو اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی نائلہ میرے ماموں کی بیٹی تھی ماموں اور مامی کے روڈ ایکسیڈنٹ کے بعد وہ ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے میں اسے بالکل بہنوں کے جیسا چاہتا تھا وہ بھی مجھے بھائیوں والا مان دیتی میں نے عنایہ کو جلانے کے بہانے نائلہ کو شاپنگ کرتا نائلہ کے ساتھ صبح جاگنگ کے لیے جاتا حتیٰ کہ ہر وہ کام کرتا جو عنایہ کو ناپسند تھا اور عنایہ مجھ سے بات کرنے کی بھی کوشش نہ کرتی تو اسے غصے سے جھٹلاتا وہ مجھے کہتی کہ وہ ٹائم آنے پہ سب بتا دے دی مگر میں اس کی ایک بھی نہ سنتا اس نے ایک دوبار مجھ سے بات کرنی چاہی مگر میں نے اسے دن رات اپنے لیے تڑپتے دیکھا میں اسے مزید تڑپانا چاہتا تھا کیونکہ اس نے مجھے تڑپایا تھا پھر میں نے اسے ڈیڈ کے ساتھ ہر دوسرے تیرے دن کہیں آتے جاتے دیکھا مما سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ کسی ایڈمشن کا چکر ہے تب تو میں کچھ نہ سمجھ سکا۔

میں کچھ دنوں کے لیے بزنس کے سلسلے میں کراچی گیا تین دنوں بعد جب واپس گھر آیا گھر میں خاموشی کا راج تھا میرے پوچھنے پر نائلہ نے بتایا مما بوتیک گئی ہیں اور ڈیڈ اور چاچو آفس سے واپس نہیں آئے بی بی جان اور بابا جان اپنے روم میں ہیں حسن بھائی اور ان کی وائف تو آن ریڈی ہنی مون پہ تھے۔

اور عنایہ کہاں ہے میرے منہ سے اچانک نکلا کیونکہ تین دن سے عنایہ کو رات خواب میں روتے دیکھا تھا اور دل کی خواہش بھی یہی تھی جب میں گھر پہنچوں تو سب سے پہلا عنایہ کا سامنا ہو۔

ارے رضا بھیا آپ کو نہیں پتہ عنایہ ہوسٹل شفٹ ہو گئی ہے عنایہ کا میڈیکل کا آخری سال ہے وہ انکل سے کہہ رہی تھی کہ وہ گھر رہ کر ایگزام کی تیاری نہیں کر سکے گی تو یہاں ہاسٹل میں تو انہیں داخلہ نہیں مل سکا وہ لاہور ہوسٹل شفٹ ہو گئی ہے کہہ رہی تھی آتی جاتی رہے گی۔

نائلہ نے مجھے تفصیل بتائی مجھے لگا جیسے عنایہ مجھ سے میرے رویے کی وجہ سے دور ہوئی ہے وہ مجھ سے دور چلی گئی اور مجھ سے اس نے مشورہ بھی نہ کیا میرا دل کیا میں ابھی لاہور جاؤں اور عنایہ کو گھسیٹ کر واپس لے کر آؤں بلا وہ کون ہوتی ہے مجھ سے اتنی دور جانے والی اسے کس نے حق دیا ہے مجھے اکیلا چھوڑ کر جائے مگر پھر میرے دماغ نے کہا کہ نہیں رضا تمہیں ضرورت نہیں اس کی پرواہ کرنے کی ہو سکتا ہے وہ لاہور احسن مراد کے لیے شفٹ ہوئی ہو وہاں وہ چوبیس گھنٹے اس سے مل سکتی ہے وہاں اسے کون روک سکتا ہے یہاں تو میں تھا نہ دونوں میں کباب میں ہڈی ہی سوچ کر میں اپنے کمرے میں چلا گیا

کہانی میں ایک نیا ٹوسٹ آیا عنایہ کے

جانے کے چھ ماہ بعد کی بات ہے اس دن میری طبیعت بوجھل دی تھی میں آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا تو مجھے نیا شاک لگا لاؤنج میں داخل ہوتے ہی میری نظر سامنے بیٹھے احسن مراد پر پڑی اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی سانولی سلونی سی لڑکی پہ پڑی میں اسے نظرانداز کرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں جانے لگا شاید اس نے مجھے آتے دیکھ لیا تھا اس نے مجھے آواز دی تو مجھے مجبورا رکنا پڑا کیونکہ اس وقت لاؤنج میں سبھی موجود تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میں احسن مراد سے منہ ماری کروں اور میرے منہ سے ان دونوں کے لیے کوئی الفاظ نکلے جو سارے گھر والوں پہ چلے کیونکہ میں نے گھر میں کسی کو اپنے اور عنایہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔احسن مراد آکر میرے گلے لگ گیا اور میرا حال احوال پوچھنے لگا مجھے مجبورا اس کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔

کیا یار نہ تم نظر آتے ہو نہ عنایہ کی کوئی اتا پتہ ہے عرصہ ہو گیا ہے اس سے ملے ہوئے وہ محترمہ ہے کہ میری کال ہی پک نہیں کر رہی وہ تو مجھے یہاں آکر پتہ چلا ہے کہ میڈم کب سے ہوسٹل شفٹ ہوگئی ہیں۔

وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا اور میرا دل کر رہا تھا کہ اس کے منہ پر اتنے تھپڑ ماروں کہ وہ میرے سامنے یہ اوورا یکٹنگ بند کردے۔

اچھا میں تو سمجھا کہ تمہیں بتا کے گئی ہوگی یہ تو نئی بات ہے کہ تمہیں نہیں بتایا اس نے میں نے طنز سے اسے کہا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

یار وہ بہت اچھی ہے اور بہت ہی اچھی انفکٹ میری تو بہت اچھی بہن ہے بہن بنی بھی اور بن کر دکھائی بھی نہیں دی مجھے اور ثمرین کو ملا کے اس نے بہن ہونے کا ثبوت دیا وہ تو میں تو بھول ہی گیا تمہیں بتایا ہی نہیں یہ میری بیوی ہے ثمرین اور ثمرین یہ میرا بہت اچھا دوست ہے رضا احمد عنایہ اسی کی منگیتر ہے وہ اپنے پہلو میں بیٹھی لڑکی کا تعارف کراتے ہوئے بولا اور پھر اس نے جو کہانی سنائی وہ سن کر تو گویا میں اپنی ہی نظروں دے گر گیا۔

میں عنایہ احمد جس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا تھا چاہے وہ کھیل کا میدان ہوا ہے تعلیم کا میدان ہو کسی طبیعت میں بھی ہوئی کبھی ہارنا نہیں دیکھا تھا ایک معمولی سے انسان کے آگے ہار گئی بے بس ہو گئی رضا اشفاق احمد جو میرے تایازاد تھے جنہوں نے مجھے بولنا سکھایا تھا جنہوں نے مجھے حالات سے لڑنا سکھایا تھا جانے کب میں ان کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوش تو تب آیا جب محبت کے جنگل سے واپس آنے کے سارے راستے میں نے اپنے ہاتھوں سے بند کر لیے۔

رضا کی میری پسند کر مدنظر رکھتے ہوئے تائی مما نے ہماری منگنی کر دی رضا کو شادی کی جلدی تھی مگر تائی ماں نے کہا۔

عنایہ کی ابھی پڑھائی ڈسٹرب ہوگی لہذہ فی الحال منگنی پر ہی گزارہ کرو انہی دنوں رجانے مجھے اپنے دوست سے ملوایا احسن مراد بہت سویٹ انسان تھے وہ مجھے بہنوں کی جیسا پیار کرتے تھے میرا بچپن کا شوق تھا کہ پورا ہو گیا مجھے میرا بھائی مل گیا میں ان کی بہنوں سے ملی وہ کافی اچھی تھیں میری ان سے بھی اچھی فرینڈ شپ ہوگئی میں کبھی کبھی ان سے ملنے چلی جاتی وہ بہت خوش ہوتی تھی۔

ایک دن مجھے صفیہ آپی احسن بھائی کی بڑی بہن نے کہا کہ عنایہ احسن تمہارا بہت اچھا دوست ہے تم اس سے شادی کے لیے راضی کرو وہ شاید تمہاری بات مان جائے ہمیں بہت شوق ہے بھائی کے سر پر سہرا سجانے کا ہمارا ایک ہی بھائی ہے انہوں نے مجھے اتنی آس سے دیکھا اور میں نے ان سے وعدہ بھی کیا احسن بھائی سے ایک بار بات کی تو وہ ٹال گئے۔

ایک دن تو میں نے پکڑ ہی لیا احسن بھائی آج مجھے آپ کو بتانا ہی پڑے گا کہ آپ شادی کے لیے راضی کیوں نہیں ہوتے۔

احسن بھائی نے کہا۔ وہ ایک لڑکی سے پیار کرتے ہیں وہ لڑکی ان میں انٹرسٹنگ بھی لیتی ہے مگر لڑکی کے گھر والے نہیں مان رہے آپی صفیہ وغیرہ دو تین بار رشتے لے کر گئی مگر وہ لوگ نہیں مان رہے ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنی لڑکی کسی امیر لڑکے سے بیاہیں گے۔

حالانکہ وہ خود اتنے غریب ہیں احسن بھائی نے بتایا کہ وہ لڑکی ثمرین کو بے حد چاہتے ہیں ثمرین کے والد نے اس کا رشتہ کہیں اور طے کر دیا ہے اس لیے میں کسی اور کو ثمرین کی جگہ نہیں دے سکتا میری زندگی میں ہمیشہ وہی رہے گی یادوں میں بھی باتوں میں بھی میں نے پہلی بار کسی مرد کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔

میں نے خود سے عہد کیا کہ کسی بھی طرح مجھے ان دونوں کو ملانا ہے میں نے احسن بھائی سے ثمرین کا نمبر لیا ایک دو بار اس سے فون پر بات کی پھر اس کے گھر جا پہنچی اس کے گھر والوں ثمرین کی دوست ہونے کا تعارف کروایا میں ہر دوسرے تیسرے دن ثمرین کے گھر پہنچی ہوتی

ایک دن مجھے ثمرین کے بھائی نے احسن بھائی کے ساتھ دیکھ لیا اگلے دن جب میں ثمرین سے ملنے گئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

تم احسن کو کیسے جانتی ہو۔

میں نے کہا۔ میں احسن اور ثمرین اکھٹے پڑھتے تھے اس کے بھائی نے کہا۔

اگر آئندہ تمہیں احسن کے ساتھ دیکھا تو ثمرین سے ملنے مت آنا مسئلہ اور خراب ہو گیا پھر رضا بھائی کے بڑے بھائی کی شادی سر پر تھی احسن بھائی کا مسئلہ میں الجھ کر میں رضا کو کم ٹائم کب دے پا رہی تھی پھر میں نے سوچا ایک بار احسن کا مسئلہ حل ہو جائے پھر سارا ٹائم رضا کے ساتھ ہی گزاروں گی حسن بھائی کی مہندی پر رضا میرے ساتھ رہے مسئلہ تب ہوا جب احسن بھائی کی کال آئی انہوں نے مجھے بتایا کہ ثمرین ہاسپٹل میں ہے وہ اپنے بھائی کے ساتھ خریداری کے لیے مارکیٹ گئی تھی اچانک سے دو تین موٹر سائیکل والوں نے ان کو اس مارنے کی کوشش کی اس کے بھائی تو بچ گئے مگر ثمرین ان کی ضد میں زخمی ہو گئی انہوں نے مجھے مدد کے لیے پکارا انہوں نے کہا کہ میں ہی ہوں جو انہیں ثمرین کے پاس لے کر جا سکتی ہوں میں نے ان سے وعدہ کیا رضا کو بتایا کہ میں احسن مراد نے پکارا ہے مدد کے لیے مجھے چلنا ہو گا رضا نے جانے کیا کہا میں نے تائی امی سے اور پاپا کو بتایا ان سے اجازت لے کر چلی آئی احسن بھائی مجھے گیٹ پر ہی مل گئے میں نے انہیں پک کیا اور ہاف گھنٹے بعد ہم ہاسپٹل پہنچ گئے وہاں جا کر پتہ چلا کہ ثمرین آئی سی یو میں ہے ڈاکٹر نے بتایا کہ ثمرین کے دونوں گردے اچھے خاصے متاثر ہوئے تھے اگر گردے

کا انتظام کر سکتے ہو ثمرین کے پاپا کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ گردے کا انتظام کر سکے ثمرین کے منگیتر سے مدد مانگی گئی۔

اس نے تو صاف کہہ دیا کہ بھئی میرا کاروبار پہلے ہی ڈاؤن ہے سوری میں کوئی مدد نہیں کر سکتا تب احسن بھائی ہوش میں آئے انہوں نے ڈاکٹر سے بات کی ثمرین کے گھر والوں سے چھپ کے احسن کے موت کے پروانے پر میں نے سائن کیے احسن بھائی اور ثمرین کو آئی سی یو میں لے جایا گیا یہ کام میرے اور احسن بھائی کی بہت منتوں سے ثمرین کے گھر والوں سے چھپایا گیا صبح اذان ٹائم پہ دونوں نفوس کی آنکھیں کھلی تو میں نے شکر ادا کیا ثمرین کے ابو نے مجھ سے اس بندے کا پتا پوچھا اور مجھے بھی وہی ٹائم دونوں کو ملوانے کا بیسٹ موقع ملا میں نے ثمرین کے ابو کو احسن کا پتہ بتایا انہوں نے ثمرین کو اپنا گردہ دیا ہے اور ساتھ میں میں نے ان سے احسن بھائی کے لیے ریکویسٹ کی اور بتایا کہ وہ ثمرین سے کتنا پیار کرتے ہیں ثبوت آپ کے سامنے ہے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ احد ثمرین کا منگیتر ہے اسے چاہتا ہے تو وہ آج مشکل وقت پہ ثمرین کی مدد کو کیوں نہ پہنچا اب شاید میری باتوں کا اثر تھا یا احسن کی اصلیت ان کے سامنے آچکی تھی انہوں نے مجھے کہا۔

میں جلد ہی احسن کی ماں کو لے کر ان کے گھر آؤں میں نے یہ خوشخبری احسن بھائی کو بھی سنائی وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے احسن بھائی کو میں نے ساری بات بتائی تو وہ جلدی سے بولے۔

ثمرین کے ابو کا کچھ پتا نہیں وہ کب بدل جائیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ابھی اسی وقت میرا اور ثمرین کا نکاح ہو جائے رخصتی بے شک بعد میں کریں۔

میں نے احسن بھائی کو بہت سمجھایا وہ نہ مانے اسی پل ثمرین کے ابو ہمارے روم میں آئے انہوں نے شاید ہماری باتیں سن لی تھیں انہوں نے احسن بھائی کو گلے لگایا اور بولے مجھے یقین ہے تم میری بیٹی کا ہر موڑ پر ساتھ دو گے جیسے تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔

پھر صبح سوا پانچ بجے احسن بھائی اور ثمرین کا نکاح ہو گیا اور میرے سر سے جیسے بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا واپسی پہ گھر جاتے ہوئے میں نے کافی خوش تھی نیند بھی زوروں کی آئی ہوئی تھی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں گھر پہنچی تو سارے گھر میں سناٹا تھا میں سیدھی اپنے روم میں پہنچی۔

احسن بھائی کی شادی کے بعد میں رضا کو بتانا چاہا مگر شادی کے بعد سے میں نے رضا کو اپنے سے دور ہوتے پایا میں نے جب بھی رضا سے بات کرنے کی کوشش کی وہ ہمیشہ مجھے خاموش کروا دیتے میں نے ان سے دور رہنے کی وجہ پوچھی مگر وہ ٹال جاتے ایک دن صبح میں ان کے روم میں گئی مجھے کالج سے دیر ہو رہی تھی میں نے سوچا پاپا لیٹ جائیں گے میں رضا سے کہتی ہوں وہ مجھے ڈراپ کر دیں گے میں نے انہیں جب ڈراپ کرنے کو کہا وہ آگے سے بولے کہ میں احسن کو کال کرتا ہوں اسے کہو وہ تمہیں ڈراپ کر دے گا میں نے کہا۔

رضا آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

وہ بولے ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں اتنے دنوں سے احسن کے ساتھ ہو خدا جانے کیا کیا گل کھلاتی

رہی ہو اس کے ساتھ اب میری کیا ضرورت پڑ گئی ہے کہیں اس نے تمہیں استعمال کر کے چھوڑ دیا اب میرے پاس آ گئی ہو تو سوری میرے پاس تم جیسی بد چلن لڑکیوں کے لیے ٹائم نہیں ہے رہا۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔

وہ زور سے چیخے اور میں ساکت رہ گئی انہوں نے مجھ پہ اتنا بڑا الزام لگایا پھر آئے دن وہ میری بات بات پہ انسلٹ کر دیتے۔

نائلہ جس سے مجھے ڈر لگتا تھا وہ مجھ سے میرے رضا کو چھین لے گی اور اس نے واقع انہیں مجھ سے چھین لیا رضا بھی مجھے تڑپانے کے لیے نائلہ کو اپنے ساتھ لیے پھرتے تھے اگر میں ان سے بات کرنے کی کوشش کرتی تو وہ آگے سے مجھے جھاڑ دیتے اور کہتے کہ میں ہر وقت ان کے سامنے نہ آیا کروں انہیں مجھ سے گھن آتی ہے یہ میں اپنی ہی نظروں میں گر گئی میرے ایگزام سر پر تھے میں نے رضا کی وجہ سے تیاری نہیں کر پا رہی تھی پھر مجھے یہی بہتر لگا کہ میں ہاسٹل شفٹ ہو جاؤں پاپا تا ابو اور تائی ماں اور پاپا کو بہت مشکل سے کنونس کیا اور ہاسٹل شفٹ ہو گئی ایگزام ہوئے رزلٹ آیا میں پاس ہو گئی میں نے وہی لاہور میں ہاسٹل میں جاب کر لی۔

ہر ماہ میں گھر کا چکر لگاتی ہوں آٹھ ماہ ہو گئے ہیں میں نے رضا کو نہیں دیکھا میں جب بھی چھٹی گھر جاتی ہوں وہ مجھے گھر پر نہ ملتے وہ مجھ سے خفا تھے مگر اب میں اس سے خفا ہوں اس نے مجھ پہ اتنے بڑے الزام لگائے ہیں میں نے سوچ لیا کبھی رضا سے شادی نہیں کروں گی بلکہ کسی سے شادی نہیں کروں گی ایک دو بار احسن بھائی اور ثمرین مجھے ہاسٹل ملنے آئے انہوں نے مجھ سے شکوہ کیا کہ میں ان کی شادی پر نہیں آئی میں نے معذرت کر لی۔

پھر عجیب واقعہ ہوا رضا مجھ سے ملنے ہاسٹل آئے اور مجھے گھر جانے کو کہا میں نے وجہ پوچھی انہوں نے کہا۔

بس بہت ہو گیا گھر چلو میں تم بن نہیں رہ سکتا اور میں ان کا منہ دیکھنے لگی میں بولی۔

آپ شاید بھول گئے ہیں کہ میں بد چلن ہوں اور وہ آگے بڑھ کر میرے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے بولے۔

پلیز عنایہ ایسے مت بولو وہ سب ایک غلط فہمی تھی جو ٹھیک ہو چکی ہے میں معافی مانگنے آیا ہوں چلے جائیں آپ۔ میں نے انہیں کافی سنائی وہ سنتے رہے اور چلے گئے۔ کچھ دن خاموشی رہی پھر ایک دن پاپا کی کال آئی انہوں نے بتایا۔

میں جاب چھوڑ کے گھر واپس آ جاؤں میں نے تمہاری شادی کی ڈیٹ رکھ دی ہے

میں نے پوچھا کس سے اور میرے پوچھے بغیر ہی کیوں تو وہ بولے۔

کس سے کیا مطلب رضا سے شادی تمہاری طے ہو چکی ہے۔۔

میں نے صاف انکار کر دیا کہا۔ میں شادی نہیں کروں گی اور کال بند کر دی۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب میرا موبائل بجنے لگا رضا کی کال تھی میں نے کاٹ دی کال پھر آنے لگی میں نے پھر کاٹ دی تھوڑی دیر بعد میسج آیا نا چاہتے ہوئے بھی میں نے پڑھا اور مجھے زمین گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی انہوں نے بتایا کہ پاپا کو ہارٹ اٹیک ہو گیا ہے وہ آئی سی یو میں ہیں پھر کیسے سیٹ کروائی کیسے میں ہاسٹل پہنچی

کچھ یاد نہیں اتنا یاد ہے جب ڈاکٹر نے پاپا کی زندگی کی نوید سنائی تب میں پاپا کے سینے سے لگی صرف یہی بات کہہ رہی تھی میں شادی کے لیے تیار ہوں وہ جو کہیں گے میں مانوں گی بس وہ ٹھیک ہو جائیں۔

اس کے بعد کیا ہوا میں کب دلہن بنی کب رضا آئے انہوں نے کہا کیا مجھے کچھ یاد نہیں بس ایک بات یاد ہے۔

ہماری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں ہمارے دو بچے ہیں زیمل اور طلحہ پاپا کی تین سال ہو گئے ہیں د-تھ ہوئی اور رضا نے ان پانچ سالوں میں مجھے اتنا پیار دیا ہے کہ میں خود کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھتی ہوں مگر میں کیا کروں پانچ سالوں میں میں رضا کے وہ الفاظ آج تک نہیں بھول سکی وہ جب جب مجھے یاد آتے ہیں مجھے رضا سے نفرت ہوتی محسوس ہوتی ہے میں خود کو بہت مصروف رکھتی ہوں کاموں میں بچوں میں رضا کے پیار میں مگر وہ الفاظ جیسے میرے ذہن سے چمٹ گئے ہیں کہتے ہیں عورت ہر بات برداشت کرسکتی ہے مگر جب بات اس کی عزت کی ہو تو وہ کبھی برداشت نہیں کرسکتی۔

قارئین یہ تھی کہانی اسے لکھنے میں میں کہاں تک کامیاب ہوئی ضرور بتایئے گا کہتے ہیں کہ محبت تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے ایک دفعہ اس کے اندر چلے جاؤ تو باہر نہیں آنے دیتی اور اگر باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اس قدر عادی ہو جاتی ہیں کہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا وہ بھی نہیں جو بالکل صاف روشن واضح ہوتا ہے۔

بکھرتے موتی

ا۔ ہر ہنسنے والا چہرہ دل سے خوش نہیں ہوتا

2۔ ہر موڑ پر زندگی میں خوشی نہیں آتی

3۔ ہر کلی چمن میں کھلنے والا پھول نہیں بنتی

4۔ ہر غم سے انسان سمجھوتہ نہیں کرسکتا

5۔ ہر حسین چہرہ وفا کا پجاری نہیں ہوتا

6۔ ہر انسان اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوتا

7۔ جو دوسروں کے غم سے بے غم ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں

8۔ تمہاری گفتگو بتا دے گی تمہارے دل میں کی ہے

9۔ ہر منزل میں کوئی نہ کوئی کانٹا ضرور ہوتا ہے

10۔ نصیحت خواہ دیوار پہ لکھی ہو اپنا لو

11۔ گرے ہوئے انسان کو ٹھوکر مت مارو کیوں کہ آپ بھی گر سکتے ہیں

12۔ غرور سے آدمی کا دین ضائع ہو جاتا ہے

13۔ جھوٹ تمام گناہوں کی ماں ہے

14۔ جہالت تمام مصیبتوں کی جڑ ہے

ملنے کو دو ہی معیار ایک خیالات ملتے ہوں یا خون

15۔ ماں کے بغیر گھر قبرستان ہے

16۔ بے نمازی سے خنزیر بھی پناہ مانگتا ہے

17۔ عورت حیا کا کا ایک مجموعہ ہے خدا کی نعمتوں میں ایک نعمت ہے

18۔ زبان کو شکوے سے روک لو خوشی کی زندگی عطا ہو گی

19۔ جانور اپنے مالک کو پہچانتا ہے لیکن انسان اپنے خدا کو نہیں

20۔ شرک کا سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے

محمد اظہر سیف دکھی



کرنیں

☆نفرت کو ہر موقع دو کہ وہ محبت بن جائے مگر محبت کو ایک موقع بھی نہ دو کہ وہ نفرت بنے

☆دوسروں کے آنسوز میں پر گرنے سے پہلے اپنے دامن میں سمیٹ لینا انسانیت کی معراج ہے

☆رب کی محبت گناہ سے دور کر دیتی ہے اور گناہ کی محبت رب سے

خوبصورت بات

☆ہمیشہ اللہ سے مانگو اور بے حساب مانگو کیوں کہ اللہ ہی تو ہے جو دے کر واپسی کا تقاضا نہیں کرتا اس لیے مانگو اسی سے جو دیتا ہے اور کہتا نہیں

شازیہ حبیب، اوکاڑہ

سوچنے کی باتیں

☆وہ زندگی ہی کیا جو دوسروں کے کام نہ آسکے

☆وہ مصروفیات ہی کیا جس میں اسلامی باتیں نہ ہوں

☆وہ مذہب ہی کیا جس میں اللہ رسول ﷺ کی بات نہ ہو

☆وہ بہادری کیا جس میں صبر نہ ہو

☆وہ موت ہی کیا جس پر لوگ اشک بار نہ ہوں

☆وہ تحریر ہی کیا جس سے دوست خوش نہ ہو

☆وہ انسان ہی کیا جس میں خوف خدا نہ ہو

☆وہ وعدہ ہی کیا جس میں وفا نہ ہو

☆وہ کمائی ہی کیا جس میں رزق حلال نہ ہو

☆وہ درس گاہ ہی کیا جس میں قرآن کی تعلیم نہ ہو

☆وہ مسلمان ہی کیا جس کو روضہ رسول ﷺ کی زیارت کی چاہت نہ ہو

☆وہ آنکھ ہی کیا جس میں شرم حیا نہ ہو

ایم وائی سچا، جدہ

پیار

☆ایک بار ساری فلنگ نے فیصلہ کیا وہ چپ چاپ چھپن چھپائی کھیلیں گے درد کنٹرول شروع کی اور باقی فیلنگ چھپ گئی جھوٹ ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور پیار گلاب کے پودوں کے پیچھے سب پکڑے گئے سوائے پیار کے یہ دیکھ کر حسد نے درد کو بتا دیا کہ پیار کہاں چھپا ہے درد نے پیار کو کھینچ کے نکالا تو کانٹوں کی وجہ سے پیار کی آنکھیں خراب ہو گئیں اور وہ اندھا ہو گیا یہ دیکھ کر سب نے درد کو سزا سنائی کہ اسے زندگی بھر پیار کے ساتھ رہنا پڑے گا اس لیے پیار اندھا ہے اور جہاں بھی جاتا ہے درد اس کے ساتھ جاتا ہے

رائے اطہر مسعود آکاش

روشن خیالات

☆نماز روزے سے بھی بڑھ کر افضل ہے کہ مسلمان کی آپس میں صلح کرادی جائے

☆دانا وہ شخص ہے جو دیکھ کر اس کے مطابق کام کرے

☆زبان کی نرمی انسانی آگ پر پانی کا اثر رکھتی ہے

☆مہمان کے آگے کم کھانا رکھنا بے مروتی ہے اور حد سے زیادہ کھانا رکھنا تکبر ہے

☆ایک بار جب کوئی حصول علم کی ابتدا کر دیتا ہے تو اس پر اپنی جہالت کے پہلو روشن ہو جاتے ہیں یہ احساس اسے علم کی طرف لے جاتا ہے

☆وہ دن میرے لیے موت سے کم نہیں جس دن میں نے کچھ سیکھا نہیں ..... دیو جانس کلبی

☆اگر تم چاہتے ہو تو اپنے خیالات کو بدل کر اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہو

☆رحم دلی میں غلطی کرنا ظلم میں کارنامہ انجام دینے سے بہتر ہے

محمد صفدر دکھی، کراچی

....

زندگی کیا ہے

☆زندگی شمع ہے جو جلتے جلتے آخر بجھ جاتی ہے

☆زندگی قلم ہے جس کی سیاہی ایک دن ختم ہو جاتی ہے

☆زندگی چاند ہے جو ایک روز موت کی آغوش میں جا چھپتا ہے

☆زندگی موت کا سایا ہے

زندگی سمندر ہے جس کی گہرائی موت ہے

....

اچھی باتیں

☆محبت سب سے کرو مگر اعتماد چند لوگوں پر کیا جائے

☆کسی کو اس کی ذات یا پرانے لباس کی وجہ سے حقیر مت سمجھو اس لیے کہ تیرا رب اور اس کا رب ایک ہے

☆جب تیرا دل گناہوں کے کاموں میں لگنا شروع ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمہارا رب تم سے ناراض ہے

☆انسان کا نقصان مال اور جان کا چلا جانا نہیں انسان کا سب سے بڑا نقصان کسی کی نظروں سے گر جانا ہے

محمد صفدر دکھی، گلستان کالونی

....

حمد باری تعالیٰ

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
ستم ہو یا ہو وعدہ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
کوئی دم کا مہمان ہوں اہل محفل
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

رائے اطہر مسعود، آکاش

....

آپ کی نظر اور پھل

ایک بات مشاہدے اور تجربے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ عام طور پر ایک عام انسان کی نظر چالیس سال کی عمر کے بعد کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے اور چشمے یا لینز کی ضرورت پڑتی ہے بعض افراد کی دور کی نظر اور بعض کی نزدیک کی کم ہوتی ہے ہر انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی نظر ٹھیک ہی رہے مگر ایسا کبھی بھی ناممکن نہ ہے اور چشمے ہاں البتہ مناسب خوراک اور احتیاط کے ذریعے نظر کی کمی کو کم کیا جا سکتا ہے الیسرچ سے ثابت ہوا ہے وٹامن سی ای زنگ اومیگا تھری وغیرہ اجزاء کی حامل سبزیاں اور پھل عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ آنکھوں کے لاحق ہونے والے امراض سے محفوظ رکھتے ہیں میں آپ کو چند سبزیوں اور پھلوں کے بارے میں بتاتا ہوں جن کے باقاعدہ استعمال سے نہ صرف آپ کی نظر تا دیر درست رہے گی بلکہ آپ کی آنکھیں ہر امراض سے محفوظ رہیں گی

بند گوبھی۔kale

یہ ایک مفید سبزی ہے جس میں کینسر کے خلاف مدافعت کرنے والے وٹامن پائے جاتے ہیں اس کو سلاد پھلوں اور چپس کے ساتھ استعمال کر کے کینسر سے بچا جا سکتا ہے اور نظر کی کمزوری کو رافع کرتی ہے

مکئی، com یہ ایک نعمت خداوندی ہے جس کو بہت سے طریقوں سے کھایا جا سکتا ہے مثلاً ابال کر بھون کر پکا کر اس میں موجود لیوٹن بصارت اور امراض چشم کے خلاف موثر ہتھیار ہے

پالک spinach

یہ ایک ذائقہ دار اور صحت بخش سبزی ہے اس کو الگ یا گوشت کے ساتھ بھی پکایا جاسکتا ہے یہ بھی آنکھوں کے لیے بہت مفید ہے

انڈے eggs

صحت کے معاملے میں انڈے کی اہمیت کے بارے میں کس کو انکار ہے دنیا کے زیادہ تر انسان ناشتے میں انڈا ہی استعمال کرتے ہیں انڈے میں لیوٹن وٹامن ای اور اومیگا تھری جیسے اجزاء پائے جاتے ہیں جو آنکھوں کے لیے بنیادی کردار حامل کرتے ہیں

خلیل احمد ملک ،شیدانی شریف.........

اقوال زریں

☆ تمام گناہوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے

☆ گناہ سے نفرت کرو لیکن گناہگار سے نہیں

☆ اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو مسلسل محنت کرو

☆ غصہ ایسی آندھی ہے جو دماغ کا چراغ بجھا دیتی ہے

☆ ہنسنے والوں کے ساتھ ہنسا مت کرو بلکہ رونے والوں کے ساتھ رو دیا کرو

☆ کسی کا دل مت دکھاؤ یکھں کہ کوئی تمہارا دل بھی دکھا سکتا ہے

☆ غصہ تھوڑی دیر اور غرور ہمیشہ پاگل پن ہے

☆ بڑے کام کرو بڑے دعوے نہ کرو

☆ خوابوں اور تعبیروں میں بڑا فرق ہوتا ہے غرور سے آدمی کا دین ضائع ہو جاتا ہے

☆ خاموش انسان سمندر کی طرح ہوتا ہے

☆ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا

محمد وقاص مان

....

تماشہ محبت کا

جب انسان کو خوشی ملتی ہے تو وہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اسے غموں کا بھی سامنا کرنا ہے چاروں طرف خوشیاں ہی خوشیاں نظر آتی ہیں جب اچانک تیز آندھیوں کی وجہ سے غم کے دریچے کھلتے ہیں تو وہ بوکھلا جاتا ہے آنسوؤں کی ندیاں بہا دیتا ہے غم کے بادل چھٹتے ہیں تو وہ گزرے وقت کے پردے کھول کر اپنے دل کو جھانکتا ہے جب اسے وہاں پچھتاوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا تو اپنے نوکیلے ناخنوں سے دل کو مزید زخمی کر لیتا ہے

غم رہا جب تک دم میں دم رہا

غم کے جانے کا نہائت ہی غم رہا

محمد وقاص مان

....

اقوال زریں

☆ بھلائی کی خواہش برائی کی طرف لے جاتی ہے اگر ہم بھلے ہیں تو ساری دنیا ہمارے لیے بھلی ہے

☆ جو دوسروں کی بھلائی کرنا چاہتا ہے اس نے کرنے سے پہلے ہی اپنی بھلائی کر لی

☆ بھلائی کرنا فرح نہیں راحت ہے اس بری دنیا میں بھلائی دور تک چمک سکتی ہے

رینا محمود قریشی ،میر پور

....

ہیرے جواہرات

☆ بے کار ہے وہ جس میں عمل نہ ہو

بے کار ہے وہ کمائی جو حلال نہ ہو

☆ بے شک دیر تک سوچو مگر جو بولو وہ اچھا بولو

☆ کوشش کرنے سے ہی کامیابی ملتی ہے

☆ خوش قسمتی اور محبت بہاروں کو ملتی ہے

☆ وہ آنسو مقدس ہے جو دوسروں کے لیے ہے۔

☆ سچ کبھی جھوٹ سے شکست نہیں کھاتا

محمد آفتاب شاد۔

میری زندگی کی ڈائری

غلام فرید کی ڈائری

اے بے وفا آخر میری غلطی کیا تھی جو تو نے میری دنیا ہلا دی اگر تمہیں مجھ سے اتنی ہی نفرت تھی تو کیوں بڑھایا تھا دوستی کا ہاتھ کیوں کہا تھا کہ آپ اداس نہ رہا کرو میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں کہاں ہے اب وہ تمہارا پیار بتاؤ ناں مہوش جی تمہارا دکھ مجھے اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے میری راتوں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں نہ کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے ناں پینے کو سارا دن تیرے ہی خیالوں میں کھویا رہتا ہوں کبھی بیٹھے بیٹھے پاگلوں کی طرح ہنسنا شروع ہو جاتا ہوں اور بات بات پہ رونا شروع ہو جاتا ہوں میرے دوست میری حالت کی وجہ سے بہت پریشان ہیں لیکن آپ کو اس سے کیا میں جیئوں یا مروں آپ تو اپنی لائف انجوائے کر رہی ہیں ناں یہ بات یاد رکھنا اگر ایک انسان برسوں سے سکون سے نہیں سویا اگر اس کی وجہ آپ ہیں تو بتاؤ آپ ظالم نہیں تو اور کیا ہیں خدارا میرے حال پہ رحم کرو بہت بری حالت ہوگئی ہے میری آخر میں بھی تو انسان ہوں میرے اندر بھی تو دل ہے مہوش جی تم بہت مغرور ہو اور غرور خدا کو پسند نہیں یہ زندگی ایک بار ملتی ہے اسے اس طرح سے گزارو تاکہ لوگ آپ کو صدیوں یاد رکھیں میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو خوش رکھے

راشد لطیف کی ڈائری

میری زندگی کی ڈائری میرے اس محبوب کے لیے ہے جو میری زندگی میں ہزاروں غم دے گیا اے میرے محبوب تو جہاں بھی رہے خوش رہے میرا تجھ سے کوئی شکوہ نہیں ہے تیرا حسین چہرہ ہمیشہ مسکراتا رہے تجھے بے وفا میں نہیں کہتا تو بے وفا نہیں ہے میرے محبوب کچھ تیری بھی مجبوریاں تھیں کچھ میری محبت میں کمزوری بھی کچھ زمانے والے بھی کم ظرف تھے کچھ مقدر بھی ایسا تھا اے میرے محبوب تجھے کبھی غم کی ہوا نہ لگے تیرے مقدر میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں

راشد لطیف صبرے والا

اظہر دکھی کی ڈائری

زندگی میں بھی خوشی اور غم ہوتے ہیں لیکن شائد اللہ تعالیٰ نے میری زندگی میں غم ہی غم رکھے ہیں جو بھی ملا مطلب پرست ملا جس پر بھی اعتماد کیا اس نے مجھے دھوکا ہی دیا ہے کسی نے گھر جا کر لوٹا تو کسی نے دوست بنا کر دھوکا دیا آج تک جس کو بھی اپنا بنایا اسی نے مجھے لوٹا اور ایسے ٹھکرایا کہ جیسے راستے میں کوئی پتھر پڑا ہوا ہو میں نے پھر بھی ہر کسی کو دعا ہی دی ہے اللہ اس کو خوش رکھے لیکن کبھی کبھی میرا دل اداس ہو جاتا ہے میں اتنے زخم کھانے کے باوجود بھی کیسے زندہ ہوں اور کیوں زندہ ہوں یا پھر اس لئے کہ میں دھوکے ہی کھاتا رہوں زخم دے کر لوگوں کو کیا ملتا ہے میں ابھی بھی لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ سنبھل جاؤ ورنہ روز محشر حساب دینا پڑیگا پھر تم لوگ پچھتاؤ گے اس لیے کسی کو دکھ مت دو کسی کا دل مت توڑو اپنے بہت بے وفا ہوتے ہیں اپنے تو جانتے ہی نہیں کہ وفا رشتہ دوستی چاہت محبت کیا چیز ہے اپنو تم بھی سمجھ جاؤ نت کرو یہ سب ہر کسی سے وفا کرو ہر وقت اپنوں کا ساتھ دو جب تم لوگ ہم سے وفا نہیں کرو گے تو لوگ تو پھر لوگ ہیں وہ کیا وفا کریں گے ابھی بھی تمہارے پاس بہت وقت ہے

میری محبت میں کم رہ جاتی ہے
کہ لوگ میری چاہت سے تنگ
آجاتے ہیں
کچھ لوگ کچھ محبت کا دعوی کرنے
والے
کچھ دیر کچھ لمحے ساتھ تو چلیں
مگر نسبت جلدی بدلتے موسموں
کی طرح بدل جاتے ہیں
اپنی اپنی مجبوریوں کے قصے سناتے
ہیں
کسی کو اپنی عزت کا خیال نہیں۔
کسی کو خاندان اور قبیلے والوں کا
ڈر نہیں
کسی کو وقت نہیں ملتا تو کسی کے
پاس محبت نہیں میرے پاس سب
کچھ ہے
مگر سچا پیار کرنے والا کوئی نہیں
انتظار حسین ساقی



میری زندگی کا دکھ یہ ہے کہ
میں بھی اس مطلب پرست
دھوکے باز دنیا میں اپنا دامن محبت
جیسی لاعلاج بیماری سے نہ بچا سکا
جس کے بدلے میں مجھے سوائے
معاشرے کی تنقید دنیا جہاں کا
کرب دکھ پریشانیاں ذہنی ٹینشن
کاروبار کی تباہی عزت واحترام
میں کمی غیر اپنوں نے بھی شعور کا
مقام نہ دیا آج میں اپنے پیارے
محبوب جواب عرض کی وساطت
سے اس بے وفا سے پوچھنا چاہتا
ہوں جس کا نام صرف ایم ہے
کہاں گئے وہ تمہارے وہ قسمیں
جس میں تم بارش کی طرح آنسو
بہایا کرتی تھی ایم تو تو کہتی تھی کہ
آفتاب میں کوئی موسم نہیں ہوں
میں تو ظالم سماج کی سب دیواریں
پھلانگ کے آپ تک آؤں گی دنیا
ہماری وفا کی مثالیں دے گی کیا
یہی آپ نے میری وفا کی صلہ دیا
ہمارے دشمنوں کو آپ نے ہنسایا
اور مجھے اس ظالم سماج میں تنہا
چھوڑ دیا بڑے اطمنان سے
غیروں کی ڈولی میں بیٹھ گئی لیکن
بے وفا میں آج بھی تم سے محبت
کرتا ہوں اور ہمیشہ تک کرتا
رہوں گا اگر میری تحریر کو وہ بے وفا
پڑے تو مجھ سے رابطہ ضرور کرے
میرے ان سب سوالوں کا جواب
ضرور دے میرے ساتھ یہی کرنا
تھا آخر میں میرے پیارے
قارئین سے درخواست ہے کہ وہ
اس محبت کے دھوکے میں کبھی نہ
آئیں یہاں کوئی کسی کا ساتھ نہیں
دیتا جہاں تک ہو سکے ان کانٹوں
سے اپنا دامن بچا لو ورنہ میری
طرح عمر بھر پچھتاتے رہو گے
محمد ندیم آفتاب۔خانپور

مستوئی کی ڈائری

میری زندگی کی ڈائری
میرے بھائی کے نام میرے
پیارے بھائی سردار اطہر خان
مستوئی ہے جو میں اسے دل
وجان سے بھازیادہ چاہتا ہوں جو
اب اس دنیا میں نہیں ہیں ہے اور
ایک بہت ہی میری زندگی میں زخم
آیا ہے اور اس کی ہر وقت یاد مجھے
ستاتی ہے اور پھر سے زخم تازہ ہو
جاتا ہے اس جس دن سے میرا
بھائی اطہر مستوئی بچھڑا ہے اسی
دن سے میں دکھ درد اور غم ملتے ہیں
جا یک غم ستا رہا ہے اور جو مجھ سے
پیار کرنے والے ہیں اس دنیا
سے بچھڑ گئے مستوئی اب میں اس
کی یاد میں ہی سوچتا رہتا ہوں جو
ہم ایک دوسرے سے بہت پیار
کرتے تھے اور کبھی ایک دوسرے
سے جدا نہیں ہوا کرتے تھے او
اب بھائی کو بہت ہی یاد کرتا ہوں
اور سرے غم اپنے اندر جذب کر
کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ میرے
بھائی کو جنت الفردوس جگہ دے
آمین
سردار اقبال خان مستوئی
بلوچ

☆ تین چیزیں ہمیشہ ایک بار ملتی
ہیں
والدین۔ حسن ۔جوانی۔
☆ تین چیزیں کبھی کسی کا انتظار
نہیں کرتیں
موت۔ وقت۔ عمر۔
محمد ندیم عباس میواتی۔چونکی